جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف

سیرتِ دفاعِ صحابة رضی الله عنهم اسم الكتاب :

تأليف : .... فضيلة الشيخ رضاء الله الباجوري

الطبع ....الاول سنه 1447ه بمطابق 2025

تنضيد: ابو منقاد رضاء الله بن الحاج خان بادشاه حفظه الله عنه

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شریف آباد باجوڑ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

قارئین محترم! اس مختصر سے رسالہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعض فضائل ومناقب بیان کرنا مقصود ہے۔ ☆وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی تعریف خود اللہ رب العزت نے اپنی سب سے مقدس کتاب قرآن مجید میں کی ہے، ان کیلئے اپنی رضا کا اعلان کیا ہے اور ان سے جنات کا وعدہ کیا ہے۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث مبارکہ میں اپنے اِن ساتھیوں کی ستائش کی ہے۔ ☆وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو وحیِ الٰہی کے سب سے پہلے مخاطب تھے۔ ☆وہ عظیم شخصیات جنھیں اللہ رب العزت نے اپنے سب سے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہونے کے شرف سے نوازا اور انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی بنایا۔

☆وہ جنہوں نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اپنے کانوں سے ان کے فرامین سنے، پھر انھیں اچھی طرح ذہن نشین کیا اور یہ امانت لوگوں تک پہنچائی۔

☆وہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو یاد کیا اور اسے امت تک پہنچانے کا فریضہ بخوبی سرانجام دیا۔

☆وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے دینِ اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ حتی کہ اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا اور شیوۂ فرمانبرداری کی ایسی مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک پڑھی اور سنی جاتی رہیں گی۔

☆وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے ایمانِ صادق کو اللہ تعالی نے باقی لوگوں کیلئے معیار قرار دیا ہے، فرمان باری تعالی ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾[البقرۃ:۱۳۷]

ترجمہ: ’’پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (اس لئے کہ آپ کی) مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔‘‘

☆وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کا راستہ چھوڑنے پر اللہ تعالی نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔ فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾[النساء:۱۱۵]

ترجمہ:"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔"

اس آیت کریمہ میں مومنوں کے راستے سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے کیونکہ نزولِ قرآن مجید کے وقت وہی مومن تھے۔

سو اس رسالے میں تذکرہ ہے انہی حضرات رضی اللہ عنہم کا۔ قرآن وحدیث میں ان کے فضائل خصوصا خلفائے راشدین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مناقب، ان کے درمیان آپس میں محبت بھرے تعلقات اور باہمی رشتے، اہل السنۃ والجماعۃ کا ان کے متعلق عقیدہ۔۔۔ یہ ہیں وہ بعض اہم عناوین جو اس رسالے کی زینت ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان حضرات سے سچی محبت کرنے اور ان کے راستے پر چلنے کی توفیق دے اور قیامت کے روز انہی کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرمائے۔ آمین

ابو منقاد اللہ بن الحاج خان بادشاہ۔ 6 جمادی الاولی ۔1447ھ۔ 28۔ اکتوبر۔ 2025 یوم الثلثاء

صحابی کسے کہتے ہیں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب ذکر کرنے سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ "صحابی" کسے کہتے ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "صحابی" کی تعریف یوں کی ہے:

"الصحابي من لقي النبي صلي اللهُ عليه وسلم مؤمنا به ومات على الإسلام"

یعنی "صحابی اسے کہتے ہیں جس نے حالتِ ایمان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام پر ہی فوت ہوا۔"

پھر اس کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس تعریف کے مطابق ہر وہ شخص صحابی شمار ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حال میں ملا کہ وہ آپ کی رسالت کو مانتا تھا، پھر وہ اسلام پر ہی قائم رہا یہاں تک کہ اس کی موت آگئی، خواہ وہ زیادہ عرصے تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا یا کچھ عرصہ کے لئے۔ اور خواہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو روایت کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور خواہ وہ آپ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور خواہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا بصارت نہ ہونے کے سبب وہ آپ کا

دیدار نہ کر سکا، ہر دو صورت میں وہ ''صحابیٔ رسول'' شمار کیا جائے گا۔ اور ایسا شخص ''صحابی'' متصور نہیں ہو گا جو آپ پر ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ [الإصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ج ۱ ص ۷۔۸]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل قرآن مجید میں

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حسین تذکرہ کرتے ہوئے ان کی خوب تعریف فرمائی ہے۔ کچھ آیات کریمہ ملاحظہ فرمائیں:

1 فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [التوبۃ: ۱۰۰]

ترجمہ: ''اور مہاجرین وانصار میں سے وہ اولیں لوگ جو کہ (ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں) دوسروں پر سبقت لے گئے، اور وہ دوسرے لوگ جنہوں نے ان سابقین کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا، اور وہ سب اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہو نگی، ان میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، (اور) یہی عظیم کامیابی ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے:

1 مہاجرین، جنہوں نے رب العزت کے دین کی خاطر اپنے آبائی وطن اور مال ومتاع کو چھوڑا اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

2 انصارِ مدینہ، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت و مدد کی اور ان کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (مہاجرین وانصار) میں سے ان حضرات کا تذکرہ فرمایا ہے جو ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں سبقت لے گئے، یعنی سب سے پہلے ہجرت کر کے اور سب سے پہلے ایمان قبول کر کے وہ دوسروں کے لئے نمونہ بنے۔

3 وہ حضرات جنہوں نے ان سابقین اولین کی اخلاص ومحبت سے پیروی کی اور ان کے نقشِ قدم پہ چلے، ان میں متأخرین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور قیامت تک آنے والے وہ تمام لوگ شامل ہیں جو انہیں معیارِ حق تصور کرتے ہوئے ان کے پیروکار رہیں گے۔

تینوں قسم کے لوگوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دو خوشخبریاں سنائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا ہے، یعنی ان کی لغزشیں معاف کر دی ہیں اور ان کی نیکیوں کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنات تیار کر دی ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیمغفرت کر دی ہے اور اپنی کتاب میں ان کے لئے جنت کو واجب قرار دیا ہے، ان میں سے جو نیک تھا اس کے لئے بھی اور جو خطا کار تھا اس کے لئے بھی، پھر انہوں نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت کی اور کہا: ''اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رضامندی اور ان کے لئے جنت کا اعلان کیا ہے، اور ان کے پیروکاروں کے لئے بھی یہی انعام ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان کی اخلاص و محبت سے پیروی کریں'' [الدرّ المنثور: ۴/ ۲۷۲]

2 فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [التوبۃ: ۱۱۷]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی، جنہوں نے تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا، اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت شفیق و مہربان ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان مہاجرین وانصار کی تعریف فرمائی ہے جنہوں نے ''تنگی کے وقت'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اور ''تنگی کے وقت'' سے مراد جنگِ تبوک ہے جس میں تنگی کا عالم یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ کھانے کو کوئی چیز ملتی تھی اور نہ پینے کو پانی میسر تھا، شدید گرمی کا موسم تھا اور سواروں کی بہ نسبت سواریاں انتہائی کم تھیں، لیکن اس قدر تنگی کے عالم میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا اور ہر قسم کی تنگ حالی کو برداشت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ''تنگی کے وقت'' کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

''ہم شدید گرمی کے موسم میں نکلے، راستے میں ہم ایک جگہ پڑاؤ کے جہاں ہمیں شدید پیاس محسوس ہوئی، حتی کہ ہمیں ایسے لگا کہ ہماری گردنیں شدتِ پیاس کی وجہ سے منقطع ہو جائیں گی۔ اور حالت یہ تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص جب اپنا اونٹ ذبح کرتا تو اس کے گوبر کو نچوڑ لیتا اور جو پانی نکلتا اسے پی لیتا، جب حالت اس قدر سنگین ہو گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی دُعا قبول کرتا ہے، لہٰذا ہمارے لئے دعا کیجئے، چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور ابھی آپ کے ہاتھ واپس نہیں لوٹے تھے کہ ہم پر بادل چھا گئے اور بارش ہونے لگی، چنانچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے برتن بھر لئے، پھر جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ بارش تو محض اسی جگہ پر ہی ہوئی تھی جہاں ہم رکے ہوئے تھے۔'' [تفسیر القرطبی: ۸/۲۷۹۔ تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۲۲]

اور امام قتادۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جنگ تبوک کے سفر میں کھانے پینے کے سامان کی اس قدر کمی تھی کہ کھجور کا ایک دانہ آدھا آدھا کر کے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں بانٹ لیتے اور شدتِ پیاس کو بجھانے کے لئے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھجور کے ایک ہی دانے کو چوستے رہتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

"ہم غزوۂ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اس دوران لوگ شدتِ بھوک میں مبتلا ہوئے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کرلیں، تو آپ نے اجازت دے دی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے:

اے اللہ کے رسول! اگر یہ اپنے اونٹ ذبح کریں گے تو سواریاں کم ہوجائیں گی، آپ انہیں حکم دیں کہ ان کے پاس کھانے کی جو بھی چیز موجود ہو وہ ایک جگہ پر اکھٹی کریں، پھر آپ اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا فرمائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، پھر آپ نے ایک چادر (دستر خوان) بچھانے کا حکم دیا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ جس کسی کے پاس جو کچھ موجود ہے وہ اسے لاکر اس چادر پر رکھ دے، چنانچہ ایک شخص آتا اور مٹھی بھر مکئی اس پر رکھ دیتا، پھر ایک اور شخص آتا اور مٹھی بھر کھجور اس پر رکھ دیتا، پھر ایک اور شخص آتا اور وہ جَو کی روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس میں جمع کر دیتا۔ اس طرح دستر خواں پر کھانے کا تھوڑا سا سامان جمع ہوگیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی اور اس کے بعد لوگوں سے کہا: "اب تم اپنے برتنوں میں اس کھانے میں سے لے جاؤ" چنانچہ اس فوج کے تمام افراد نے اپنے اپنے برتن خوب بھر لئے، اور سب کے سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اور جو شخص بھی ان دو گواہیوں کے ساتھ اللہ سے ملے گا اور اسے ان کے بارے میں کوئی شک نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا" [مسند احمد: ۳/ ۱۱ حدیث: ۱۱۰۹۵، وأصله في صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً۔ حديث: ۴۴]

جنگِ تبوک کے دوران جن سنگین حالات سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دوچار ہوئے انہیں قدرے تفصیل سے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا اندازہ ہوجائے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر مضبوط ایمان کے حامل اور کس طرح صبر و تحمل کے پیکر تھے، اور انہوں نے دینِ اسلام کی خاطر کیا کیا مشکلات برداشت کیں، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر خصوصی توجہ فرمائی، اور اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اس بات کا واضح اعلان فرمادیا کہ وہ ان سے راضی ہوگیا ہے اور یہ اس سے راضی ہوگئے ہیں۔

3 فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ [النمل: ۵۹]

"آپ کہہ دیجئے! تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اور اس کے بندوں پر سلام ہے جنہیں اس نے چن لیا۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں پر سلام بھیجا ہے اور انہیں برگزیدہ قرار دیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ان سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے منتخب فرمایا۔ اور امام ابن جریر الطبری کہتے ہیں:

"وہ بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی کے لئے منتخب فرمایا اور انہیں آپ کا ساتھی اور وزیر بنایا"

[جامع البیان:۲/۲۰، نیز دیکھئے: منھاج السنۃ لابن تیمیہ:۱۵۶/۱]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ ،أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلي الله عليه وسلم ،كَانُوا خَيْرَ الأُمَّةِ ،أَبَرَّهَا قُلُوبًا ،وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا ،وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا ،اِخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ صلي الله عليه وسلم ونَقْلِ دِيْنِهِ ،فَتَشَبَّهُوا بِأَخْلاَقِهِمْ وَطَرَائِقِهِمْ فَهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلي الله عليه وسلم كَانُوا عَلَى الْهَدْيِ الْمُسْتَقِيْمِ ''[حلیۃ الأولیاء :۳۰۵/۱-۳۰۶]

ترجمہ:''اگر کوئی شخص اقتداء کرنا چاہتاہو تو وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلے جو کہ فوت ہو چکے ہیں،وہ امت کے سب سے بہتر لوگ تھے،وہ سب سے زیادہ پاکیزہ دل والے،سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔اللہ تعالی نے انھیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیلئے اور اُس کا دین دوسرے لوگوں تک پہنچانے کیلئے منتخب فرمایا۔لہٰذا تم انہی کے اخلاق اور طور طریقوں کو اپناؤ،کیونکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے تھے۔''

اور اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو ان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے بہتر پایا،اس لئے انہیں اپنے لئے چن لیا اور انہیں منصبِ رسالت عطا کیا،اس کے بعد پھر اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو سب سے بہتر پایا،اس لئے انہیں اپنے نبی کے وزراء کا منصب عطا کر دیا جو اس کے دین کا دفاع کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔''[مسند احمد:۳۷۹/۱،شرح السنۃ:۱/ ۲۱۴ بإسناد حسن]

4فرمان الٰہی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا﴾[الفتح:۲۹]

ترجمہ:''محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں، آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں،اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، سجدوں کے اثر سے ان کی نشانی ان کی پیشانیوں پر عیاں ہے،ان کی یہی

مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی کی مانند بیان کی گئی ہے جس نے پہلے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے سہارا دیا تو وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، وہ کھیت اب کاشتکاروں کو خوش کر رہا، (اللہ نے ایسا اس لئے کیا ہے) تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑ آئے، ان میں سے

جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔" اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کئی اوصاف بیان فرمائے ہیں:

1 وہ کافروں پر سخت ہیں۔

2 آپس میں رحم دل ہیں۔

3 رکوع و سجود کی حالت میں رہتے ہیں۔

4 اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب رہتے ہیں۔

5 سجدوں کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر ایک نشان نمایاں ہے۔

6 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے شرف و فضل کے تذکرے پہلی آسمانی کتابوں میں بھی موجود تھے۔

7 ان کی مثال اس کھیتی کے مانند ہے جو پہلے کمزور اور پھر آہستہ آہستہ قوی ہوتی جاتی ہے، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے کمزور تھے، پھر طاقتور ہو گئے اور ان کا اثر ورسوخ بڑھتا چلا گیا، جس سے کافروں کو چڑ تھی اور وہ غیظ و غضب میں مبتلا ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا صفات کے حامل اور ایمان و عملِ صالح کے مجسم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایسے کئی آثار نقل کئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان نمازی ہو اور خصوصا تہجد پڑھنے والا ہو تو اس کی وجہ سے اس کے چہرے پر نور آجاتا ہے اور اگر اس کا باطن پاک ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ظاہری حالت کو خوبصورت بنا دیتا ہے جس سے وہ لوگوں میں محبوب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیتیں خالص تھیں اور ان کے اعمال اچھے تھے، اس لئے جو بھی انہیں دیکھتا ان کی شخصیت اور سیرت سے ضرور متاثر ہوتا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شام کو فتح کیا تھا انہیں جب نصاریٰ دیکھتے تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل جاتے کہ: ''اللہ کی قسم! یہ لوگ ہمارے حواریوں سے بہتر ہیں'' اور وہ اپنی اس بات میں یقینا سچے تھے کیونکہ اس امت کی عظمت تو پہلی کتابوں میں بیان کی گئی ہے، اور اس امت کے سب سے افضل لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔'' [تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۶۱]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں ہم نے صرف چار قرآنی آیات اور ان کی مختصر سی تفسیر بیان کی ہے، اس کے علاوہ متعدد آیات کریمہ میں ان کے اوصاف وفضائل کا حسین تذکرہ ہے، لیکن ہم اختصار کے پیشِ نظر آگے بڑھتے ہیں اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی آپ کے قابلِ فخر شاگردان گرامی کا ذکرِ خیر سنتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل احادیثِ نبویہ میں

1 حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسلِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(اَلنُّجُوْمُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَائِ ،فَإِذَا ذَہَبَتِ النُّجُوْمُ أَتَى السَّمَائَ بِمَا تُوْعَدُ ،وَأَنَا أَمَنَةٌ لأَصْحَابِيْ ،فَإِذَا ذَہَبْتُ أَتَى أَصْحَابِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ،وَأَصْحَابِيْ أَمَنَةٌ لأُمَّتِيْ ،فَإِذَا ذَہَبَ أَصْحَابِيْ أَتَى أُمَّتِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ)

ترجمہ: ''ستارے آسمان کے لئے امان ہیں، لہٰذا جب ستارے جھڑ جائیں گے تو آسمان بھی نہیں رہے گا جیسا کہ اس سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں لہٰذا جب میں فوت ہو جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ وقت آجائے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میری امت کے لئے امان ہیں، لہٰذا جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ختم ہو جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز نازل ہو جائے گی جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

[مسلم :كتاب فضائل الصحابة۔باب أن بقاء النبى صلي اللهُ عليه وسلم أمان لأصحابه۔حديث:۲۵۳۱]

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب تک ستارے باقی ہیں آسمان بھی باقی ہے، اور جب قیامت کے دن ستارے بے نور ہو کر گر جائیں گے تو آسمان بھی پھٹ جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بقا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے امان تھی، اس لئے جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آزمائشیں ٹوٹ پڑیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بقاءامت کے لئے امان تھی، اس لئے جونہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دنیا سے چل بسے تو اس امت میں فتنے کھڑے ہو گئے، بدعات ظاہر ہو گئیں اور امت انتشار کا شکار ہو گئی۔[شرح مسلم للنووی:۱۶/ ۸۳]

2 حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسے لوگ سب سے بہتر ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(قَرْنِيْ ،ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ،ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)

ترجمہ: ''میرے زمانے کے لوگ (سب سے بہتر ہیں)، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے''۔

[البخاری:کتاب الشهادات،باب لا یشهد علی شهادة جور إذا شهد،حدیث:۲۶۵۲۔مسلم:کتاب فضائل الصحابة۔باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم،حدیث:۲۵۳۳]

3 حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ)

ترجمہ:''میرے ساتھیوں کو گالیاں مت دینا،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ نہ ان کے ایک مُدّ کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ آدھے مُدّ کے برابر''[البخاری:۳۶۷۳،۲۵۴۱،مسلم:۲۵۴۰]

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک صحابی نے اپنی تنگ دستی کے باوجود جو تھوڑا بہت اللہ کی راہ میں خرچ کیا وہ اللہ کے ہاں زیادہ پاکیزہ ہے اور زیادہ اجر وثواب کے لائق ہے بہ نسبت اس زرِ کثیر کے جو ان کے بعد آنے والے کسی شخص نے خرچ کیا۔

4 حضرت ابو عبد الرحمن الجہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک دو سوار رونما ہوئے،وہ دونوں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گئے،ان میں سے ایک شخص نے بیعت کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے آپ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لے آیا،آپ کی پیروی اور تصدیق کی،اسے کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس کے لئے طوبیٰ ہے۔''(جنت میں ایک درخت کا نام)

پھر اس نے بیعت کی اور پیچھے ہٹ گیا،اس کے بعد دوسرا شخص آگے بڑھا اور اس نے بھی بیعت کرتے ہوئے وہی سوال کیا جو پہلے شخص نے کیا تھا،تو اسے آپ نے فرمایا:''اس کے لئے طوبیٰ ہے،پھر اس کے لئے طوبیٰ ہے''[مسند احمد:۱۷۳۸۸،الطبرانی:۲۲/۷۴۲۔البزّار:۲۷۶۹(کشف الأستار)،مجمع الزوائد ۱۸/۱۰:بإسنادہ حسن]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں اور بھی بہت ساری احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں،بلکہ شیخ الإسلام ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کہ

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب اور ان کی تعریف میں اور اسی طرح ان کی صدی کی دوسری صدیوں پر فضیلت کے بارے میں احادیث مشہور بلکہ متواتر درجہ کی ہیں،لہٰذا ان کی عیب گیری کرنا دراصل قرآن وسنت میں عیب جوئی کرنا ہے۔''[مجموع الفتاوی:۴/۴۳۰]

یاد رہے کہ یہ وہ احادیث تھیں جو عموماً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں ہیں،اور بعض احادیث خصوصاً بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ہیں،ان میں سے چند احادیث کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔ان شاء اللہ

صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ہم پر حق

جہاں تک امت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقوق کا تعلق ہے تو ان کی تعداد کافی زیادہ ہے؛ مگر یہاں پر بطور خلاصہ ان کے دس حقوق پیش کر رہے ہیں:

۱۔ صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت عین ایمان ہے:

اہل سنت والجماعت اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے اصحاب و اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی اور مخلصانہ محبت رکھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ جو کوئی ان سے محبت اور دوستی رکھے؛ ان کے حقوق کا خیال رکھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف کرے؛ وہ بھی کامیاب ہونے والوں کے ساتھ کامیاب ہو جائے گا اور جو کوئی ان سے بغض رکھے؛ اس قدسی جماعت پر سب وشتم کرے اور ان کی طرف ایسی چیزیں منسوب کرے جو کہ دین اسلام کے دشمن ان پر الزام لگاتے ہیں تو وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا۔

اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ (الحشر:۱۰)

"اور جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

صحیحین میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ)) [1]

" ایمان کی نشانی انصار سے محبت اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض وعداوت ہے۔"

[1] ((الْأَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ؛ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللَّهُ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللَّهُ)) [البخاري ح: ۳۷۸۳؛ ومسلم ح: ۷۵] ''انصار سے مؤمن کے علاوہ کوئی بھی محبت نہیں کرسکتا؛ اور منافق کے علاوہ کوئی بھی ان سے بغض نہیں رکھ سکتا۔ جس نے ان سے محبت کی، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں، اور جس نے ان سے بغض رکھا، اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتے ہیں۔'' اورصحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا يُبْغِضُ الْأَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔'' [صحیح مسلم ح: ۷۶۔] ''جو انسان اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا؛ اور نفس [جان] کو پیدا کیا! بیشک نبی أمی صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے ساتھ یہ عہد ہے، مجھ سے مؤمن کے علاوہ کوئی محبت نہیں کرے گا اور منافق کے علاوہ کوئی بغض نہیں رکھے گا۔'' [صحیح مسلم ح:۷۸۔] ان نصوص کی بناپر ؛اور ان کے علاوہ وہ نصوص جو اس معنی میں آئی ہیں؛ [ان کی بناپر] اہل سنت و الجماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اوراسی بات کا انھوں نے اپنے اقوال اور کتب میں حکم دیا ہے۔ شرح العقیدة الواسطیة لابن عثیمین ۲/۲۵۶۔ [2] العقیدة الطحاویہ مع شرحها لابن ابی العز: ص: ۶۸۹۔

سے روایت کیا ہے؛[وہ فرماتے ہیں]:

"سلف صالحین اپنے بچوں کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا ایسے سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھائی جاتی ہے۔"[1]

امام ابو نعیم نے اپنی کتاب "الحلیۃ" میں حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے' آپ فرمایا کرتے تھے: "اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرا سب سے زیادہ پختہ [اور پر امید] عمل اَصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔"[2]

نیز آپ نے حضرت شعیب بن حرب رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت کیا ہے؛ فرمایا: "عاصم بن محمد رحمہ اللہ کی مجلس میں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا؛ اور ان کے مناقب شمار کیے جانے لگے۔ یہاں تک کہ تقریباً پندرہ مناقب شمار کیے گئے تو عاصم بن محمد رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا تم لوگ اپنی گفتگو سے فارغ ہو گئے؟ مجھے ایک ایسی منقبت کا بھی علم ہے جو ان تمام سے افضل ہے؛ وہ یہ ہے کہ: آپ کا سینہ اَصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بالکل صاف تھا۔" [3]

۲۔ فضیلت و عدالت کا عقیدہ:

[یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام عادل اور باقی امت کے تمام لوگوں سے افضل ہیں؛ اور وہ اس امت کے چنیدہ و برگزیدہ لوگ تھے؛ جو کہ ایمان میں کامل اور حق و صواب کے سب سے زیادہ قریب تھے]۔ پوری امت میں فضیلت؛ نیکی اور درست رائے میں کوئی دوسرا صحابہ جیسا نہیں۔[4]

اس عقیدہ پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اور اس بارے میں ان بھٹکے ہوئے گمراہ اہل بدعت فرقوں کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں جو اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

"تمام علمائے کرام کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انسانیت کے سب سے بہترین لوگ تھے۔ یہ عقیدہ ضروری طور پر معلوم ہے' اور اس میں دو انسانوں کے مابین بھی کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا قول نقل کیا گیا ہے۔"[1]

[1] نونیۃ ابن القیم مع شرحہا توضیح المقاصد لابن عیسی (۲/۴۶۱)۔ اہل سنت والجماعت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں: ان کی عدالت کے متعلق پوچھ گچھ یا سوال کرنا جائز نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عدول ہیں- وہ بھی جو فتنوں میں مبتلا ہوئے اور دوسرے بھی۔ اس پر تمام معتمد علما کا اجماع ہے۔ [تقریب النووی: ۲۱۴] حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "تمام امت کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے پر اتفاق ہے وہ صحابہ بھی عادل ہیں جو کہ فتنوں میں مبتلا ہوئے [اور دوسرے بھی]۔ [الحدیث والمحدثون: ۱۲۹] علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اللہ اور اس کے رسول سے ثابت ہے۔ اب ان کے متعلق کسی سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ عدالت کا سوال ان کے بعد کے لوگوں کے متعلق کیا جائے گا۔ [الکفایۃ فی علم الروایۃ: ۴۶] اہل سنت والجماعت کا ان سے محبت اور دوستی رکھنے پر اتفاق ہے اور اس میں اہل بدعت کے علاوہ کوئی اس عقیدہ کا مخالف نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔ کتاب اللہ اس بزرگ جماعت کی مدح و تعریف میں خوشبوؤں کے جھونکے بکھیر رہی ہے۔ اس لیے کہ دلوں کے راز جاننے والے اللہ تعالیٰ علام الغیوب اور علیم بذات الصدور کو ان کی صداقت اور ایمان کی درستگی، خالص محبت، وافر عقل پختہ رائے اور کمال خیر خواہی امانت داری اور اصلاح کا علم تھا۔

ان قرآنی دلائل میں سے ایک یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ (التوبۃ: ۱۰۰)

"اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں؛ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

سورۂ انفال میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ ﴾ (الانفال: ۷۲)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

یہاں تک کہ آگے چل کر فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴾ (الأنفال: ۷۴)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں، انھی کے لیے بڑی بخشش اور باعزت رزق ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ (التوبۃ:۱۱۷)

"بلاشبہ یقیناً اللہ نے نبی پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی اور مہاجرین و انصار پر بھی، جو تنگ دستی کی گھڑی میں اس کے ساتھ رہے، اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر وہ ان پر دوبارہ مہربان ہو گیا۔ یقیناً وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ بھی ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾ (الفتح:۲۹)

"محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، آپ انھیں اس حال میں دیکھیں گے کہ وہ رکوع اور سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ (التحریم:۸)

"جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان کے ساتھ اہل ایمان کو، رسوا نہیں کرے گا ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں دوڑ رہا ہو گا وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش دے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝ فَضْلًا مِنَ اللهِ وَنِعْمَةً وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (الحجرات:۷-۸)

"اور جان لو کہ بے شک تم میں اللہ کا رسول ہے، اگر وہ بہت سے امور میں تمھارا کہا مان لے تو یقیناً تم مشکل میں پڑ جاؤ اور لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کر دیا اور اس نے کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا، یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔ اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کی وجہ سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَى وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (الحدید:۱۰)

"تم میں سے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی وہ برابر نہیں۔ یہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور جنگ کی اور ان سب سے اللہ نے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، خوب باخبر ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (النمل:۵۹)

"فرما دیجیے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر جنھیں اس نے چن لیا۔ کیا اللہ بہتر ہے، یا وہ جنھیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق اس آیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

"تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت سے استدلال کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ یا تو اس سے صحابہ کرام متعین طور پر مراد ہیں؛ یا پھر اس آیت میں اس پوری امت کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اگر پوری امت کی فضیلت ہے تو پھر اس میں سب سے پہلا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہی ہو گا۔

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین افضلیت کا عقیدہ:

اہل سنت والجماعت کے ہاں یہ طے شدہ ہے کہ فضیلت میں تمام صحابہ کرام برابر ہیں؛ مگر ان کے درمیان افضلیت کا فرق ہے۔ ان میں سے بعض کو ایسی افضلیت حاصل ہے جس سے دوسرے کی فضیلت میں کچھ کمی نہیں آتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مطلق طور پر عشرہ مبشرہ افضل ہیں۔ ان میں سے چار حضرات خلفائے راشدین ہیں اور چھ ان کے علاوہ ہیں۔ ان میں حضرت سعید حضرت سعد حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت طلحہ حضرت عامر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان عشرہ مبشرہ میں سے افضل چاروں خلفائے راشدین ہیں اور ان کی افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرات شیخین جناب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ ان چاروں میں سے بلند و بالا ہے۔ یہ حضرات علی الاطلاق انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد افضل ترین ہستیاں ہیں۔ ان دو میں سے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقام زیادہ بلند و بالا ہے۔ یہاں پر ایک بہت ہی عمدہ عقیدہ اور ایک سنہری قول ذکر کرنا ضروری ہے جو کہ سادات اہل بیت کے سردار جناب حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"جو کوئی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت نہیں پہچانتا تو وہ سنت سے جاہل ہے۔"[2]

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا اور ان کی فضیلت کی معرفت حاصل کرنا سنت میں سے ہے۔"[3]
پھر ان عشرہ مبشرہ کے بعد اہل بدر کا مقام و مرتبہ ہے۔ پھر اہل اُحد کا؛ پھر بیت رضوان والوں کا۔

اہل علم کی ایک جماعت جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن صلاح رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ نے ایسے ہی لکھا ہے۔[1]

بعض علمائے کرام نے اہل بیعت رضوان کو اہل احد سے مقدم کیا ہے اور بعض نے اہل احد کے بعد ان لوگوں کو شمار کیا ہے جو غزوہ خندق میں ثابت قدم رہے؛ اور پھر بیعت رضوان والوں کو شمار کیا ہے۔[2]

اہل سنت والجماعت اجمالی طور پر کہتے ہیں: "مہاجرین انصار سے افضل ہیں اور سابقین اولین صحابہ رضی اللہ عنہم بعد میں آنے والوں سے افضل ہیں۔"[3] جہاں تک حضرات صحابیات رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے؛ ان میں سب سے افضل تین ہیں: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ اور رضی

اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس امت کی افضل ترین عورتیں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کو آپس میں ایک دوسری پر فضیلت دینے میں اختلاف اور لمبی تفصیل ہے۔'' [4]

یہاں پر یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ جمہور اہل علم کہتے ہیں: ''صحابہ میں سے ہر ایک بعد میں آنے والے ہر ایک سے افضل ہے اور اس کے خلاف بھی کیسے سوچا جاسکتا ہے؟ جب کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ [اور اپنا تن من دھن ایسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اخلاص کی بنا پر فرمایا]'' اگر ان کے بعد آنے والے احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کردیں تو ان کے خرچ کردہ ایک مٹھی برابر جو؛ یا اس کے آدھے حصے کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ تو پھر ان کی باقی نمازوں؛ صدقات اور جہاد اور باقی اعمال کا کیا عالم ہوگا۔''

اور اس کے خلاف تصور بھی کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ (الحجرات: ۷)

'' لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنادیا اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کردیا اور اس نے کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسندیدہ بنادیا، یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔''[1]

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ (النساء: ۹۵)

''اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔'' اس کے خلاف تصور بھی کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: ''بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔'' [تخریج گزر چکی ہے] حضرت معافی بن عمران رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے؟ تو آپ اس سوال پر شدید غصہ ہوگئے؛ اور فرمانے لگے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ادنی صحابی پر بھی کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ تو پھر امیر معاویہ کا کیا سوال؟ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار [سالے] ہیں؛ آپ کے صحابی اور کاتب وحی ہیں؛ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی پر آپ کے امین ہیں۔'' [2]

[1] مصنف استاد محترم نے آیت کا آخری حصہ ﴿أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ بطور استشہاد پیش کیا تھا۔ میں نے آیت کے مضمون کا متعلقہ حصہ اہمیت کی وجہ سے مکمل کردیا ہے۔ امام ابن بطہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے مراتب اور منازل کے مطابق درجہ بدرجہ محبت کی جائے گی۔ جیسے اہل بدر' حدیبیہ' اور بیعتِ رضوان' اور أصحابِ احد۔ یہ اعلی فضائل والے لوگ ہیں اور ان کی منزلت اونچی ہے۔ جن کو ہر میدان میں سبقت حاصل ہے۔ اللہ ان سب پر رحم کرے۔'' (الإبانہ الصغری ص: ۲۷۱) [2] تاریخ مدینہ دمشق (۲۰۸/۹)۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام پر کسی ایک کو قیاس کیا جاسکتا ہے؟ تو آپ فرمانے لگے: "معاذ اللہ! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے بدرجہا افضل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔"[3]

مزید آپ فرماتے ہیں: " ایک ادنیٰ صحابی بھی بعد میں آنے والی صدی کے ان لوگوں سے بہتر ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا؛ اگرچہ وہ اپنے سارے اعمال لے کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں۔"[4]

" اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انسان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت کا عقیدہ رکھنا چاہیے اور ان کے محاسن بیان کرنے چاہئیں۔"[1] امام ابن ابی داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق صرف خیر و بھلائی کی بات کہنی چاہیے؛ انسان کو طعنہ گر نہیں بن جانا چاہیے کہ ہر ایک کے عیب نکالے اور اس پر جرح کرے۔"[2]

۵۔ جنتی ہونے کی گواہی دینا:

یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول اور اجمالی طور پر جنتی ہونے کی گواہی دینا اور جن لوگوں کو متعین طور پر بشارت ملی ہے؛ ان کے لیے بطور خاص جنتی ہونے کی گواہی دینا۔ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اجمالی طور پر تمام اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنتی ہیں۔ اس سے پہلے ایسی آیات گزر چکی ہیں جن میں صراحت کے ساتھ اس عقیدہ کے دلائل موجود ہیں۔ جیسا کہ یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ (التوبة:١٠٠)

"اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں؛ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔" اور یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَكُلاًّ وَعَدَ اللّهُ الْحُسْنَى ﴾ (النساء:٩٥)

"اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔"

اہل سنت والجماعت بطور خاص ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں جن کا تعین نصوص وحی میں ہو چکا ہے؛ جیسا کہ عشرہ مبشرہ؛ ان کے علاوہ حضرت عبد اللہ ابن سلام؛ حضرت قیس بن ثابت حضرت عکاشہ بن محصن اور ان کے علاوہ بیسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لے کر جنتی ہونے کی بشارتیں آئی ہیں۔ ابو عثمان الصابونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جنہیں بطور خاص جنتی ہونے کی بشارت دی ہے؛ اہل سنت والجماعت ان کے لیے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کے وعدہ پر ایمان کا اظہار ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ گواہی دی تھی جب آپ کو بذریعہ وحی اس کا علم ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس غیبی خبر پر آپ کو مطلع کر دیا تھا۔''[1]

۶۔ اُن کے لیے دعا اور استغفار کرنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھ رضامندی کا اظہار کرنا۔ اہل سنت والجماعت اس مسئلہ میں یک زبان ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف و مدح و سرائی کرنا' ان کے لیے استغفار کرنا اور ان کے لیے رحمت و کرم کی دعا کرنا اور ان کا ذکر آنے پر رضی اللہ عنہ؛ یا رضی اللہ عنھم کہہ کر ان سے اظہار رضامندی کرنا واجب ہے۔[2]

امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں ہمیشہ خفیہ اور علانیہ ہر طرح سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعائیں اور استغفار کرتا رہوں گا جیسا کہ مجھے اس چیز کا حکم دیا گیا ہے۔''[3]

حتی کہ رضی اللہ عنھم .... یا رضی اللہ عنہما .... یا رضی اللہ عنہ .... یا رضی اللہ عنہم کہہ کر دعا کرنا عرف عام میں صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہو گیا۔ جب کبھی بھی کسی صحابی کا نام لیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہہ کر اسے دعا دی جاتی ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کے ہاں عمل رہا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ وہ ان پاکباز ہستیوں سے راضی ہو گیا ہے؛ [پھر ہم راضی کیوں نہ ہوں]۔

[1] استغفار کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا نہ کہو۔ ان میں سے کسی ایک کی ایک گھڑی کی عبادت تمہاری ساری زندگی کے اعمال سے بہتر ہے۔ [سنن ابن ماجہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا: کچھ لوگ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر باتیں کرتے ہیں حتی کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی معاف نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا: اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ ان کے اعمال منقطع ہو گئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کا اجر و ثواب چلتا رہے۔ [منہاج السنۃ لابن تیمیہ: ۲/۲۲] سیر أعلام النبلاء (۱۰/۹۳)۔ اہل سنت والجماعت کا اس سلسلہ میں یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف جن باتوں کو منسوب کیا جاتا ہے ان کا درج ذیل چار نقاط میں سے کسی ایک سے تعلق ضرور ہے: ۱.... وہ باتیں یا تو سراسر جھوٹ اور بہتان ہیں جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ ۲.... حقیقت کو مسخ کر کے بیان کیا گیا ہے یا حقیت کو بیان ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے اور بنیادی اصول و مبادی کو بدل دیا گیا ہے۔ ۳.... جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کا سبب غیر معروف ہے اور اس کی حقیقت کا اللہ ہی کو علم ہے۔ ۴.... وہ لوگ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر خدا نخواستہ اگر غلطی پر تھے تو ہم اس سلسلہ میں یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا محاسبہ کرے گا، ہم ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاسبہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ ہمیں اس سلسلہ میں اپنی زبانیں بند رکھنی چاہئیں۔ آخر میں علامہ ابن ابی العز رحمہ اللہ ان فتن کے بارے میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں رونما ہوئے، تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جن فتنوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سر اٹھایا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی آلودگی سے ہمارے اعضا و جوارح کو محفوظ و مامون رکھا ہے محض اپنے فضل و کرم اور عنایات و برکات کے طفیل ہماری زبانوں کو بھی اس کی آلودگی سے محفوظ و مامون رکھے۔'' [شرح عقیدہ طحاویہ (ص: ۴۷۲-۴۷۵)] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق صحیح عقیدہ یہ ہے کہ وہ انسان ہیں، وہ صحیح کام کرتے ہیں اور ان سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں، سبھی انسانوں کی طرح ان سے بھی غفلت اور بھول ہوتی ہے، اور ان کے حق میں ہم گناہوں سے معصومیت کا دعویٰ نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے ان کی اچھائیوں کا تذکرہ کرنا اور ان کی برائیوں سے تجاہل برتنا ضروری ہے۔

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة:١٠٠)

"اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔" امام شوکانی[4] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جمہور امت؛ اور سلف و خلف کے سواد اعظم کی یہ مبارک سنت رہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رضامندی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت اور معافی کی دعا کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جانب ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحشر:١٠)

"اور جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔" [1]

۷۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں پر خاموشی:

کسی ایسی چیز میں دخل اندازی نہ کی جائے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف دل میں کچھ میل پیدا ہوتی ہو۔ اہل سنت والجماعت اعتدال پسند شریعت کے حامل لوگ ہیں جو کہ غلو و جفا اور افراط و تفریط سے بہت دور ہیں۔ اس لیے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عالیشان منزلت کا عقیدہ و ایمان رکھتے ہیں؛ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ لوگ معصوم نہیں تھے؛ اور ان سے کسی غلطی یا لغزش کے سرزد ہو جانے سے ان کی عدالت پر فرق نہیں آتا اور جو کچھ ان سے وقوع پذیر ہوا اسے کسی دوسرے سے سرزد ہونے والے فعل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فرق وہی انسان سمجھ سکتا ہے جو دونوں گروہوں کی سیرتوں کے مابین فرق کو سمجھتا ہو۔

پھر وہ روایات جن کی بنا پر یہ محسوس ہو رہا ہو کہ ان میں سے کسی ایک سے گناہ یا خطا ہوئی ہے؛ اس بات کا بھی بھرپور امکان ہے کہ اس روایت میں کمی بیشی کی گئی ہو۔ یا وہ روایت سرے سے ثابت ہی نہ ہو۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید والی اکثر روایات کا یہی حال ہے۔۔ تو ایسی روایات کو بغیر کسی تردد اور حیل و حجت کے دیوار پر مار دیا جائے گا۔ یا پھر اس روایت کی کوئی مناسب اور صحیح تاویل دیکھی جائے گی۔

جب کسی بھی سچے اور مخلص مسلمان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے عام مسلمان کے بارے میں حسن گمان رکھے؛ تو پھر مسلمانوں کی سردار ہستیوں اور اس قدسی جماعت کے متعلق کیا خیال ہے جو دین اسلام کے رموز سمجھے جاتے ہیں؟ اس کا سب سے ادنی درجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کے ایسے ویسے افعال کو ان کی مناسب تاویل؛ یا پھر سہو اور غفلت پر یا ایسے اجتہاد پر محمول کیا جائے جس میں ہر صورت میں ان کے لیے کوئی نہ کوئی اجر ضرور ہے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خواہ کیسا ہی کوئی کام ہو گیا ہو؛ اس کے کفارہ کے لیے پانچ باتیں کفایت کر جاتی ہیں:

اوّل:.... یہ کہ انہوں نے اس گناہ یا غلطی سے توبہ کر لی ہو گی۔ یہ بات کسی پر بھی مخفی نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم توبہ کرنے میں سب لوگوں پر سبقت لے جانے والے تھے۔ اور حدیث میں واضح طور پر آیا ہے:

''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔''[2]

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کرامت وبزرگی اور منزلت کی وجہ سے اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کی توبہ جلدی قبول کر لی جائے۔

دوم:.... ان کے گناہ ان نیک اعمال کے بدلے میں معاف کر دیے جائیں جو اعمال وہ بجالائے ہیں۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہیں اور اسی طرح ان کے اعمال پر بدلہ بھی بہت بڑا ہے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

سوم:.... ان کے اسلام کی طرف سبقت لے جانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کی وجہ سے ان کے گناہ معاف کر دیے گئے ہوں۔ جیسا کہ اہل بدر کے حق میں فرمایا ہے:''تمہیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا: ''اے اہل بدر! اب جو مرضی ہے کرو؛ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔''[1]

چہارم:.... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب سے مغفرت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کی شفاعت ان اہل توحید کے لیے ہو گی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہیں ٹھہرایا ہو گا۔'' [2]

تو پھر اہل توحید کے ان سرداروں کے متعلق کیا گمان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھے؟ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں سے بڑھ کر شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق دار ہیں۔

پنجم:.... دنیا میں ان پر آنے والی آزمائشوں اور امتحانات کی وجہ سے ان کی مغفرت کر دی گئی ہو۔ اس لیے کہ مصائب اور آفات گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں جیسا کہ امور شریعت سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں اصول یہ ہے کہ: ان کے دل اور زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بالکل صاف رہیں۔ خصوصاً کسی بھی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کی برائیوں کے بیان یا ان کی شان میں کوتاہی کرے یا ان پر طعنہ زنی یا دشنام طرازی سے اپنی زبان کو آلودہ اور گنہگار کرے اور جو کوئی بھی اس صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے اس کے دل میں کچھ نہ کچھ میل ضرور داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا ہے وہ یقیناً خواہشات نفس کا پجاری ہے۔"[1]

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی شان میں کوئی کوتاہی کرتا ہے ' یا ان میں سے کسی ایک سے ہو جانے والی لغزش کی وجہ سے اس سے بغض رکھتا ہے؛ یا ان کی برائیوں کا تذکرہ کرتا ہے؛ تو ایسا انسان یقیناً بدعتی ہے۔[اور اس بدعت کا ازالہ اسی وقت ہو گا جب] وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرے تو اس کا دل پاک ہو جائے گا۔" [2]

۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین چپقلشوں پر خاموشی:

جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آیا' ان کے مابین جنگیں اور لڑائیاں ہوئیں؛ ان کے حوالے سے مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے؛ اور ان معاملات میں نہ پڑے۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے معاملات پر خاموشی اختیار کرتے ہیں؛ اور کہتے ہیں کہ یہ ان کے اجتہادی فیصلے تھے جن پر ان کے لیے اجر ہے۔ اہل سنت والجماعت کے عقائد کی سبھی کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آنے والے ایسے معاملات میں پڑنے؛ یا گہرائی میں جانے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسے واقعات ان کے اجتہاد کی وجہ سے پیش آئے؛ جس میں ان کے لیے ہر حال میں اجر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ:

اولاً: .... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " جب میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبانوں کو روک لو۔"[3]

ثانیاً:.... ایسی باتیں کر کے علم و عمل کسی بھی چیز میں کسی فائدہ کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ تو ایک اچھے مسلمان کی نشانی یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو ترک کر دے جو اس کے فائدہ کی نہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین لڑائیوں اور جنگوں کے جتنے بھی واقعات پیش آئے؛

وہ سارے ان کے اجتہادی فیصلے تھے۔ ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی رائے کے مطابق حق کی نصرت کر رہا تھا۔ اس میں کوئی کوتاہی یا دھوکہ بازی والی بات نہیں۔ یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ اس قاضی کی طرح ہو سکتا ہے جو کسی کو ادب سکھانے کے لیے سزا دے۔ اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بدگمانی رکھنا؛اور اپنے دلوں کو ان کے متعلق میلا اور کینہ پسند رکھنا صرف ذلت اوررسوائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔نہ ہی انہیں گھوڑا حاصل نہ ہی سامان سفر۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کتنی ہی خوبصورت بات کہی ہے؛فرمایا:

'' اللہ تعالیٰ نے اس خون سے میرے ہاتھ کو بچا کر رکھا؛مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اپنی زبان اس میں ڈبو دوں۔''[1]

ثالثاً:.... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات میں پڑنا ایسا معاملہ ہے جس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ایک انسان اچھا بھلا صراط مستقیم پر چل رہا ہوتا ہے؛مگر ایسے معاملات کو زیر بحث لاکر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔اس کے دل میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک کے خلاف حسد وبغض پیدا ہو جاتا ہے۔یہی کسی بھی بڑی گمراہی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔دین اسلام سد ذرائع کے طور پر ایسے امور سے منع کرتا ہے۔

علامہ بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں اور ان کے مابین پیش آنے والے واقعات کے متعلق گفتگو نہ کریں اور نہ ہی کسی ایسے معاملہ پر گفتگو کریں جس کا آپ کو صحیح علم نہیں اور اگر کوئی انسان اس[1]

کے متعلق گفتگو کر رہا ہو تو اس کی بات بھی نہ سنیں اگر آپ اس کی بات سنیں گے تو آپ کا دل صحیح سلامت نہیں رہے گا۔''[1]

رابعاً:.... اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ منافقین اور زندیق لوگوں نے اس باب میں بہت ساری چیزوں کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے۔جب یہ عالم ہو کہ اکثر روایات من گھڑت اور جھوٹ ہوں تو پھر درست فیصلہ کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

ایسے جھگڑوں سے متعلق روایات کے بارے میں زیادہ تر اعتماد تاریخ کی کتابوں پر ہوتا ہے اور تاریخ کی کتابیں ایسی روایات سے بھری پڑی ہیں جن میں اچھے اور برے؛سچ اور جھوٹ؛خشک اور گیلا ملا کر بھر دیا گیا ہے۔مؤرخین کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہر اس بات کو نقل کر دیتے ہیں جو لوگوں کے مابین مشہور ہو۔تو پھر ایسے خطرناک معاملہ کے فیصلہ کے لیے ایسی جھوٹی روایات یا کمزور اور من گھڑت تاریخ پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔حالانکہ ھوا پرست مؤرخین کے ایسی روایات گھڑنے کے پیچھے اپنے مذموم مقاصد ہوا کرتے تھے۔

پھر ان میں سے جو روایات صحیح ہیں ان کا اس صحیح اور مناسب موقع محل پر رکھنا آسان ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور ان کے مقام کے لائق ہے۔جیسا کہ پہلے گزر چکا۔علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھگڑوں اور اختلافات کے بارے میں جو کچھ تاریخ میں نقل کیا گیا ہے؛ان میں سے کچھ باتیں تو باطل اور جھوٹ ہیں اور اگر کوئی بات صحیح ہے تو ہم اس کی مناسب اور درست تاویل تلاش کرتے ہیں۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی تعریف اس سے پہلے کی جا چکی ہے

اور جو کچھ ان کے بارے میں بعد میں روایت کیا گیا ہے اس میں تاویل کا احتمال ہے۔ ایسی چیز جس میں وہم ہو یا جو مشکوک ہو؛ اس کی بنا پر معلوم شدہ حق کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔" [2]

[1]شرح السنة للبربهاري (١١٢)۔سير أعلام النبلاء (١٠/٩٢)۔ [2] شرح الفقه الأكبر لملا على القاري (١٠٣)۔

۹۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمتیں لگانے والوں سے ان کا دفاع کرنا:

ان پر تہمتیں لگانے والوں سے ان کا دفاع کرنا اور ان کی دشمنی کے سامنے بند باندھنا۔

ایسا کرنا ان کے ساتھ سچی محبت رکھنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا ایک حصہ ہے۔ ہم تمام اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دفاع کا ارادہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کی محبت کو ایمان وعقیدہ کا حصہ سمجھتے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اور جو کوئی ان سے بغض رکھتا ہے' یا انہیں اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتا ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔"[1]۔

اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی ہے: "بیشک ایمان کی سب سے مضبوط رسی اللہ کی رضا کے لیے محبت کرنا اور اس کی رضا کے لیے بغض ونفرت رکھنا ہے۔"[2]

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ کی رضا کے لیے بغض رکھنے کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ دشمنان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا دفاع کرنا؛ ان کے جھوٹ پر رد کرنا' ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا اللہ کی راہ میں سب سے بڑا جہاد ہے۔

۱۰۔ اقتدا واتباع کرنا:

اہل سنت والجماعت کا منہج اس اساس پر قائم ہے کہ: ان کا افضل ترین علم وہ ہے جس میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کی اتباع واقتداء کر رہے ہوں اور ان کا افضل ترین عمل وہ ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال کے پیچھے چل رہے ہوں اور ان کا ایمان وعقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر میدان میں ان سے بلند وبالا اور فائق ہیں۔"[1]

دین میں ان کی اقتدا فرض ہے۔ پس ان کی اقتدا اور آیات اور سورتوں کی اتباع کرنا چاہیے۔[2]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عقیدہ کے اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ’’ بیشک اصول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی راہ کی اقتدا کی جائے۔‘‘[3]

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اپنے نفس کے لیے اس چیز پر راضی ہو جاؤ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے نفوس کے لیے راضی ہو گئے تھے۔ بیشک وعلم کی روشنی میں چلتے تھے اور انتہائی نافذ بصیرت کے ساتھ رکھتے تھے۔‘‘[4]

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ (التوبة:۱۰۰)

’’اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں؛ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘ اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ ﴾ (لقمان:۱۵)

’’ اور اس شخص کے راستے پر چلو جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔‘‘

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یہ وصف سب سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ (التوبة: ۱۱۹)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔‘‘

امام ضحاک رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ’’یعنی ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ۔‘‘[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کے اوصاف پوچھے گئے جو جہنم کی آگ میں جانے سے بچ جائیں گے تو آپ نے فرمایا:

’’وہ لوگ نجات پائیں گے جو اس راہ کے راہی ہوں گے جس پر میں اور میرے صحابہ کرام چل رہے ہیں۔‘‘ [2]

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اے قراء کی جماعت! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان لوگوں کی راہ پر چلتے رہو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ مجھے میری عمر کی قسم! اگر تم ان کی راہوں پر چلتے رہو گے تو بہت آگے سبقت لے جاؤ گے اور اگر ان کی راہ چھوڑ کر دائیں بائیں چل نکلو گے تو بہت دور کی گمراہی میں جا پڑو گے۔" [3]

اس سے پتا چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ پر چلنے میں ہی ہدایت ہے اور اسی پر کامیابی اور نجات مل سکتی ہے۔

آخر میں ایک بہت خوبصورت کلام کے ساتھ اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس فرمان الٰہی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ﴾ (الأحقاف:١١)

"اور جنھوں نے کفر کیا، ان لوگوں سے کہنے لگے جو ایمان لائے اگر یہ کچھ بھی بہتر ہوتا تو یہ ہم سے پہلے اس کی طرف نہ آتے۔" [آپ فرماتے ہیں:] "اہل سنت والجماعت کہتے ہیں:" ہر وہ قول و فعل جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ اس لیے کہ اگر اس میں کوئی خیر و برکت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اس کی طرف سبقت لے جاتے۔ اس لیے کہ خیر و بھلائی کا کوئی کام ایسا باقی نہیں رہا جس کی طرف وہ سبقت نہ لے گئے ہوں۔" [1]

امت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ دس بڑے حقوق ہیں جن میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بھی اجمالی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں راہ حق پر قائم رکھے اور ان مقدس جماعت کی اتباع اور ان کے دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

٢.... حدیث حوض

ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق جن شبہات کو بہت زیادہ ہوا دی جاتی ہے ان میں سے ایک "حدیث حوض" بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ حوض پر میرے پاس آئیں گے حتی کہ میں انہیں پہچان لوں گا تو انہیں میرے پاس پہنچنے سے قبل روک لیا جائے گا۔ میں کہوں گا: میرے اصحاب۔" تو وہ روکنے والا کہے گا: "آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا بدعات ایجاد کر لیں تھیں۔" [1]

"میں حوض پر تمہارا پیش خیمہ ہوں گا اور جو شخص میرے پاس سے گزرے گا وہ پئے گا اور جس نے پی لیا تو اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔ میرے سامنے کچھ لوگ اتریں گے جنھیں میں پہچان لوں گا اور وہ لوگ مجھے پہچان لیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا۔"

ابو حازم نے بیان کیا کہ مجھ سے نعمان بن ابی عیاش نے سنا تو کہا: کیا تم نے سہل سے اسی طرح سنا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: ہاں، میں ابو سعید خدری پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے انھیں اتنا زیادہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کہوں گا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں۔'' پس کہا جائے گا کہ:'' تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا ہے۔'' میں کہوں گا: '' اللہ کی رحمت سے بعید ہو وہ شخص جس نے میرے بعد تبدیلی کی۔''[2] [1]صحیح بخاری: ۶۵۸۲؛ مسلم: ۲۳۰۴۔ [2] صحیح بخاری: ۶۵۸۵۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' میں اپنے حوض پر ان لوگوں کا انتظار کروں گا جو میرے پاس آئیں گے پس کچھ لوگ میرے سامنے سے پکڑے جائیں گے تو میں کہوں گا کہ یہ میری امت ہے تو جواب ملے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا، یہ لوگ الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔''

ابن ابی ملیکہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''اے اللہ ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ الٹے پاؤں پھر جائیں، یا فتنہ میں پڑ جائیں۔'' [3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' بروز قیامت میرے پاس میرے صحابہ کا ایک گروہ آئے گا پھر انہیں حوض سے پہلے روک دیا جائے گا۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے: '' پس اچانک لوگوں کی ایک جماعت آئے گی حتی کہ میں انہیں پہچان لوں گا۔''[2] حضرت ابن مسیب رحمہ اللہ اصحاب نبی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' حوض پر میرے صحابہ کی ایک جماعت آئے گی۔ پھر انہیں اس سے دور کر دیا جائے گا۔''[3]

اصحاب شبہات کا نقد

شبہات پھیلانے والے کہتے ہیں:

'' وہ احادیث جو کہ اہل سنت والجماعت کے علماء نے اپنی صحاح اور مسانید میں روایت کی ہیں ان احادیث میں گہری نظر سے غور کرنے والا کسی شک و شبہ کا شکار نہیں رہے گا کہ اکثر صحابہ بدل گئے تھے؛ اور انہوں نے دین کو بدل دیا تھا؛ بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ گئے تھے؛ سوائے ان چند لوگوں کے۔'' کسی بھی صورت میں ان احادیث کی تطبیق تیسری قسم یعنی منافقین پر نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ نص میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''میں کہوں گا کہ میرے صحابہ۔'' اور اس لیے کہ منافقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تبدیل نہیں ہوئے۔ اگر وہ بدلتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان والے ہو جاتے۔

اس شبہ پر علماء کا ردّ

اس شبہ پر ردّ کرنے سے قبل بالاختصار صحبت کا معنی اور مفہوم بیان کرنا ضروری ہے۔

لغوی اصطلاح میں صحابی کا معنی :.... عرف کے اعتبار سے صحابی اسے کہتے ہیں جو بر سبیل اتباع بہت زیادہ ساتھ رہا ہو اور لمبا عرصہ صحبت میں گزارا ہو۔"[4]

شرعی اصطلاح میں معنی:.... "صحابی وہ ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور اسی پر اس کی موت واقع ہوئی ہو۔" [1]

پس جب یہ معلوم ہو گیا تو اب بات احادیث حوض میں ہو گی۔ احادیث حوض کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اسے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے اور ان احادیث کی تفصیل و تشریح میں علمائے کرام رحمہم اللہ کے کئی اقوال ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں ہیں۔ کیونکہ:

☆ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوم سے راضی ہو جائیں اور ان کی حمد و ثناء بیان کریں اور تورات و انجیل میں ان کی مثالیں بیان کریں جن کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پھر جائیں گے ؟ یہ بات صرف وہی انسان کہہ سکتا ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس بات کا پتہ نہیں تھا۔ تو ایسا انسان سب سے برا اور بڑا کافر ہے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ بلکہ یہ عرب بدو تھے جو کہ مرتد ہوئے۔ جن کا دین کی نصرت میں کوئی کردار نہیں تھا۔ ان کی وجہ سے مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قدح نہیں کی جا سکتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں کہوں گا:" اُصیحابی۔" یہ لفظ قلت عدد پر دلالت کرتا ہے۔"[2]

یعنی اس سے مراد حوض پر وارد ہونے والے تمام لوگ نہیں ہیں اور ایک دوسری روایت میں گروہ کے الفاظ آئے ہیں؛ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" روز قیامت میرے پاس میرے صحابہ کا ایک گروہ آئے گا پھر انہیں حوض سے پہلے روک دیا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! میرے اصحاب! تو مجھ سے کہا جائے گا: آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد کر لیا تھا، یہ لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پھر کر مرتد ہو گئے تھے۔"[1]

اور رہط (یعنی گروہ) کا معنی معلوم ہے کہ یہ لفظ دس سے کم افراد کے ٹولے کو پر بولا جاتا ہے۔ ☆ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمارے ہاں معروف ہیں۔ اس لیے کہ صحابی اسم جنس ہے جس کی شریعت یا لغت میں کوئی حد نہیں ہے اور اس بارے میں عرف میں اختلاف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحبت کے بارے میں کوئی قید نہیں لگائی اور نہ ہی اس کی کوئی مقدار متعین کی ہے۔ بلکہ اس کے اطلاق پر حکم کو معلق رکھا ہے اور اس میں مطلق رویت سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ تو اس مطلق کے تحت اس سے مراد مطلق طور پر اہل ایمان اور آپ کی اتباع کرنے والے ہیں۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین کو کہا جاتا ہے: اصحاب ابو حنیفہ۔ اورامام شافعی رحمہ اللہ کے مقلدین کو ''اصحاب شافعی'' کہا جاتا ہے۔ بھلے انہوں نے ان ائمہ کو دیکھا ہی نہ ہو؛ اوران ائمہ کے بہت بعد میں پیدا ہوئے ہوں۔ ایسے ہی گزرے ہوئے وہ لوگ جن کے ساتھ کسی مسئلہ میں یا مخصوص مسلک میں موافقت ہو تو ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ: ''ہمارے اصحاب۔'' مثلاً: متأخر عالم کہے کہ: ہمارے اصحاب کے ہاں یہ مسئلہ ایسے ہے۔''

تو اسے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان دونوں کی ملاقات بھی ثابت ہو۔ ان کے درمیان برسوں اور صدیوں کا فاصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں [دنیا میں] دیکھے بغیر بھی پہچان لیں گے، اس کا سبب ان کی مخصوص علامات ہیں جو ان پر ظاہر ہوں گی۔''[2]

☆اور اگر ہم [بطور مناظرہ] تسلیم کرلیں کہ ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جو کہ عرف میں مشہور ہیں تو پھر بھی اس حدیث میں وارد اصحاب سے مراد وہ دیہاتی اور اعرابی لوگ ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتد ہو گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: ''اُصحابی اُصحابی'' اس نیک نیتی پر مبنی ہو گا کہ یہ لوگ مرتد نہ ہوئے ہوں گے۔ مگر آپ کو جواب دیا جائے گا کہ: ''آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد کر لیا تھا۔''[1]

جب یہ ثابت ہو گیا تو اب یہ جان لینا چاہیے کہ علمائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے دور ہٹایا جائے گا۔ جب کہ اس سے قبل اس بات پر ان تمام کا اتفاق ہے کہ اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد نہیں ہیں ۔ چنانچہ علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

☆اس سے مراد منافقین اور مرتدین ہیں۔ ان کے حق میں بھی یہ جائز ہے کہ انہیں وضوء کے نشانات اور چمک کے ساتھ محشر میں جمع کیا جائے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے نشانات کی وجہ سے پکاریں گے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت سے ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'' میری امت کے لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے اور میں اس سے لوگوں کو اس طرح دور کروں گا جس طرح کوئی آدمی (اپنے حوض سے)

دوسرے آدمی کے اونٹوں کو دور کرتا ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا:'' ہاں تمہارے لئے ایک ایسی علامت و نشانی ہو گی جو تمہارے علاوہ کسی کے لئے نہ ہو گی، تم جس وقت میرے پاس آؤ گے تو وضو کے آثار کی وجہ

سے تمہارے چہرے ہاتھ اور پاؤں چمکدار اور روشن ہوں گے اور تم میں سے ایک جماعت کو میرے پاس آنے سے روکا جائے گا وہ میرے تک نہ پہنچ سکیں گے تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میری امت میں سے ہیں۔" ایک فرشتہ مجھے جواب دے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی باتیں [بدعات] نکال لی تھیں۔" [2]

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ اہل ھواء اور اہل نفاق کو بھی وضوء کے نشانات اور چمک کے ساتھ محشر میں لایا جائے گا۔

☆ آپ کا یہ فرمانا کہ "منکم" یعنی تم میں سے تو یہاں پر میم جمع کے لیے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو اس چمک کے ساتھ لایا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث صراط میں آتا ہے:

((وتبقى ہذہ الأمة و فيها منافقوہا....)) [1]

"یہ امت باقی رہ جائے گی اس میں ان کے منافقین بھی ہوں گے۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ منافقین کو بھی اہل ایمان کے ساتھ اکٹھا کیا [محشر میں لایا] جائے گا اور اس میں کوئی شک والی بات نہیں کہ منافقین کسی طرح بھی صحابہ میں سے شمار نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمرہ میں داخل ہیں اور نہ ہی اسم صحبت [صحابی] کی اصطلاح انھیں عند الاطلاق شامل ہوتی ہے۔ صحابی جیسا کہ اس کی تعریف میں پہلے بھی گزرا کہ وہ ہے جس نے حالت ایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور پھر ایمان کی حالت پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض روایات میں انہیں اور مرتدین کو "اصیحابی" کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ یا یہ بھی فرمایا ہے: "من صاحبی" جنہوں نے میری صحبت پائی، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی اور دنیا میں آپ کو دیکھا تھا۔ پس یہاں پر یہ الفاظ ان کی تحقیر و تصغیر اور تذلیل کے لیے ہیں نہ کہ احترام اور تعظیم کے لیے اور یہ الفاظ ہر گز ان حضرات مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں استعمال نہیں ہو سکتے جن کے حق میں صحیح نصوص کتاب و سنت میں ادب و احترام اور اجلال و تعظیم اور تقدیر و تکریم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ منافقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴾ [المنافقون: ۱]

"جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق پکے جھوٹے ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافقین کو جانتے بھی تھے۔ لیکن تمام کا آپ کو علم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آخری بات

آخر میں ہم ایک بات کہتے ہیں: نواصب جو کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں اگر ان میں سے کوئی یہ بات کہے کہ: بیشک جو لوگ مرتد ہو گئے تھے اور جنہیں حوض سے دور کر دیا جائے گا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ تو تم لوگ ان پر رد کیسے کرو گے ؟ یقینی بات ہے کہ یہی کہو گے کہ اس سے مراد یہ حضرات نہیں ہیں اس لیے کہ ان کے فضائل میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ایسے ہی ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب ابو بکر و عمر اور عثمان اور ابو عبیدہ ان کے فضائل میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا اب آپ کے پاس کیا حجت رہ جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو ان سے خارج کر دو اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کو ان میں داخل کر دو، آخر اس کی بنیاد کیا ہے ؟ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ احادیث حوض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل نہیں ہیں۔

۳....جمعرات کی بد بختی

شبہ :.... صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو گھر میں بہت سارے افراد موجود تھے ' ان میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ میں تمہارے لئے ایک وصیت لکھ دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:" اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف ہے وصیت لکھنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے پاس قرآن ہے اور ہمارے لئے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔ اس کے بعد گھر میں موجود لوگ جھگڑنے لگے کوئی کہتا تھا: ہاں لکھوا لو اچھا ہے تم گمراہ نہ ہو گے۔ کوئی عمر رضی اللہ عنہ والی بات ہی کہتا۔ کسی نے کچھ باتیں بہت ہی زیادہ ہونے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔" عبید اللہ بن عبد اللہ زہری سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بعد افسوس سے کہا:" یہ کیسی مصیبت ہے جو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور آپ کی وصیت لکھوانے کے درمیان حائل کر دی۔" [2]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ جملہ کہنے والے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف ہے۔"حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں: "جمعرات کا دن، آہ! جمعرات کا دن بھی کیسا تھا؟ اور پھر اتنا روئے کہ ان کے آنسوں سے سنگریزے تک بھیگ گئے اور پھر کہنے لگے کہ جمعرات کے دن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت ہوئی تو آپ نے

فرمایا:" لکھنے کے لیے کوئی چیز لاؤ کہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہی میں کبھی نہ پڑ سکو گے۔ پھر لوگوں نے اختلاف کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اختلاف نہ کرنا چاہیے تھا۔لوگ بولے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ پوچھو لوگوں نے پوچھنا شروع کر دیا۔[اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے چھوڑ دو میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم لوگ مجھے بلا رہے ہو۔" اور آپ نے بوقت وفات تین وصیتیں کیں مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینا قاصدوں کو اسی طرح انعام دینا جس طرح میں انعام دیا کرتا تھا اور تیسری وصیت میں خود بھول گیا۔" [2]

☆معترضین کہتے ہیں: بلاشک وشبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ اختلافِ کتابت ہی وہ چیز ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا اور اس کے ساتھ ہی امت کو گمراہی سے عصمت سے محروم کر دیا اور اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا ہے: "ہر قسم کی بد بختی اور مصیبت ہے جو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور آپ کی وصیت لکھوانے کے درمیان حائل کر دی".... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق نصوص تحریر کروادیں جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں آڑے آئے اور یہ کہا کہ آپ بخار کی وجہ سے بول رہے ہیں اور پھر کہا تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

☆اہل سنت والجماعت اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور شفقت کی وجہ سے تھا۔ ورنہ ایسی بات کی امید کسی عام آدمی سے نہیں کی جاتی، چہ جائیکہ کسی عالم سے اس قسم کی بات صادر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کی اکثریت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمنوا تھی۔(کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدت مرض کی وجہ سے تو نہیں بول رہے؟) یہی وجہ

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تحریر کے مسئلہ کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اس لیے کہ آپ جان گئے تھے کہ ایسی تحریر کی آپ کی موت کے بعد بھی اتباع نہیں کی جائے گی۔ اس حادثہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حد سے تجاوز کر گئے آوازیں بلند ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہکی باتیں کرنے اور ہذیان گوئی کی تہمت لگائی گئی۔

ردّ :.... صحابہ کرام کا اختلاف ثابت شدہ ہے اور اختلاف کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا فہم اور سمجھ تھی اور مراد تھی نہ کہ آپ کی نافرمانی مقصود تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس کے سبب سے ان تمام باتوں کو جائز اجتہاد پر محمول کیا جائے گا جس میں ان کا ارادہ اور مقصد نیک تھا اور پھر یا تو ہر مجتہد حق تک پہنچ رکھتا ہے یا کوئی ایک حق تک رسائی حاصل کر پاتا ہے۔ جبکہ دوسرے پر بھی کوئی گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اسے اجر ملتا ہے۔ جیسا کہ ہم اس کا ذکر اصول میں بھی کر چکے ہیں [1]"۔

پھر آپ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنھم پر کوئی سختی نہیں کی اور نہ ہی کسی کو ملامت کیا، بلکہ آپ نے سب سے یہی بات کہی: "مجھے چھوڑ دو، میں جس حال میں ہوں، وہ بہتر ہے۔" اسی طرح کا ایک واقعہ خندق کے موقع پر بھی پیش آیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظہ پہنچ کر۔"[2]

پس جب کچھ لوگوں کو نماز کا وقت نکل جانے کا خوف ہوا تو انہوں نے بنو قریظہ پہنچنے سے قبل نماز پڑھ لی اور باقی لوگ کہنے لگے: ہم وہیں پر نماز پڑھیں گے جہاں کا حکم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی ایک فریق پر کوئی بات یا جرح نہیں کی۔" [3]

ان لوگوں کا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کرنا کہ "ہر قسم کی بدبختی اس انسان کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تحریر کے لکھے جانے میں رکاوٹ بنا۔" اس میں ان لوگوں کے حق میں کوئی دلیل نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رکاوٹ بننے والا بدبختی اور نحوست ہو۔ یہ بدبختی اس انسان کے حق میں ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک کرے اور اس پر یہ معاملہ مشتبہ ہو جائے کیونکہ اس سلسلہ میں اگر کوئی تحریر موجود ہوتی تو شک ختم ہو جاتا اور جس کو یہ علم ہو کہ آپ کی خلافت برحق تھی تو اس کے حق میں کوئی بدبختی نہیں۔ وللہ الحمد۔"[1]

اس کی مزید وضاحت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کلمات اس وقت ارشاد فرمائے جب اہل بدعت خوارج وغیرہ کا ظہور ہوا۔ مزید برآں یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آپ کا اجتہاد ہے۔ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور اجتہاد سے معارض ہے۔ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کی تائید حاصل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑے فقیہ اور مجتہد تھے یہ بات قطعی ہے۔"[2]

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: "اہل بیت کا آپس میں اختلاف اور جھگڑا ہو گیا بعض کہتے تھے کہ آپ کو کاغذ لا کر دو، تاکہ آپ تحریر لکھ دیں اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گمراہ نہ ہوں اور کچھ دوسری باتیں کہتے تھے۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا ارادہ ترک کر دیا اور کوئی عہد یا تحریر نہیں لکھی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارادہ فرماتے کہ لازمی وہ تحریر لکھی جائے تو کوئی بھی آپ کو روک نہیں سکتا تھا اور یہ ثابت ہے کہ آپ اس کے بعد بھی کچھ دن حیات رہے۔ مگر آپ نے کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی۔ رہ گیا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں عہد لکھنا چاہتے تھے، تو یہ اعتراض کئی وجوہات کی بنا پر مردود ہے امامیہ کہتے ہیں کہ:

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تحریر کے واقعہ سے پہلے واضح نصوص کی روشنی میں اللہ کے حکم سے حضرت علی کو خلیفہ مقرر کر چکے تھے۔ ایک بڑے نامور عالم شیخ مفید نے اس عقیدہ پر امامیہ کا اجماع نقل کیا ہے وہ کہتا ہے: " تمام امامیہ کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرما چکے تھے اور اپنی نصوص میں آپ کو اپنے بعد امام متعین کر گئے تھے اور جو اس کا انکار کرتا ہے، وہ ایک دینی فرض کا انکار کرتا ہے۔" [3]

یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جس کسی کو یہ وہم ہو کہ یہ تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق تھی تو اس کے گمراہ ہونے پر تمام شیعہ اور اہل سنت علماء کا اتفاق ہے اور اہل سنت والجماعت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل و تقدیم پر یک زبان ہیں۔ جب کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امامت کے مستحق تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح جلی اور معروف نصوص کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت ہے۔ تو پھر اس صورت میں کسی تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی۔"[1]

اگر (زندگی کے اس آخری مرحلہ میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تحریر سے مراد و مطلوب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی نصوص تھیں ، تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اس سے قبل کوئی نص نہ تھی۔ کیونکہ دو مرتبہ ایک ہی مسئلہ میں نصوص کا ورود کوئی معنی نہیں رکھتا اور مسلمانوں کے ہاں یہ ثابت ہے کہ جناب رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ نے کوئی وصیت تحریر نہیں فرمائی تھی۔ اس سے وصیت کا دعوی سرے سے باطل ٹھہرا۔ جب یہ اصول طے پا گیا تو یہ جان لینا چاہیے کہ علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کتاب (تحریر) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا تھی؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض احکام کے متعلق نصوص تحریر کروانا چاہتے تھے، تاکہ ان میں اختلاف ختم ہو جائے۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس تحریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ایسا عہد نامہ تھا جس کی طرف فتنوں کے اوقات میں رجوع کیا جائے۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ملکی نظام کی تدبیر کی کیفیت تحریر کروانا چاہتے تھے، یعنی مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور وفود کو انعام واکرام سے نوازا جائے جیسا کہ آپ خود کیا کرتے تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو تیار کیا جائے۔[4]

اکثر محقق علماء کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حکم لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے تقدیر الٰہی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔[5]

یہ بات کہنے والے علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے استدلال کیا ہے، آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بھائی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلالاؤ تاکہ میں ان کے حق میں ایک نوشتہ تحریر کر دوں۔ مجھے اندیشہ لگ رہا ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرنے لگ جائے، یا کوئی کہنے والا یہ بات کہے کہ میں ان سے زیادہ حق دار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابو بکر کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔"[1]

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے فرمایاہو کہ آپ ہذیان بول رہے ہیں۔ یہ بات حاضرین میں سے کسی ایک نے کہی ہے۔ صحیحین میں وارد روایات میں کسی ایک کا بھی تعین نہیں ہے۔ بلکہ وہاں پر ثابت یہ کہنا ہے کہ "قالوا: ماشانہ، أہجر۔" یوں یہ الفاظ جمع کے صیغہ کے ساتھ ہیں مفرد کے ساتھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے انکار کیاہے کہ یہ الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مجھے یہ بات ظاہر معلوم ہوتی ہے کہ یہ الفاظ کہنے والا کوئی نیا مسلمان تھااور یہ بات طبعی طور پر معلوم تھی کہ تکلیف کی شدت سے ایسا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ بھی اپنی مراد کی بات تحریر نہ کرواسکے۔" [2]

اور پھر اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا معروف صحابہ میں سے کسی ایک نے یہ الفاظ کہے ہیں تو ان میں طعن والی کوئی بات نہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں: پہلی وجہ:.... جو صحیح اور ثابت امر ہے وہ یہ کہ الفاظ سوالیہ انداز میں وارد ہوئے ہیں "أہجر" کے لفظ ہیں۔ یہ ان روایات کے خلاف ہیں جن میں "ہجر" یا "یہجر" کے الفاظ ہیں جو کہ تنقید نگاروں نے اپنا کل اثاثہ سمجھ کر پکڑے ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ محقق محدثین کے ہاں مرجوح ہیں۔"[3]

اور انہوں نے واضح الفاظ میں کہاہے کہ یہ سوالیہ الفاظ اس شخص پر انکار ہیں جو کہتا تھا کہ نہ لکھو۔"[4]

دوسری وجہ:.... بطور فرض اگر بغیر سوال کے "ہجر" کے الفاظ والی روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے، تو اس میں بھی طعنہ والی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ لغت میں ہجر دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پہلا معنی وہ ہے جس کے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ پیش آنے میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں اور یہ بیماری کے غلبہ، آواز میں کمزوری، خشکی کی زیادتی اور گرمی کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسری قسم غیر منتظم کلام کا جاری ہونا، یامقصود کے خلاف زبان پر کسی بات کا آنا، یہ سب کچھ اکثر طور پر بہت زیادہ گرمی یاشدت تکلیف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس قسم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ عارضہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ پیش آسکتا ہے یا نہیں۔ یہاں پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہنے والے کی مراد پہلی قسم ہو۔یعنی آپ کی آواز کی کمزوری کی وجہ سے سمجھ نہیں سکا۔ اس کی تائید اسی حدیث میں وارد بعد والے جملہ سے ہوتی ہے جس میں کہاہے: "استفہموہ" آپ کی بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"[1]

تیسری وجہ:.... ممکن ہے کہ کہنے والے سے یہ الفاظ خوف اور حیرت کی وجہ سے صادر ہوئے ہوں جو کہ اس بہت ہی تکلیف دہ اور خطرناک صورت حال کی وجہ سے ممکن ہے۔ کیونکہ یہ تو بہت بڑی مصیبت تھی۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے وقت اس قسم کی مصیبت کا شکار ہو گئے تھے۔[2]

چوتھی وجہ:.... یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہ کی موجودگی میں صادر ہوئے، مگر کسی ایک نے ان کے قائل پر تنقید نہیں کی اور نہ ہی اسے گنہگار کہا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جملہ کہنے والا ہر حال میں معذور ہے۔

ایک مردود دعویٰ

یہ دعویٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے یہ کہہ کر اختلاف کیا تھا کہ "تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے اور کتاب اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تحریر لکھوانے کا ارادہ تھا، اس میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی۔

پہلی بات:.... حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم خیال لوگ یہ سوچتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نوشتہ تحریر کرنے کا حکم واجب نہیں ہے، جس کی تعمیل ضروری ہو۔ اس میں صرف زیادہ مناسب بات کی طرف راہنمائی ہے۔"[3]

اگر یہ حکم واجب التعمیل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے نہ چھوڑتے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی درستگی اور صحت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی مخالفت کی وجہ سے دعوت و تبلیغ ترک نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقات وحی میں شمار کیا جاتا ہے۔"[4]

دوسری بات:.... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ:" ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے" یہ ان لوگوں پر رد ہے جو اس مسئلہ میں نزاع کا شکار تھے نہ کہ حکم نبی پر۔ یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:" تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے۔" اس لیے کہ اس میں مخاطبین کی ایک جماعت شامل ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ تیسری بات:.... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اس وقت عہد نامہ تحریر نہ کرنا زیادہ بہتر اور اولی ہے۔ اس لیے کہ آپ کے نزدیک یہ بات طے شدہ تھی کہ یہ حکم نبوت وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ یہ ایک راجح شرعی مصلحت کی وجہ سے تھا، علماء کے اس کی توجیہ میں کئی اقوال ہیں:

ا۔ پہلا قول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کی شفقت و محبت کہ اس تحریر کے لکھوانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ اس کی شہادت اس جملہ سے ملتی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہو گیا ہے، تو آپ کو یہ بات ناگوار گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے تکلف میں ڈالا جائے جو آپ پر گراں اور پر مشقت ہو۔"[1] اور آپ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی گردش کر رہا تھا کہ:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾ [الانعام: ۳۸]

""ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی، پھر وہ اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔"

اور یہ فرمان الٰہی کہ:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ [النحل: ۸۹]

"اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی، اس حال میں کہ ہر چیز کا واضح بیان ہے۔"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو ڈر اور اندیشہ لگ رہا تھا کہ کہیں منافقین باتیں بناتے نہ پھریں اور مریض دل والے بھی یہ بات نہ کہیں کہ نہ جانے خلوت اور تنہائی میں کیا نوشتہ تحریر کروایا اور پھر اس بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے نہ پھریں۔"[2]

یہ بات بھی بعید نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تمام امور ملاحظہ کر لیے ہوں۔ یا پھر آپ کے اجتہاد کی دیگر وجوہات ہوں جن کی اطلاع علماء کو نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ اس سے قبل یہ وجوہ اختلاف رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مخفی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کتابت پر آپ کی موافقت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام اس مسئلہ کو آپ کی فقہ اور دقت نظر کے مسائل میں سے شمار کرتے ہیں۔ چوتھی وجہ:.... اس تحریر لکھوانے کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے موقف میں مجتہد تھے اور دین میں اجتہاد کرنے والے کا عذر ہر حال میں مقبول ہوتا ہے۔ بلکہ اسے اس پر اجر ملتا ہے۔ حدیث نبوی میں ہے: "جب حاکم فیصلہ کرتا ہے اور درست اجتہاد کرتا ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جب فیصلہ میں اجتہاد کرتا ہے اور خطا کر جاتا ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔"[1]

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے بارے میں کیسے کوئی بات کہی جا سکتی ہے، جبکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد کیا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گنہگار نہیں کہا اور نہ ہی مذمت کی، بلکہ آپ کی موافقت کرتے ہوئے، تحریر لکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یہ کہنا درست ہے کہ لوگوں کی غالب اکثریت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا۔ اس لیے کہ آپ جان چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اب آپ کی بات نہیں مانی جائے گی۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ رسالت کا حکم ہے خواہ لوگ آپ کی بات مانیں یا نہ مانیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾ [الشوریٰ: ۴۸]

"پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔"

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ [النحل: ۸۲]

"پھر اگر وہ پھر جائیں تو تیرے ذمے تو صرف واضح پیغام پہنچا دینا ہے۔"

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تحریر کے لکھنے کا حکم دیئے گئے ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی صحابہ کے نہ ماننے کی وجہ سے حکم عدولی نہ کرتے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی مرحلہ میں لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے دعوت ترک نہیں کی تھی، حالانکہ اس وقت قوم سے مقابلہ بہت سخت تھا اور وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سخت اذیت بھی دیا کرتے تھے۔ آپ نے ہر حال میں تبلیغ رسالت کا فریضہ ادا کیا اور کوئی تکلیف یا پریشانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ حتیٰ کہ ہلاک ہونے والے واضح دلائل کی موجودگی میں ہلاک ہوئے اور زندہ رہنے والے دلیل و برہان کی روشنی میں حیات درخشاں پاگئے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ تحریر لکھوانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا، وگرنہ آپ کبھی بھی اسے ترک نہ کرتے۔"[2]

[1]صحیح بخاری: ۷۳۵۲۔ مسلم: ۱۷۱۶۔ [2] منہاج السنۃ: ۳۱۵/۶۔ فتح الباری، ۲۰۹/۱۔

۴.... سریہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

☆شبہات کا مارا انسان کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے دو دن قبل غزوہ روم کے لیے ایک لشکر تیار کیا، جس پر سالار حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے بڑے بڑے نامور صحابہ موجود تھے، جیسا کہ حضرت ابو بکر، عمر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر مشہور کبار صحابہ بھی تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے پر اعتراض کیا، اور کہنے لگے: ہم پر کیسے ایسے نوجوان کو امیر بنایا جاسکتا ہے جس کی داڑھی کے بال بھی ابھی نہیں آئے۔ اس سے پہلے یہ لوگ ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے پر بھی تنقید کر چکے تھے۔ الغرض اس سلسلہ میں بڑی لمبی گفتگو اور لے دے ہوئی۔ حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طعنہ زنی اور جرح سنی تو بہت سخت غصہ ہوئے۔ پھر آپ درد سر اور بخار کی وجہ سے سر پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے۔ آپ دو آدمیوں کا سہارا لے کر آرہے تھے اور آپ کی ٹانگیں زمین پر بڑی مشکل سے گھسٹ رہی تھیں۔ اس لیے کہ آپ پر بہت زیادہ کمزوری کا غلبہ ہو گیا تھا۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

" اے لوگو! اسامہ کو امیر بنانے کے بارے میں تمہارے بعض افراد کی شکایات مجھ تک پہنچی ہیں۔ اگر تم میرے اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے پر طعنہ زنی کر رہے ہو تو یقیناً اس سے قبل جب میں نے اس کے والد کو امیر بنایا تھا، اس پر بھی تم نے طعنہ زنی کی تھی۔ ہاں اللہ کی قسم! وہ اس چیز کا حق دار تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اس کا حق دار اور اس قابل ہے۔" کہتے ہیں: اگر ہم اس مسئلہ کی گہرائی میں جائیں تو دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لشکر کے اہم ترین اور نمایاں عناصر میں سے تھے۔ اس لیے کہ آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے معزول کرنے کا مطالبہ کیا کہ ان کی جگہ کسی دوسرے کو لایا جائے۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! تیری ماں تجھ پر روئے کیا تم مجھ سے اس آدمی کے معزول کرنے کا مطالبہ کر رہے ہو جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا ہے۔"

آخری بات

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سریہ والے قصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں: ''لشکر اسامہ سے پیچھے رہ جانے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔'' یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑے گئے ہیں۔

۵.... صلح حدیبیہ اجمالی واقعہ:

☆ چھ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے نکلے لیکن قریش نے مطالبہ کیا کہ وہ اس بار واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں تو تین دن کے لیے مکہ ان کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے گا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سخت شروط عائد کیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مان لیا۔ لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ بہت سخت محسوس ہوا اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔ ان اعتراض کرنے والوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے سوال کیا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، ضرور ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ضرور ایسے ہی ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: تو پھر ہم اپنے دین کے بارے میں کمزوری کیوں دکھائیں؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، وہ میرا مددگار ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور کعبہ کا طواف کریں گے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، ضرور لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ یہ اسی سال ہو گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم بیت اللہ جاؤ گے اور وہاں کا طواف کرو گے۔'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامہ کی تحریر سے فارغ ہوئے تو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: '' اٹھو اور قربانی کرو، اور پھر اپنے سر منڈوا دو۔''

لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی بات نہ سنی۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کیا اور حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوایا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو دیکھا تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے، قربانیاں ذبح کیں اور سر منڈوا دیئے۔ کہتے ہیں کہ:'' نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس سلوک سے بڑھ کر تعجب والی بات کوئی دوسری نہیں۔ کیا اب عاقل ان لوگوں کی بات تسلیم کر سکتا ہے جو کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنتے اور مانتے تھے؟ جب کہ یہ واقعہ ان کے اس دعویٰ کی تکذیب کر رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء: ۶۵]

"پس نہیں! آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوسکتے، حتیٰ کہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والا مان لیں، پھر اپنے دلوں میں اس پر کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو فیصلہ آپ فرمادیں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں۔"

ردّ ودعلمائے کرام

☆حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صلح کے معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں تکرار کرنا اور ایسے ہی شروع میں قربانی کرنے اور سر منڈوانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دیر کرنا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور سر منڈوادیے۔ یہ تمام باتیں صحیحین کی روایات سے ثابت ہیں ۔[1] اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کا مدار ان دو امور پر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں نہ ہی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ زنی والی بات ہے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، یا کسی دوسرے صحابی پر جو صلح حدیبیہ میں موجود تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنے اصحاب کو اس کی خبر دی۔ جب یہ لوگ صلح حدیبیہ والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے تو کسی ایک کو بھی اس سال اس خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں تھا اور جب صلح طے پاگئی کہ اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں گے، تو یہ بات اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری۔"[2]

تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں تکرار کرنے لگے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک والی کوئی بات نہیں تھی اور نہ ہی آپ کو اس پر کوئی اعتراض تھا۔ لیکن جو بات پہلے سے آپ کو معلوم ہو چکی تھی، اس کی تفصیل جاننا چاہتے تھے کہ وہ مکہ میں داخل ہوں گے اور بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ حق کے معاملہ میں اس شدت کے اختیار کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجتہد تھے۔ نصرت دین کے بارے میں آپ کی قوت اور دین کے معاملہ میں آپ کی غیرت شک وشبہ سے بالاتر ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست اور تربیت یافتہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مشورہ دینے اور اظہار رائے کرنے کا عادی بنایا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ اس حکم الٰہی کی تعمیل میں تھا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

"سو ان سے در گزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور کام میں ان سے مشورہ کر۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ مشورہ لیتے اور ان کی آراء قبول فرماتے۔ اکثر معاملات میں ایسے ہی ہوتا تھا، اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے قبول کرتے ہوئے کفار قریش سے جنگ و قتال کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعہ کیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی مراجعہ کیا۔ جب دیکھا کہ یہ دونوں ہستیاں یک زبان اور متفق ہیں، تو آپ بھی خاموش ہو گئے اور اپنی رائے ترک کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کی صدق نیت اور سچائی کی وجہ سے آپ کا عذر قبول فرمالیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حلق و نحر میں توقف کرنا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق و نحر کر لیا۔ تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی نہیں تھی۔ علمائے کرام نے اس کی کئی توجیہات ذکر کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ نے توقف اس لیے کیا کہ انہیں احتمال تھا کہ شاید یہ حکم مندوب ہو۔ یا پھر اس صلح کو توڑنے کے لیے وحی نازل ہو جائے۔ یا یہ کہ یہ تخصیص صرف آپ کے لیے ہو اور باقی لوگ اس سال مکہ میں داخل ہوں اور عمرہ مکمل کر لیں۔ اور اس کی ایک علت یہ تھی کہ یہ زمانہ ایسا تھا جب نسخ کے احکام نازل ہو رہے تھے۔ یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے خیال میں امر مطلب فوری اتباع کا تقاضا نہ کرتا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ساری باتیں موجود ہوں۔"[1]

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کی بات نہیں مانی جا رہی، تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سامنے معاملہ بیان کیا، تو انہوں نے کہا:

"اللہ کے رسول! آپ باہر تشریف لے جائیں اور ان میں سے کسی کے ساتھ کلام نہ کریں، یہاں تک کہ آپ اپنے جانوروں کی قربانی کر دیں اور سر مونڈنے والے کو بلائیں تا کہ وہ آپ کے سر کے بال صاف کر دے۔"

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ان میں سے کسی سے کچھ گفتگو نہیں کی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ پورا کر لیا، جانور قربان کر دیے اور اپنا سر بھی مونڈوا دیا، صحابہ رضی اللہ عنھم نے جب یہ دیکھا تو اٹھے اور انہوں نے قربانی کی، ایک نے دوسرے کے سر مونڈ دیے...."[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ احتمال ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا صحابہ کے بارے میں یہ سمجھی ہوں کہ شاید ان کے نزدیک یہ حکم ان کے حق میں رخصت کا احتمال رکھتا ہو اور وہ اپنے طور پر عزیمت پر عمل کرتے ہوئے احرام میں ہی باقی رہیں گے تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اس احتمال کو ختم کیا جائے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے مشورہ کی درستگی عیاں تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے ہی کیا۔"[2]

اس کی ایک نظیر غزوہ فتح مکہ کا واقعہ بھی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے دنوں میں روزہ توڑنے کا حکم دے دیا تھا۔ جب لوگوں نے روزہ نہ توڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروب کا ایک پیالہ منگوا کر نوش فرمالیا۔ جب صحابہ کرام نے آپ کو دیکھا تو انہوں نے بھی ایسے ہی کیا۔" [3]

پس ایسے ہی جب صحابہ رضی اللہ عنھم نے آپ کو دیکھا کہ حلال ہو گئے ہیں، تو انہیں بھی یقین ہو گیا کہ ان کے حق میں افضل حلال ہونا ہے۔ تو انہوں نے حلال ہونے میں پھر کوئی دیر نہ لگائی۔ حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے جو کچھ ہوا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی، تو کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے کوئی مذمت کی ہے؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کا انکار کیا؟

بیشک اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی پر مدینہ کے راستے میں سورت فتح نازل کی، فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا () وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ [الفتح: ۱۸-۱۹]

"یقیناً اللہ مؤمنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے، تو اس نے ان کے دلوں کی بات جان لی؛ اور ان پر سکینت نازل کی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی اور بہت سی غنیمتیں، جنھیں وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والے ہیں۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی۔ [1] صحیح مسلم میں ام بشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا...." [2]

کتاب و سنت کی صریح نصوص کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صحابہ سے راضی ہو گئے تھے اور ان دلوں میں سکینت نازل فرمائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے اور جہنم سے نجات کی خبر دی ہے۔ پھر اس کے بعد بھی صحابہ کرام پر طعن کرنا کتاب و سنت کی صریح نصوص کی تکذیب اور اللہ اور اس کے رسول کی بات کو ردّ کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے کافر کی تکفیر میں علماء نے بھی توقف نہیں کیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو کافر یا فاسق کہے، تو اس کا یہ قول کتاب و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔ صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: "حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا۔ آپ نے معاہدہ میں یوں لکھا: "یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔" کفار قریش کہنے لگے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے۔ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو روکتے ہی کیوں۔ "آپ تو بس محمد بن عبد اللہ ہیں۔"

حضرت نے فرمایا کہ:" میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں۔"

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''رسول اللہ کا لفظ مٹادو۔'' انہوں نے کہا کہ:'' ہر گز نہیں؛اللہ کی قسم!میں یہ لفظ کبھی نہیں مٹا سکتا۔''[3]

اور بعض روایات میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں اسے کبھی بھی نہیں مٹاؤں گا۔''[4]

جو کچھ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ثابت ہے،وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مراجعہ وتکرار کی نظیر ہے اور جب اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی ملامت والی بات نہیں یہی حق ہے، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی ملامت والی کوئی بات نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ لفظ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کو آپ نے محبت اور تعظیم کی وجہ سے نہیں مٹایا تو ہم کہتے ہیں: '' جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا: وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور آپ کے دین کے اعزاز وبلندی کے لیے کیا تھا۔''

[1]تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۸۲۔ مسلم: ۱۸۵۶۔ [2] مسلم: ۲۳۹۶۔ [3] صحیح بخاری: ۲۶۹۸۔ مسلم: ۱۷۸۔ [4] صحیح بخاری: ۳۱۸۴۔

۶.... وہ آیات واحادیث جنہیں مذمت صحابہ پر محمول کیا جاتا ہے

بہت ساری آیات ایسی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کرام کی مذمت پر محمول ہیں۔ ان پر ہم عمومی ردّ پیش کرتے ہیں۔ وہ تمام آیات جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن پر استدلال کیا جاتا ہے،وہ تین اقسام سے خالی نہیں ہیں:

۱۔ یا تو وہ آیات کفار اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

۲۔ یا وہ عمومی ہیں جن سے امت کو خیر کی ترغیب اور اس کا حکم دیا گیا ہے، اور شر سے ڈرایا اور منع کیا گیا ہے۔ ان میں خطاب عمومی طور پر صحابہ کرام اور بعد میں آنے والے لوگوں سے ہوتا ہے اور اکثر طور پر یہ آیات ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ کے خطاب سے شروع ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ اس میں صحابہ کرام پر کوئی طعنہ زنی والی بات نہیں اسی اسلوب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مخاطب کیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ [المائدة: ٦٧]

''اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اس کی تبلیغ کریں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ بیشک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [الزمر: ٦٥]

"اور یقیناً آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ بلاشبہ اگر آپ نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً آپ کا عمل ضرور ضائع کر دیا جائے گا اور آپ یقیناً خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔"

اور یہ فرمان:

﴿ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴾ [البقرۃ: ۱۴۵]

"اور اگر آپ اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے آئیں تو بھی وہ آپ کے قبلے کی اتباع نہ کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی اتباع کرنے والے ہیں اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور یقیناً اگر آپ نے علم آ جانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی، تو بیشک آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔"

اور یہ فرمان ربانی:

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ﴾ [الاحقاف: ۳۵]

"پس آپ صبر کریں جس طرح پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلد (عذاب آنے) کا مطالبہ نہ کریں۔"

اور یہ فرمان الٰہی:

﴿ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ () وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴾ [المدثر: ۶-۷]

"اور (اس نیت سے) احسان نہ کر کہ زیادہ حاصل کرے اور اپنے رب ہی کے لیے صبر کر۔"

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں جو ان کے معنی میں ہیں جیسا کہ یہ آیات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اوامر ونواہی کو متضمن ہیں ان میں کوئی طعنہ والی بات نہیں، ایسے ہی وہ آیات ہیں جو صحابہ کے حق میں ثابت ہیں ان میں طعنہ والی کوئی بات نہیں۔

۳۔ جب کہ تیسری قسم ان آیات کی ہے جن میں بعض صحابہ پر کسی قدر عتاب پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں:

﴿ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ [الحدید: ۱۶]

"کیا مؤمنین کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس حق کیلئے جھک جائیں جو نازل ہوا ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ﴾ [التوبۃ: ۳۸]

''اے مؤمنو! تمھیں کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو؟''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ [الممتحنۃ:۱]

''اے مؤمنو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔''

یہ آیات مبارکہ اور وہ آیات جو ان کے ہم معنی ہیں، ان سب میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن والی کوئی بات نہیں۔ بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ نے چند افراد پر عتاب کیا ہے۔ بلکہ بسا اوقات یہ عتاب کسی ایک فرد واحد پر ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس آخری آیت میں ہے۔ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس کو تمام صحابہ کے لیے عام کہنا بہت بڑی غلطی ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان صحابہ کو ایمان کے وصف سے مخاطب کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے تزکیہ اور ثنائے خیر کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہل ایمان کے لیے عتاب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی عتاب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی ایک آیات میں کیا ہے۔ جیسا کہ اس سورت میں ہے:

﴿عَبَسَ وَتَوَلَّى () أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى﴾ [عبس: ۱-۲]

''تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔ کہ اس کے پاس اندھا آیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔ جب انہیں دیکھتے تو فرماتے اور مرحبا ایسے انسان جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب کیا ہے۔''[1]

۷.... وہ آیات جنہیں صحابہ پر طعنہ زنی پر محمول کیا گیا ہے

آیت انقلاب: اس آیت کا نام آیت انقلاب ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۴۴]

"اور محمد ایک رسول ہیں، بیشک اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر آپ فوت ہو جائیں، یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے اور جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے تو وہ اللہ کو ہر گز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا۔"

تنقید نگاروں کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت اس باب میں صریح اور واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائیں گے اور ان میں سے بہت کم لوگ دین پر ثابت قدم رہیں گے۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں تعبیر الٰہی کی روشنی میں اسی چیز پر دلالت کرتی کہ ثابت قدم رہنے والے جو دین کو نہیں چھوڑیں گے انہیں شاکرین کے لفظ سے مخاطب کیا ہے اور شاکرین ہر دور میں بہت کم ہوتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ [سبا: ۱۳]

"اور میرے بندوں میں سے بہت تھوڑے شکر گزار ہیں۔"

ایسے ہی احادیث نبویہ شریفہ اپنی تفسیر میں ان کے گمان کے مطابق اس انقلاب پر دلالت کرتی ہیں۔

آیت جہاد

ان ہی آیات میں سے وہ آیت بھی ہے جسے آیت جہاد کا نام دیا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ () إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ [التوبة: ۳۸-۳۹]

"اے ایمان والو! تمھیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟ تو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر اور لوگ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نقصان نہ کرو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔"

کہتے ہیں یہ دونوں آیات مبارکہ صحابہ کے بارے میں واضح ہیں کہ وہ جہاد کو گراں سمجھتے تھے اور وہ دنیاوی زندگی کی طرف مائل ہو گئے تھے اور کام چوری اور سستی کے عادی تھے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ دنیا کی زندگی بہت تنگ دامن ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر و توبیخ اور عذاب الیم کی دھمکی ان کے حق میں واجب ہو گئی اور یہ کہ انہیں بدل کر ان کی جگہ صادق الایمان مومن لائے جائیں گے۔

شبہ پر ردّ:....اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت غزوہ تبوک میں ترغیب کے ضمن میں نازل ہوئی۔ یہ فتح مکہ اور طائف و حنین سے واپسی کے بعد کا واقعہ ہے۔ سخت گرمیوں کے موسم میں اس وقت جہاد کی تیاری کا حکم دیا گیا جب کھجور کی فصل پک چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب کسی طرف غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس جہت کو مخفی رکھتے تھے حتیٰ کہ جب اس غزوہ کا وقت آیا تو سفر بہت دور کا تھا اور گرمی بہت سخت تھی، کافی مشکلات کا سامنا تھا۔ دشمن تعداد میں بہت زیادہ اور طاقتور تھا۔ اس وقت جہاد کے لیے نکلنا کافی مشکل تھا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں جہاد کی ترغیب تھی اور جہاد سے جی چرانے والوں کو ڈرایا گیا تھا۔"[1]

"جیسا کہ بعض امامیہ علماء نے بھی یہ بیان کیا ہے۔"[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سستی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ہوئی تھی اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ اس سستی اور تاخیر کو تمام صحابہ پر چسپاں کیا جائے۔ بلکہ یہ بعض کے کلام کی طرف نسبت کے باب سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اسلوب کلام، اہل عرب میں بہت زیادہ اور عام ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بشر تھے، ان کے ساتھ بھی وہ عوارض پیش آتے تھے، جو کسی بھی بشر کو پیش آسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن نازل ہوا تو اس کے بہت سارے مقامات پر صحابہ کرام کی تعلیم و توجیہ یا تربیت اور راہنمائی کے اہتمام کے ساتھ انھیں ترغیب بھی دی گئی ہے اور ڈرایا بھی گیا ہے۔ تاکہ انہیں وہ بہترین امت بنا کر تیار کیا جائے جنہیں لوگوں کے فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بات قرآن حکیم پر غور کرنے والے اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ پس اسی لیے ۸۹ آیات اس طرح نازل ہوئی ہیں کہ وہ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کے خطاب سے شروع کی گئی ہیں۔ یہ سب کچھ تعلیم اور ارشاد اور راہنمائی کے لیے ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جب آپ سنیں کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ تو اپنے کان اس طرف لگالو، یا تو کسی اچھی بات کا حکم مل رہا ہو گا، یا پھر کسی بری بات سے منع کیا جا رہا ہو گا۔"[3]

قرآن سیاق صحابہ کی تعلیم کے زمرہ میں وارد ہوا ہے کہ انہیں یا تو خیر بتائی جا رہی ہے یا پھر شر سے منع کیا جا رہا ہے۔ لیکن جو لوگ عام بشر میں عصمت کا اعتقاد رکھتے ہیں، وہ یہ بات محال سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام سے کوئی خطا یا تقصیر ہو ان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کے متعلق غلطی یا کوتاہی کا کہنا ان کی ذات پر نقد اور جرح ہے۔ جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا........يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ [التوبۃ: ۳۸-۳۹].... اس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد ترک کرنے والوں کو وعید سنائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے ایک قبیلہ کو جہاد کے لیے نکلنے کا کہا، مگر انہوں نے گرانی محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی، یہ ان کے لیے عذاب تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ غزوہ تبوک کیلیئے نکلے تھے' انہیں کوئی عذاب یا برائی نہیں پہنچی۔ ان تمام کے سر کردہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے گھر کا سارا مال لشکر کی تیاری کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈال دیا تھا۔ گھر میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آئے تھے۔"[1]

اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت کو قرآن میں ثابت کیا ہے۔ اس آیت کے ہی اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ٤٠]

"اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب انہیں کافروں نے نکال دیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، اور وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا مال لا کر پیش خدمت کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیئے اور جیش العسرہ کو تیار کیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے، اسے نقصان نہ دے گا۔"[2] جبکہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے پیچھے نماز پڑھی۔[3]

اور اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کے لیے معافی کا اعلان کر رکھا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [التوبة: ١١٧]

"یقیناً اللہ نے نبی، مہاجرین اور انصار پر مہربانی کی جنہوں نے بڑی تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا تھا اگرچہ اس وقت بعض لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے۔ پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا کیونکہ اللہ مسلمانوں پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہو، اسے کبھی عذاب نہیں دیں گے۔ پھر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ غزوہ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا۔ جو آپ نے اپنے صحابہ کی ہمراہی میں کیا اور اس موقع پر دوسرے غزوات کی نسبت بہت بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، جیسا کہ غزوہ بدر، غزوہ احد، فتح مکہ، حنین اور موتہ۔ اس موقع فتح و نصرت آ کے قدم چومتی رہی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ نے راہ جہاد کو مکمل کیا اور مرتدین سے دین کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتوحات کے دروازے کھول دیئے۔ بلاد فارس، عراق، شام اور مصر فتح ہوئے، پھر ان تمام باتوں کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام جہاد سے جی چراتے تھے اور دنیاوی زندگی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔

آیت ارتداد

کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ [المائدۃ: ۵۴]

"اے مؤمنو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے محبوب اور اللہ ان کا محبوب ہو گا وہ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔" یہ آیت مبارکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ یہی وہ قوم ہیں جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ امام طبری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔"[1]

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت بعض انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم اہل یمن کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ بہر حال یہ آیت عام ہے جو کہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان و علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔ اس کی تائید ایک بڑا نامور عالم علامہ طبرسی نے بھی کی ہے۔ وہ کہتا ہے: "اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس آیت مبارکہ میں کن لوگوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر اور ان کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدین سے جنگیں لڑیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد انصار ہیں اور یہ بھی کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی اور ان کے ساتھی مراد ہیں۔"[1]

اس بات کی دلیل کہ حضرات صحابہ اور ان میں سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سب سے پہلے اس آیت کے عموم میں داخل ہیں، وہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ﴾ [المائدۃ:۵۴]

"تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔" یہ ایک کھلی ہوئی واضح دلیل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت لازمہ ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح: ۲۹]

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔"

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ [المائدۃ: ۵۴]

"اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔"

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ حضرات صحابہ سب سے پہلے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے تھے اور جو آیات اس کی تائید کرتی ہیں تدبر کرنے والے کے لیے ان سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ یہ ان کی دائمی صفت ہے۔ کسی بھی عقل مند کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی عقل سے کام لیتا ہو اور پھر یہ بھی کہے کہ اس آیت کی روشنی میں صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ اس لیے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرات صحابہ نے مرتدین سے جہاد کیا تھا اور ان پر فتح پائی تھی۔ یہ بات عقلاً محال ہے کہ مرتدین مسلمانوں پر فتح پالیں۔

آیت خشوع

ان میں سے ایک آیت کو آیت خشوع کا نام دیا گیا ہے۔ آیت خشوع یہ ہے:

﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ [الحدید: ۱۶]

"کیا اہل ایمان کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس حق کے لیے جھک جائیں جو نازل کیا ہے اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں ان سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔"

الدر المنثور میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے:

"جب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو سختی اور تکلیف کی زندگی گزارنے کے بعد عیش وراحت کے ایام گزارنے لگے۔ گویا کہ انہوں نے اپنے بعض اعمال چھوڑ دیئے تھے۔ اس پر انہیں عتاب کیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اور ایک دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے سترہ سال بعد مہاجرین کے دلوں میں سستی دیکھی تو یہ آیت نازل فرمائی۔ جب یہ صحابہ کرام جو کہ سب سے بہترین لوگ تھے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے نازل کردہ حق سے سترہ سال تک نہ ڈرے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سستی محسوس کی اور انھیں سزا دی؛ اور انہیں دل کی اس سختی سے ڈرایا جو کہ انہیں فسق وفجور کی طرف لے کر جانے والی ہے، تو پھر بعد میں آنے والے قریشی خاندانوں پر کوئی ملامت نہیں جو کہ سن سات ہجری کو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔"

تبعیض

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح: ٢٩]

"اللہ نے اہل ایمان اور نیک اعمال کرنے والوں سے بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔"

ان کے من جملہ شبہات میں سے ایک لفظ منہم کی وجہ سے اس آیت میں وارد ہونے والا شبہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح: ٢٩]

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے ان کا یہ وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف مثل اس کھیتی کے ہے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا پھر موٹی ہو کر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے اللہ ان میں سے مؤمنین اور نیک کام کرنے والوں سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔" آیت میں وارد لفظ "منہم" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں یہ رحمت اور مغفرت شامل نہیں ہے اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ اس آیت میں بعض صحابہ سے ایمان اور نیک اعمال کی نفی کی گئی ہے۔ اس آیت میں ایک ہی آن میں مدح بھی ہے اور قدح بھی۔ تو جہاں اس آیت میں چند گنے چنے صحابہ کی تعریف کی گئی ہے تو وہیں پر دوسرے صحابہ پر جرح بھی کی گئی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم خود کہتے تھے کہ انہوں نے دین کو بدل دیا ہے

شبہ:.... صحابہ کی اپنے ہی خلاف گواہی کہ انہوں نے سنت نبوی کو بدل دیا تھا۔

اس پر انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول اثر سے استدلال کیا ہے، جس میں آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحی کے موقع پر عید گاہ کی طرف جایا کرتے تھے اور سب سے پہلے نماز سے ابتدا کرتے۔ پھر آپ لوگوں کی طرف منہ موڑ لیتے اور لوگ آپ کے سامنے ہوتے اور اپنی اپنی صفوں بیٹھے ہوتے۔ آپ انہیں وعظ و نصیحت کرتے اور احکام جاری کرتے اور اگر کسی بات کا کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو کر دیتے۔ یا کسی چیز کا حکم دینا ہوتا تو حکم دیتے۔ پھر واپس چلے جاتے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ اسی طریقہ پر تھے، حتیٰ کہ جب ہم مروان کے ساتھ نکلے وہ ان دنوں مدینہ کا گورنر تھا، عید الفطر اور عید الاضحی پر اس کے ساتھ نکلے، جب ہم عید گاہ پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر منبر تھا جو کثیر بن صلت نے بنایا تھا۔ مروان نماز سے پہلے منبر پر چڑھنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کا جبہ پکڑ کر کھینچا، مگر اس نے چھڑا لیا اور منبر پر چڑھ گیا اور خطبہ نماز سے پہلے دیا۔ میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تم بدل گئے ہو، اس نے کہا: ابو سعید جو کچھ تم جانتے ہو وہ گزر چکا ہے۔ تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا۔ تو اس نے کہا لوگ نماز کے بعد نہیں بیٹھتے اس لیے میں نے خطبہ کو نماز سے پہلے کر دیا۔[1]

معترضین کا کہنا یہ ہے کہ:" اکثر بنو امیہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور ان کا خیال ہے کہ ان کے بڑے سردار معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر گالی دیں اور ان پر لعنت کریں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایسی روایات ذکر کی ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں میں خطیبوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منبروں پر چڑھ کر لعنت کریں۔

اس شبہ پر علماء کا ردّ

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے اثر کی روشنی میں یہ سمجھنا کہ صحابہ نے سنت نبوی کو بدل دیا تھا، یہ بہت بڑی عجیب بات ہے۔ اس روایت میں ان کے دعویٰ پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ بلکہ اس میں دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام سنت کو قائم رکھے ہوئے تھے اور وہ مخالفین سنت پر بہت سخت انکار کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ یہ جلیل القدر صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مروان کے نماز عید سے پہلے خطبہ دینے پر انکار کر رہے ہیں اور مروان بن الحکم صحابہ میں سے نہیں تھا۔ اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو وہ بہت چھوٹی عمر کا تھا اور طائف میں مقیم تھا۔ پس اس بنیاد پر مروان کے فعل کا بوجھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ نہیں ڈالا جا سکتا اور ایسا کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ حاضرین صحابہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ۔

۲۔ نماز عید میں خطبہ کو نماز سے مقدم کرنا اگرچہ خطا ہے لیکن علماء کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مجتہد کا فعل ہے۔

۳۔ یہ کہنا کہ اکثر اموی صحابہ تھے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ ان میں سے ولایت صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی ہے جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت عہد خلفائے راشدین میں سے تھی۔

۴۔ اور یہ کہنا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بر سر منبر لوگوں کو حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر سب و شتم اور لعنت کرنے کا حکم اور ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس دعوی پر صحیح دلیل کی ضرورت ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسی تہمتوں سے بری ہیں۔ آپ کے دینی فضائل ثابت شدہ ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے اور ایسی سیرت کے انسان سے یہ انتہائی بعید اور محال ہے کہ وہ لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے کی ترغیب دے۔ اس افتراء پردازی پر صحیح مسلم کی اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے جو کہ عامر بن سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: ” حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمہیں ابوتراب کو گالی دینے سے کس چیز نے روکے رکھا؟

تو انہوں نے فرمایا کیا: ”تمہیں وہ تین باتیں یاد نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھیں۔ پس میں تو ہر گز انھیں گالی نہیں دوں گا۔ اگر ان تین میں سے ایک بات بھی میرے لیے ہو تو وہ سرخ اونٹوں سے بڑھ کر بہتر ہے۔“[1]

☆امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”اس میں تصریح نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیں۔ بلکہ آپ نے اس سبب کے بارے میں پوچھا تھا جو آپ کے گالی دینے میں مانع تھا۔ گویا کہ آپ یہ پوچھ رہے تھے کہ کیا آپ تقوی اور ورع کی وجہ سے گالی نہیں دے رہے تھے یا خوف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ اگر تمہارا ایسا کرنا تقوی اور ورع اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجلال کی وجہ سے تھا تو تم راہ راست پر تھے اور اگر کوئی دوسرا سبب تھا، تو اس کا جواب بھی کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کرتے تھے، مگر آپ ان کے ساتھ سب و شتم نہیں کرتے تھے۔ مگر انھیں منع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یا پھر آپ نے انھیں بھی منع کیا ہو گا، اس وجہ سے یہ سوال پوچھا گیا۔[2]

☆امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنا کہ آپ کس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہیں کہتے تھے؟ اس میں انھیں گالی دینے کی صراحت نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اس امتناع کے سبب کے بارے میں سوال ہے تا کہ ان کے شبہات دور ہوں جو حضرت کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ (اور آپ کے ارد گرد موجود ہیں) جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جواب سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سنا تو خاموش ہو گئے اور سر تسلیم خم کر لیا اور حق دار کے حق کی معرفت کرا دی۔[3] حضرت امیر اس سے بری ہیں کہ ان سے ایسا فعل صادر ہو۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بہت تعظیم بجالاتے، آپ کی سبقت اسلام اور فضائل کے معترف تھے۔ جیسا کہ آپ سے مختلف اقوال میں ثابت ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ابو مسلم خولانی اور ان کے ساتھ ایک جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہنے لگے: کیا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تنازع کر رہے ہیں یا آپ بھی ان جیسے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ بہتر ہیں اور مجھ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں...." [1] ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب آپ تک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی تو رونے لگ گئے۔ تو آپ کی بیوی نے کہا: اب تم اس پر روتے ہو اور اس سے پہلے ان سے جنگیں کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا: " تمہاری بربادی ہو، تم نہیں جانتی کہ لوگوں نے کیا علم و فضل اور فقہ کو کھو دیا ہے۔" [2]

تو کیا عقل یا دین کے اعتبار سے یہ جائز ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیں یا لوگوں کو آپ کو گالی دینے کی ترغیب دیں، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا اپنا عقیدہ یہ تھا۔ کسی ایک بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری زندگی میں جنگ یا امن کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی ہو۔ تو پھر کیا یہ معقول بات ہے کہ جنگ ختم ہونے یا آپ کی وفات کے بعد آپ کو گالی دی جائے۔ پھر یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے تنازل کے بعد خلافت میں منفرد تھے اور تمام لوگوں کا آپ کی خلافت پر اجماع ہو گیا تھا اور تمام بلاد و امصار آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے تھے، اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دینے میں کون سا فائدہ تھا؟

اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے امت کی عصمت دری

شبہ:.... صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے امت عصمت سے محروم ہوئی اور ان میں تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوا۔

☆ ان میں سے ایک تنقید نگار کہتا ہے: تمام مشکلات کی بنیاد صحابہ ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے ایک تحریر لکھوا دیں جو کہ قیامت تک انہیں گمراہی سے محفوظ رکھ سکے اور ان کے اس اختلاف نے امت اسلامیہ کو اس فضیلت سے محروم کیا اور گمراہی کے گڑھوں میں گرا دیا۔ حتیٰ کہ امت منقسم ہو کر گروہوں میں بٹ گئی۔ اس تنازع کی وجہ سے ان کے پاؤں پھسل گئے اور ہوا اکھڑ گئی۔ انہوں نے خلافت میں اختلاف کیا اور حزب اختلاف اور حزب اقتدار میں بٹ گئے جو کہ امت مسلمہ کی پسماندگی کا سبب بنا۔عثمان علی اورعثمان معاویہ دو گروہ سامنے آئے اور انہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر میں اختلاف کیا۔ احادیث رسول اختلاف کی نظر ہوئیں جس کے نتیجہ میں فرقے، مذاہب اور گروہ پیدا ہوئے۔ اس کے نتیجہ میں اہل کلام کے مختلف مکاتب فکر اور مدارس سامنے آئے اور مختلف قسم کے فلسفات کا ظہور ہوا۔ جس کا نتیجہ سیاسی اختلاف تھا جس کے پیچھے حکومت تک پہنچنے کی امیدیں اور کوششیں کارفرما تھیں۔ اگر صحابہ نہ ہوتے تو مسلمانوں میں اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ ہوتا۔ ہر وہ اختلاف جو پیدا ہو چکا ہے یا پیدا ہو گا، تو اس کی اصل صحابہ کا اختلاف تھا۔

اس شبہ کا ردّ

اس تنقید نگار کا اشارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی طرف ہے، آپ فرماتے ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی، تو آپ نے فرمایا:" لکھنے کے لیے کوئی چیز لاؤ کہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہی میں کبھی نہ پڑ سکو گے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:" اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف ہے وصیت لکھنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے پاس قرآن ہے اور ہمارے لئے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔"

اس کے بعد گھر میں موجود لوگ جھگڑنے لگے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ، میرے پاس ہو کر یہ تنازعہ اور اختلاف زیب نہیں دیتا۔"[1]

اسی کتاب میں اس شبہ پر ہم پہلے سے ردّ کر چکے ہیں۔

☆ان کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے امت اسلامیہ عصمت سے محروم ہوئی اور قیامت تک کے لیے گمراہی اور اختلافات کی نظر ہوگئی...."

جواب:.... تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بالکل باطل ہے۔ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس چیز کی تبلیغ نہیں کی تھی جو انہیں گمراہی اور تفرقہ بازی سے محفوظ رکھے اور نہ ہی آپ نے صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے اپنے رب کی شریعت کی تبلیغ کی حتیٰ کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور اس طرح آپ نے اپنے رب کے اس حکم کی مخالفت کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ [المائدة: ٦٧]

"اے رسول! پہنچادے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

☆حقیقت تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وہ بات لوگوں تک پہنچادی تھی جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ دین اور عقل کا تقاضا ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اگر یہ تحریر واقعی ہی اتنی اہم تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا لکھوانا اس سخت اور تنگ وقت تک مؤخر کرتے اور اگر اس میں تاخیر کر بھی دی تھی تو پھر صرف صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے اس کا لکھوانا ترک نہ کرتے۔"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات اپنے اجتہاد کی وجہ سے کسی مسئلہ میں آپ سے رجوع کرتے مگر آپ ان کی باتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک نہیں فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حج کو عمرہ میں فسخ کرنے کے بارے میں بعض ان صحابہ نے آپ سے گفتگو کی تھی جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لائے تھے۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

ایسے ہی حدیبیہ کے موقع پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ سے رجوع کرنا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے مسئلہ پر گفتگو کرنا بھی ثابت ہے۔ تو پھر کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے رب کے ایسے حکم کو ان کے اختلاف کی وجہ سے ترک کر دیں جو ان سابقہ احکام سے بھی زیادہ عظیم اور اہم ہو؟

چلو تصور کر لیتے ہیں کہ آپ نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس وقت یہ تحریر لکھوانے کا ارادہ صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے ترک کر دیا۔ تو پھر بعد میں اس عہد کے لکھوانے میں کون سی چیز مانع تھی اور یہ بات ثابت ہے کہ آپ اس واقعہ کے بعد چند دن تک بقید حیات رہے۔ صحیحین کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بروز پیر ہوئی ہے اور یہ واقعہ بالاتفاق جمعرات کے دن کا ہے۔ اسی دن کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ آپ کو یہ اندیشہ لگا کہ آپ کی بات نہیں مانی جائے گی اور اس سے تعارض کیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے آپ کے پاس اختلاف ہو چکا تھا۔

☆ہم کہتے ہیں: اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو سکتا تھا اس لیے کہ آپ کے ذمہ صرف بات کا پہنچانا تھا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ [النساء:۸۰]

”جس نے رسول کی فرمانبرداری کی تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔“
جب یہ بات باتفاق المسلمین ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تحریر تا دم وفات نہیں لکھوائی تو ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ اس دین کا حصہ نہیں تھا جس کی تبلیغ کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

☆معترضین کا یہ کہنا کہ:” انہوں نے خلافت میں اختلاف کیا اور حزب اختلاف اور حزب اقتدار میں بٹ گئے جو کہ امت مسلمہ کی پسماندگی کا سبب بنا۔عثما ن علی اورعثما ن معاویہ دو گروہ سامنے آئے....۔“

جواب:.... تو اس کا جواب یہ ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف خلافت کے مسئلہ پر نہیں تھا بلکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے مطالبہ کی وجہ سے تھا۔

☆معترضین کا یہ کہنا کہ:”اور انہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر میں اختلاف کیا۔ احادیث رسول اختلاف کی نظر ہوئیں جس کے نتیجہ میں فرقے، مذاہب اور گروہ پیدا ہوئے، اس کے نتیجہ میں اہل کلام کے مختلف مکاتب فکر اور مدارس سامنے آئے اور مختلف قسم کے فلسفات کا ظہور ہوا جس کا نتیجہ سیاسی

اختلاف تھا جس کے پیچھے حکومت تک پہنچنے کی امیدیں اور کوششیں کارفرما تھیں۔ اگر صحابہ نہ ہوتے تو مسلمانوں میں اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ ہوتا۔ ہر وہ اختلاف جو پیدا ہو چکا ہے یا پیدا ہو گا، تو اس کی اصل صحابہ کا اختلاف تھا.... "

جواب:.... یہ سب سے بڑی تلبیس اور جعل سازی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایسا الزام ہے جس سے وہ عند اللہ بری ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو معمولی اختلاف تفسیر یا فہم حدیث میں منقول ہے، اس کی وجہ سے تو علیحدہ فقہی مکاتب، فلسفی مدارس اور علم کلام کے مباحث پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ اس اختلاف کی حقیقت میں دو بنیادیں ہیں:

۱۔ اختلاف تنوع ۲۔ اختلاف تضاد

جہاں تک اختلاف تضاد کا تعلق ہے، خواہ وہ تفسیر میں ہو یا فہم حدیث یا احکام میں، اس کی تعداد بہت کم ہے۔ نیز اس کا تعلق دین کے عام اور مشہور اصولوں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ اختلاف بعض ان دقیق مسائل سے تعلق رکھتا ہے جو اجتہاد میں محل نظر ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو جان لیجیے کہ یہ تمام بدعتی فرقے اپنی کثرت اور اختلاف مشارب کے باوجود ان میں سے کسی ایک کا بھی تعلق کسی بھی صحابی سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ اپنی بدعات میں کسی صحابی کے قول کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں۔

اگرچہ بعض فرقے دعوی کی حد تک اپنے آپ کو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن عند اللہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے موجدین اور موسسین . وہی بدعات کے سرغنے ہیں۔ جو یا تو اصل میں کافر تھے، یا پھر ایسے کھلے ہوئے منافق تھے جن کا نفاق امت پر صاف ظاہر تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد

شبہ:.... معترضین کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور سب سے پہلے اس کا دروازہ کھولنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک تنقید نگار کہتا ہے:

" میں اپنی بحث و تحقیق میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امت اسلامیہ کو توڑ کر رکھ دینے والی مصیبت صریح نصوص کے مقابلہ میں وہ اجتہاد ہے جس کی عادت صحابہ کو پڑ چکی تھی۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کیا اور سنت نبوی کو مٹا کر رکھ دیا۔ صحابہ کے بعد علمائے امت اور ائمہ صحابہ کے اجتہادات پر قیاس کرنے لگے۔ اس دوران بعض دفعہ اس وقت نصوص نبوت کو بھی پس پشت ڈال دیتے جب وہ افعال صحابہ سے متعارض ہوتیں۔ اس دروازے کے کواڑ کھولنے والی سب سے پہلی شخصیت دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآنی نصوص کے مقابلہ میں اپنی آراء سے کام لیا۔ موکفۃ القلوب کا جو حصہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ میں فرض کیا تھا، اسے ختم کر ڈالا، اور کہنے لگے: ہمیں اب تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات آیت غار

معترض یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [التوبة: ۴۰]

"اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی ہے، جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنھوں نے کفر کیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی سکینت اس پر اتار دی اور اسے ان لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان پر دلالت نہیں کرتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ساتھ (صحبت) کافر کا بھی ہو سکتا ہے اور مومن کا بھی۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا﴾ [الكهف: ۳۷]

"اس کے ساتھی نے، جب کہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس سے کہا: کیا تو نے اس کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک قطرے سے، پھر تجھے ٹھیک ٹھاک ایک آدمی بنا دیا۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے ساتھی نہیں

شبہ:.... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے ساتھی نہیں تھے، وہ کوئی دوسرا آدمی تھا، جیسا کہ بعض معاصر معترضین نے کہا ہے۔ ہم اس مسئلہ میں امامیہ کی اسناد سے بعض روایات پیش کرتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی یارِ غار ہیں۔ یہ روایات ان شبہات کو غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ابن الکواء نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ اس وقت کہاں تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرمایا: ﴿إِذْ أَخْرَجَهُ .....مَعَنَا﴾ [التوبة: ۴۰] "تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن الکواء! تیرے لیے ہلاکت ہو، میں اس وقت رسول اللہ کے بستر پر تھا۔[1] جبکہ مشہور امامیہ عالم شیخ المفید نے کہا ہے: "حضرت ابو بکر صدیق کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خروج کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی غار میں آپ کے ساتھ موجودگی کا انکار ممکن ہے۔ آپ کی صحبت کا استحقاق بڑا ہی معروف ہے۔"[2]

☆اور مجلسی نے ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے: "یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ

عنہ غار میں تھے۔ ان کے ساتھ کوئی تیسرا نہیں تھا اور فرمان الٰہی ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے۔"[3]

☆اور علامہ طبرسی نے کہا ہے: "﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ یعنی دو میں سے ایک۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: ﴿ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾[المائدۃ: ۷۳] اور یہ دو حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔"[1]

تمام امامیہ علماء نے اس آیت کی تفسیر میں ایسے ہی کہا ہے۔[2]

مسئلہ فدک

فدک سرزمین حجاز میں ایک گاؤں ہے جہاں پر یہودی رہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے فارغ ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے فدک کی زمینوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی۔ یہ زمینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت قرار پائیں کیونکہ بغیر جنگ کے حاصل ہوئی تھیں۔

اراضی فدک کا معاملہ دو امور سے خالی نہیں۔ یا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میراث میں ملے گی۔ یا پھر یہ وہ ہبہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ جہاں تک وراثت کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت بخاری و مسلم کی روایات میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے والد کی میراث طلب کرنے کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، وہ فدک اور خیبر کے حصہ کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "ہم وراثت نہیں چھوڑتے، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔"[3]

اور مسند احمد کی روایت میں ہے: "بے شک ہم انبیاء کی جماعت وراثت نہیں چھوڑتے۔"[4]

یہ حدیث روایت کرنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ امہات المومنین، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عثمان، عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں کچھ اور خیال تھا، اس لیے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا:

ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں...."

یہ حدیث عروہ بن زبیر نے سعد بن ابراہیم سے روایت کی ہے، نہ کہ اس کے بیٹے ہشام نے لیکن اس تنقید نگار نے جان بوجھ کر حدیث کے اس پہلو سے چشم پوشی کی ہے، اس لیے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک راوی میں بھی کسی بھی لحاظ سے کوئی طعن وارد نہیں ہوتا۔

ثالثاً:.... روایات عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ

صحيح البخاری:عن أحمد بن يونس، عن زائدة، عن موسىٰ بن ابی عائشة، عن عبيداللّٰہ بن عبد اللّٰہ بن عتبة، عن عائشة۔

مسلم: عن أحمد بن عبداللّٰہ بن يونس، عن زائدة، عن موسىٰ بن ابی عائشة، عن عبيداللّٰہ بن عبداللّٰہ، عن عائشة۔.... الخ

النسائی:عن محمود بن غيلان، عن ابي داوٗد، عن شعبة، عن موسىٰ بن ابی عائشة، عن عبيد اللّٰہ بن عبداللّٰہ بن عتبة، عن عائشة۔.... الخ

النسائی:عن العباس بن عبد العظيم العنبري عن عبد الرحمن بن مهدي، عن زائدة، عن موسىٰ بن ابی عائشة، عن عبيداللّٰہ بن عبد اللّٰہ بن عتبة، عن عائشة.... الخ

الامام احمد: عن عبداللّٰہ، عن أبيه، عن عبد الأعلى، عن معمر ، عن الزهري، عن عبيد اللّٰہ بن عبد اللّٰہ بن عتبة، عن عائشة۔.... الخ

تنقید نگار کہتا ہے :امام بخاری مسلم اور نسائی کی سند میں عبید اللہ سے روایت کرنے والا موسیٰ بن ابی عائشہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا ہے: میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہہ رہے تھے: موسیٰ بن ابی عائشہ کی عبید اللہ بن عبد اللہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی روایت مجھے شک میں مبتلا کرتی ہے۔ اس کے لیے اس نے تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا ہے۔[1]

اس عبارت کے بعد وہ لکھتا ہے: میں کہتا ہوں ابو حاتم کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس حدیث میں مضطرب ہے۔ یہ کلام نقاد کی جاہلانہ سرکشی ہے۔ وگرنہ یہ حدیث صحیح ہے۔

بلکہ تہذیب التہذیب کی اصل تہذیب الکمال کے مصنف کا یہ کہنا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ موسیٰ بن ابی عائشہ کی عبید اللہ بن عبد اللہ سے مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت مجھے شک میں ڈالتی ہے۔ میں نے کہا: آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا:

وہ صالح الحدیث ہے۔ میں نے کہا: کیا اس کی حدیث کو حجت بنایا جاسکتا ہے؟ تو فرمایا: اس کی احادیث لکھی جائیں۔" [1]

اس تنقید نگار کو ان نصوص سے کہاں کا واسطہ؟ مزید بر آں یہ کہ ابو حاتم کی جرح موسیٰ بن ابی عائشہ کی عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت میں اس حدیث میں اضطراب کی وجہ سے تھی اور اس طعنہ گر نے یہ سمجھا کہ اس واقعہ کو بیان کرنے میں احادیث میں تعارض اور ٹکراؤ ہے۔ پھر پورے اعتماد سے کہتا ہے: زہری کے بارے میں آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ اس پر تو مزید کسی رد کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان پانچوں اسانید میں کوئی طعن نہیں انھیں بھی صحیح احادیث کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ وللہ الحمد۔

رابعاً: ....روایات مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

نسائی: عن محمد بن المثنی، عن بکر بن عیسی صاحب البصری عن شعبة، عن نعیم بن ابی ہند عن ابی وائل، عن مسروق، عن عائشة۔ .... الخ

احمد: عن عبداللّٰہ، عن ابیه، عن بکر بن عیسی عن شعبة بن الحجاج، عن نعیم بن ابی ہند عن ابی وائل، عن مسروق، عن عائشة۔ .... الخ

احمد: عن عبداللّٰہ عن ابیه عن شبابة بن سوار ؛ عن شعبة عن نعیم بن ابی ہند ؛ عن ابی وائل عن مسروق عن عائشة۔ .... الخ

تنقید نگار حضرت ابو وائل رحمہ اللہ کی سند پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے: ابو وائل اس کا نام شقیق بن سلمہ ہے وہ مسروق سے روایت کرتا ہے عاصم بن بہدلہ کہتا ہے ابو وائل سے پوچھا گیا کہ تمہارے نزدیک زیادہ محبوب کون ہے عثمان یا علی؟ تو کہنے لگا: مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ زیادہ محبوب تھے، مگر پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محبوب ہو گئے۔ تنقید نگار کہتا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں اس لیے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ پھر اپنی طعنہ زنی کو جاری رکھتے ہوئے نعیم بن ابی ہند کی وجہ سے اسناد پر طعنہ زنی کی ہے۔

ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ نعیم بن ابی ہند ثقہ راوی ہے۔ اس پر ناصبی ہونے کا الزام تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ ساتھ کئی ایک شیعہ راویوں کا تعارف بھی کرایا تھا، جیسا کہ حسن بن محمد بن سماعۃ، احمد بن الحسن بن اسماعیل بن شعیب بن میثم التمار، صفوان بن یحیٰی، ادریس بن الفضل، سلیمان الخولانی، اسحق بن جریر بجلی الکوفی، جعفر بن محمد بن سماعۃ، وحسین بن ابی سعید، ہشام بن حیان المکاری، حسین بن المختار القلانسی اور دیگر بہت سارے ایسے راوی ہیں جنھوں نے علی الرضا سے دشمنی میں ناصبیت کا مظاہرہ کیا اور ظلم و جبر اور جھوٹ سے امام کاظم کے مال کو اپنے لیے حلال کر لیا مگر اس کے باوجود یہ لوگ اجلہ ثقہ راوی ہیں، اور ان کی روایات ان کے ہاں معتبر مانی جاتی ہیں۔ پھر اس نے شبابہ بن سوار پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مرجئ تھا اور عقیدہ ارجاء کی دعوت دیتا تھا۔

یہ اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کا قول ہے۔ جب کہ اس کی روایات ثبت ہوتی ہیں۔ لیکن انہیں علی الاطلاق قبول نہیں کیا جاتا۔ یحیٰی بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شبابہ رحمہ اللہ شعبہ سے روایت کرنے میں ثقہ ہے۔ جیسا کہ اس تنقید نگار نے بھی کہا ہے کہ امام یحیٰی بن معین امام بخاری و مسلم رحمہم اللہ کے استاذ اور جرح و تعدیل کے امام ہیں اور ان کے علم حدیث کے سب سے بڑا عالم ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ ان کی وفات ۲۰۳ ہجری میں ہوئی۔[1]

خامساً: ....روایت حمزۃ بن عبداللہ بن عمر

صحیح البخاری: عن أحمد بن یونس، عن زائدۃ، عن موسیٰ بن ابی عائشۃ، عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ، عن عائشۃ.... الخ

اس سے اس تنقید نگار نے صَرفِ نظر کیا ہے کیونکہ اسے تنقید کے لیے کوئی بات نہیں ملی۔[الرد علی الجانی علی المیلانی۔]

[1]تذکرۃ الحفاظ: ۲؍۴۲۹۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اپنے خلاف گواہی

ایک معترض کہتا ہے: جیسا کہ تاریخ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک پرندہ درخت پر دیکھا تو کہا اے پرندے! تجھے مبارک ہو، پھل کھاتے ہو اور درختوں پر پڑتے ہو، نہ ہی تیرا کوئی حساب ہو گا نہ ہی عقاب۔ مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں راستہ کے ایک کنارے پر ایک درخت ہوتا، تو میرے پاس سے گزرنے والا اونٹ مجھے کھالیتا اور مینگنی کی صورت میں نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا.... ''

ایک بار یہ بھی کہا ہے کہ اے کاش! مجھے میری ماں جنم نہ دیتی۔

ہائے میرے لیے افسوس کہ میں ایک اینٹ ہوتا.... ''

علمائے کرام کا اس پر ردّ

اگر ہم بطور مناظرہ تسلیم بھی کر لیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ کچھ کہا بھی ہو، تو ان کا ایسا کہنا ان کی ایمانی قوت اور اللہ تعالیٰ کے خوف پر دلالت کرتا ہے۔ یہ آپ کے ایمان پر قدح کا موجب نہیں، صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ:

'' بنی اسرائیل میں ایک آدمی نے اپنی اولاد کو وصیت کی، اور کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے آگ سے جلا دینا۔ پھر جب میں راکھ بن جاؤں تو مجھے پیس کر باریک لینا پھر میرا آدھا حصہ آندھیوں کی نذر کر دینا، آدھا صحراء میں بکھیر دینا، اور آدھا سمندر میں ڈال دینا۔ اس نے کبھی نیکی کا کوئی کام نہیں کیا تھا .... اس نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قدرت پالی تو مجھے وہ عذاب دے گا جو اس نے تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا ہو گا۔[[جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ اس کی اولاد نے ایسے ہی کیا جیسے اس نے وصیت کی تھی۔ جب اسے بکھیر دیا گیا]] تو اللہ تعالیٰ نے خشکی سے کہا کہ اس کے اجزاء جمع کرو۔ سمندر سے کہا: جو تمارے اندر ہیں اس کے اجزاء جمع کرو۔ پس اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لا کھڑا کیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: کس چیز نے تجھے اس بات پر برانگیختہ کیا کہ تم اپنی اولاد کو یہ نصیحت کرو کہ وہ تمارے ساتھ یہ سلوک کریں؟ اس نے کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! تیرے خوف نے مجھے اس بات پر برانگیختہ کیا تھا۔ تو اللہ جل جلالہ نے اس کے گناہ معاف کر دیے۔'' [1]

جب اس انسان کے قدرت الٰہی میں دوبارہ بعثت پر شک کے باوجود ایسا ہوا کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ایسے کیا تو اس کی مغفرت کر دی گئی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف مغفرت کے بڑے اسباب میں سے ہے، یہ بھی اس وقت ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ایسا کرنا گناہ کے کاموں میں سے تھا۔ اس طرح کا کلام کئی ایک صحابہ سے وارد ہوا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''ہائے افسوس کہ جب انسان مر جائے تو اسے دوبارہ نہ اٹھایا جائے۔ اس سے مراد وہ اپنی ذات کو لیتے تھے۔''

بخاری میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔''

میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے اور سناؤں میں؟

فرمایا: '' ہاں! مجھ کو دوسرے کی زبان سے سننا اچھا معلوم ہوتا ہے۔''

تو میں نے سورت نساء کی تلاوت شروع کی اور جس وقت اس آیت پر پہنچا ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴾ [النساء :۴۱]

''، پس کیا حال ہو گا کہ جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر گواہ بنائیں گے۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو گئی آنسو گرنے لگے اور فرمایا: '' بس کرو۔'' [1]

کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور یہ آپ کی ایمانی قوت کی بھی دلیل ہے۔ یہ حضرت مریم ہیں، کہ ان کی بات بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کلام کی طرح تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے، جب انہوں نے کہا:

﴿يَالَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا﴾ [مریم:۲۳]

"کہنے لگی: اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نسیا منسیا کا معنی یہ ہے کہ مجھے پیدا ہی نہ کیا گیا ہوتا اور میں کوئی چیز ہی نہ ہوتی۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی نا قابل تذکرہ اور غیر معروف ہوتی۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس سے مراد گرا ہوا بچہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جنگ جمل سے واپسی پر آپ فرمایا کرتے تھے: " اے حسن! اے حسن! تیرے باپ کا یہ خیال نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا اور تیرے باپ کو یہ بات پسند تھی کہ وہ اس دن سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔"

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔"[2]

تو کیا یہ تمام حضرات اس طرح کی باتیں کہنے کی وجہ سے قابل مذمت ٹھہرتے ہیں؟ اگر ان حضرات پر کوئی قدح نہیں کی جا سکتی تو پھر صرف حضرات شیخین پر ہی اس کلام کی وجہ سے قدح کیوں؟

پھر یہ تنقید نگار اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس کے مومن بندوں کو خوشخبری سناتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [یونس:۶۲]

"آگاہ رہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔"

اس کے علاوہ دیگر آیات بھی اس باب میں ذکر کی ہیں، پھر کہا ہے: تو پھر شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کیسے تمنا کرتے ہیں کہ ان بشر میں سے نہ بنیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات پر ترجیح دی ہے۔

اس پر ردّ:

۱۔ یہ آیات انسان کے اپنے رب سے خوف کے منافی نہیں ہیں ہم اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ سے اللہ تعالیٰ ک خوف ثابت کر چکے ہیں۔

۲۔ سورت یونس کی اس آیت کے بارے میں ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اولیا اللہ وہ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ویقین ہو، جن کا ظاہر تقوی اور پرہیز گاری میں ڈوبا ہوا ہو، جتنا تقوی ہو گا اتنی ہی ولایت ہو گی۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ سے جتنا زیادہ ڈرنے والا ہو گا وہ اتنا ہی بڑا اللہ تعالیٰ کا ولی ہو گا۔ ایسے لوگ محض نڈر اور بے خوف ہیں قیامت کے دن کی وحشت ان سے دور ہو گی، وہ کبھی غم ورنج سے آشنا نہ ہوں گے۔ دنیا میں جو چھوٹ جائے اس پر انہیں حسرت وافسوس نہیں ہوتا۔'' [1]

پس اس آیت میں وارد خوف آخرت کا خوف ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ سے اس دنیا میں ڈرا کرتے تھے نہ کہ آخرت میں۔ ولا ہم یحزنون سے مراد ماورائے دنیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کا خوف خود دلالت کرتا ہے کہ یہ خوف انہیں دنیا میں تھا۔ یہی حال دیگر تمام آیات کا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان آیات سے استدلال کرنے والا ان کی تطبیق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر نہیں کر سکا۔

اعتراض:.... پھر یہ تنقید نگار کہتا ہے: ''جب ایک عام راہ راست پر چلنے والے مومن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اسے جنت میں اس کے ٹھکانہ کی خبر دیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اپنے پیچھے چھوڑ کر جانے والی دنیا پر غمگین ہوتا ہے اور اسے آخرت میں پہنچنے سے قبل دنیا کی زندگی میں ہی خوشخبری مل جاتی ہے، تو ان بڑے صحابہ لوگوں کا کیا حال ہو گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق سے بہترین لوگ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ وہ تمنا کرتے ہیں کہ وہ ایک ٹہنی ہوتے ایک مینگنی ہوتے، ایک بال، یا ایک اینٹ ہوتے۔ اگر ان لوگوں کو ملائکہ نے خوشخبری دی ہوتی تو وہ ہر گز یہ تمنا نہیں کرتے کہ اگر وہ زمین بھر کر سونا فدیہ میں دے دیں تاکہ اس کی ملاقات سے پہلے اس کے عذاب سے بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴾ [یونس: ۵۴]

''اور اگر ظالموں کیلئے زمین کا سب کچھ ہوتا تو وہ اسے فدیہ میں دے دیتے اور وہ پشیمانی کو چھپائیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان عدل کیساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ () وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴾ [الزمر: ۴۷-۴۸]

"اور اگر ظالموں کیلئے زمین کا سب کچھ ہوتا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی تو یہ سب روزِ قیامت کے بڑے عذاب سے چھڑانے میں دے دیتے اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں بھی نہ تھی اور ان کے برے کرتوت ان پر ظاہر ہوں گے اور انھیں وہ چیز گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے۔" بے شک میری یہ دلی تمنا ہے کہ یہ آیات حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے بڑے صحابہ کو شامل نہ ہوں۔ ردّ :.... ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن عذاب کی خبر ہے جب کوئی ندامت یا توبہ فائدہ نہ دے گی۔ یہ دنیا کے بارے میں نہیں ہے۔ ہر عقل مند انسان اس دنیا میں انسان کے اپنے رب سے خوف اور آخرت میں اس کے خوف کے درمیان فرق جانتا ہے۔

صدوق جس کا شمار کبار علماء امامیہ میں ہوتا ہے، اس نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

" اور مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کروں گا اور نہ ہی دو امن جمع کروں گا۔ جب وہ دنیا میں مجھ سے امن میں رہے گا، تو آخرت میں وہ خوف اٹھائے گا اور اگر وہ دنیا میں میرا خوف کرے گا تو اسے بروز قیامت امن دوں گا۔"[1]

اعتراض: .... ان ہی طعنوں میں سے ایک موطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت سے ان کا استدلال ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے شہیدوں کے لئے فرمایا:

"یہ وہ لوگ ہیں جن کا میں گواہ ہوں۔"

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں؟ ہم ویسے ہی مسلمان ہوئے جیسے وہ مسلمان ہوئے اور ہم نے بھی ویسے ہی جہاد کیا جیسے انہوں نے جہاد کیا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" ہاں! مگر مجھے معلوم نہیں کہ بعد میرے کیا کروگے۔" تو ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا:" کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہیں گے۔"[1]

ردّ :.... یہ حدیث مرسل اور منقطع ہے۔ موطا کے تمام راویوں کے ہاں اس کا یہی حال ہے اور اس حدیث کی شرح یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ((ہٰؤُلَاءِ اَشْهَدُ عَلَيْهِمْ)) میں ان لوگوں کے حق میں گواہی دوں گا۔ یعنی ان کے ایمان اور فی سبیل اللہ قربانیوں کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں؟ ہم بھی ویسے ہی اسلام لائے جیسے وہ اسلام لائے اور ہم نے بھی ایسے ہی جہاد کیا جیسے انہوں نے جہاد کیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، ضرور۔ یعنی تم بھی ان کی طرح مسلمان ہو، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہو، لیکن یہ علم نہیں کہ اس کے بعد تم کیا کروگے؟ یعنی مجھے یہ علم نہیں کہ میری وفات کے بعد تم لوگ کیا کروگے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ نے جمع کے صیغہ میں سوال کیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی صیغہ میں جواب دیا تھا۔ یعنی آپ کو علم نہیں کہ آپ کے بعد کیا ہوگا؟ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم الغیب نہیں جانتے تھے۔ یعنی جو کچھ مستقبل میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہو گا سوائے ان امور کے جن کی

خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دی تھی، آپ نہیں جانتے تھے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اس لیے کہ آپ کو یہ پتا چل گیا تھا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب انہیں داغِ مفارق دے جائیں گے۔ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے پوچھا تھا: کیا ہم آپ کے بعد ہوں گے؟ یعنی کیا ہم آپ کے بعد بھی زندہ رہیں گے؟ اور یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ آپ اس لیے نہیں روئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے امور ایجاد ہوں گے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق

ایک تنقید نگار کہتا ہے: .... میں نے اپنے آپ کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ میں اس بحث میں صرف اس روایت پر اعتماد کروں گا جو فریقین کے ہاں ثقہ ہو گی اور وہ روایت ترک کر دوں گا جو کسی ایک فریق کے ہاں منفرد ہو گی۔ پس اس سوچ کی بنیاد پر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے میں سوچنا شروع کیا کہ خلافت یا تو نص کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھی جیسا کہ شیعہ کا دعویٰ ہے یا پھر اس کا حصول انتخاب اور شوری کے ذریعے ممکن تھا، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا دعویٰ ہے .... الخ نیز وہ کہتا ہے: .... اس موضوع میں تحقیق کرنے والا جب صرف حقیقت کا متلاشی ہو گا تو وہ دیکھے گا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں وضاح اور جلی نصوص موجود ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی'' من کنت مولاہ فعلي مولاہ۔'''' جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے'' یہ جملہ آپ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر ارشاد فرمایا۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارک دینے کے لیے ایک سٹیج تیار کیا گیا اور ان مبارک دینے والوں میں خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ دونوں یوں کہہ رہے تھے: اے ابن ابو طالب! آپ کو مبارک ہو، آپ مومن مرد اور مومن عورت کے مولی قرار پائے ہیں۔ یہ ایسی نص ہے جس پر شیعہ اور اہل سنت کا اجماع ہے اور میں نے اس بحث میں صرف اہل سنت والجماعت کے مصادر پر اکتفا کیا ہے۔

علمائے کرام کا اس پر ردّ

☆ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ آپ کی خلافت نص سے ثابت ہے، خواہ اسے نص جلی تسلیم کیا جائے یا نص خفی۔ جبکہ اہل سنت کی ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ آپ کی خلافت کا انعقاد اہل حل و عقد کی بیعت سے ہوا تھا۔ فریق اول نے وجود نص پر قوی دلائل پیش کیے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں حق اہل سنت والجماعت سے باہر نہیں ہے۔

☆ تنقید نگار کا یہ کہنا کہ شیعہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نص کا دعویٰ کرتے ہیں او اس سلسلہ میں کئی احادیث پر اعتماد کرتے ہیں یہ دعوی محل نظر ہے جبکہ دوسری جانب سے اگر فرض کریں کہ خلافت کے بارے میں وجود نص کا عقیدہ برحق ہے تو پھر بھی یہ شیعہ کے دعوی کی دلیل نہیں

ہے۔اس لیے کہ شیعہ کا فرقہ راوندیہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قائل ہے۔وہ ایسی ثابت نص کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعویٰ کرتے ہیں جیسے شیعہ اثنی عشریہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں نصوص کے دعوے دار ہیں۔

حقیقتِ دعوی :.... " من کنت مولاه فعلي مولاه۔""" جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔"

ردّ : .... اہل علم کا اس حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض اہل علم نے اسے ضعیف کہا ہے اور بعض نے حسن۔یہ دعوی کرنا کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص جلی ہے.... الخ۔

ردّ : ....ہم کہتے ہیں خود یہ روایت ایسی کسی بھی نص کے وجود کے خلاف بہت بڑی دلیل ہے اس لیے کہ یہ نص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر سامنے آئی اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ حجۃ الوداع سے واپس تمام لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ نہیں پلٹے تھے۔بلکہ آپ کے ساتھ صرف اہل مدینہ ہی تھے۔اور جو کچھ شیعہ کا دعویٰ ہے؛اگر واقعی ایسے ہی ہوتا تو آپ حجۃ الوداع کے موقع پر اس کا اعلان کرتے،کیونکہ اس وقت تمام مسلمان جمع تھے (یوں سبھی لوگوں کو اطلاع ہو جاتی) مگر حج کے موقع پر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی بات کا ذکر تک نہیں کیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں نہ ہی وحی اتری اور نہ ہی کوئی نصوص پائی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے دین میں ایسی کوئی چیز نہیں اور نہ ہی اس کی تبلیغ کا حکم دیا گیالہٰذا یہ روایت آپ کی خلافت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔چہ جائیکہ اسے واضح اور جلی کہا جائے۔ ۳۔جہاں تک مولاہ کلمہ کا تعلق ہے،تو اس سے مراد خلافت ہر گز نہیں اور مولیٰ کے متعدد معانی ہونے کے باوجود یہ لفظ اس معنی پر دلالت بھی نہیں کرتا۔مختار الصحاح میں رازی نے کہا ہے: المولی سے مراد، آزاد کردہ، آزاد کرنے والا، ناصر و مددگار اور حلیف اور چچازاد ہوتے ہیں۔موالات کی ضد معادات آئی ہے اور ولایت (واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ) سلطان اور حاکم کا معنی دیتی ہے۔ولایت واؤ کے نیچے زیر اور اوپر زبر کے ساتھ پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔[1]

فیروز آبادی نے کہا ہے: اَلْوَلِیُّ قربت اور نزدیکی کے معنی میں آتا ہے،اسی سے "الولی" آتا ہے جو کہ دوست اور مددگار کا معنی دیتا ہے: ولی الشیءوعلیہ ولایۃوولایۃ کسرہ کے ساتھ یہ مصدر ہے جو کہ امارت،خطہ اور سلطان کے معنی میں آتا ہے۔مولی مالک کو بھی کہتے ہیں اور غلام کو بھی۔آزاد کردہ غلام کو بھی اور آزاد کرنے والے کو بھی۔دوست اور بیٹے کو بھی۔چچا کو اور مہمان کو بھی اور شریک کو بھی اور بھانجے کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے اور الولی رب،ناصر، منعم اور منعم علیہ،محب،تابع اور سسرالیوں کو کہا جاتا ہے۔"[1]

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ مولی،نصرت کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی آتا ہے،جیسا کہ سابقہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے۔اب اس معنی کو صرف سلطان کے ساتھ خاص کرنا دلیل واضح کا محتاج ہے۔مزید بر آں یہ کہ مولی کو والی کے معنی پر محمول کرنا بہت مشکل ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس کلام میں کوئی ایسی واضح چیز نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس سے مراد خلافت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ مولی بھی ولی کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ [المائدۃ: ۵۵]

"تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ [التحریم: ۴]

"تم دونوں اگر اللہ کی طرف رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں اور اگر ان پر زور باندھو تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے، اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔" پس اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے ولی ہیں او مومنین آپ سے محبت کرنے والے، آپ کے تابعدار اور دوست ہیں۔ جیسا کہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ولی اور دوست ہیں اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے محب، تابعدار اور دوست ہیں اور اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

پس موالات معادات کی ضد ہے یعنی دوستی دشمنی کا الٹ ہے۔ یہ دونوں اطراف سے ہوتی ہے۔ بھلے ان میں سے ایک فریق قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت بڑا ہو اور اس کی طرف سے دوستی احسان اور مہربانی ہو اور دوسرے کی طرف سے اطاعت اور عبادت گزاری ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت کرتے ہیں اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ اسی لیے کہ دوستی، دشمنی جنگ اور دھوکا بازی کا الٹ معنی دیتی ہے۔ کفار اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتے وہ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان اور ان کے دشمن ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب و موجب

اس میں کوئی اختلاف والی بات نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے، آپ وہاں سے تشریف لائے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اور آپ کے ساتھ حج کیا۔ یمن میں آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے درمیان کئی امور پیش آئے جن کی وضاحت ان روایات سے ہوتی ہے: ا۔ عمرو بن شماس اسلمی نے روایت کیا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ یمن میں تھا۔ بعض ترش رو لوگوں نے آپ کے ساتھ جفاکاری کا مظاہرہ کیا یہ بات آپ نے دل میں محسوس کی۔ جب مدینہ تشریف لائے تو اپنے ملنے والوں سے اس کی شکایت کی۔ ایک دن آپ تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ

عنہ کی طرف دیکھا، حتیٰ کہ وہ آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو بن شاس! تم نے مجھے اذیت دی ہے۔ میں نے کہا: إِنَّا لِلَّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ میں اللہ تعالیٰ کی اور اسلام کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔[1]

حضرت باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن مبعوث فرمایا اور پھر وہاں پر آپ کے ایک فیصلے کا قصہ سنایا، جس میں آپ نے کسی مقتول کا خون رائیگاں قرار دیا تھا مقتول کے ورثاء یمن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ان کی بابت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی شکایت کرتے ہوئے کہنے لگے: "

بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہم پر ظلم کیا ہے اور ہمارے آدمی کا خون رائیگاں قرار دیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" بے شک علی ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔"[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن خط بھیجا کہ وہ بھی حج کی تیاری کریں۔ تو آپ اس لشکر کے ہمراہ نکلے جو آپ کے ساتھ یمن میں تھا۔ آپ کے ساتھ وہ زیور بھی تھا جو اہل نجران سے وصول کیا تھا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو آپ نے لشکر پر ایک آدمی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لشکر کی طرف لوٹ جانے کا حکم دیا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں نے وہ زیور پہن رکھا ہے جو ان کے پاس تھا۔ آپ نے اس بات کا انکار کیا اور وہ زیور ان سے واپس لے لیا۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے اپنے دلوں میں کچھ تنگی محسوس کی۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو کثرت کے ساتھ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شکایات کرنے لگے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ اپنی زبانوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روک لو، بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں سخت ہیں۔ اپنے دین میں مداہنت کرنے والے نہیں۔[1]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا جس کے امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ اس سریہ میں چلتے رہے۔ آپ اس سریہ میں ایک باندی تک پہنچ گئے۔ لوگوں نے اس بات کا انکار کیا۔ ان میں سے چار اصحاب نے عہد کیا کہ جب ہماری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گی تو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل کے بارے میں بتائیں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چاروں کی شکایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روگردانی اور اس فرمان کا ذکر کیا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ وَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔[2] اس سے صورت حال واضح ہو گئی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:" ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں مبعوث فرمایا۔ جب ہم واپس آئے تو آپ نے پوچھا: تم نے اپنے ساتھیوں کو کیسا پایا؟ کہا میں نے شکایت کی یا میرے علاوہ کسی دوسرے نے شکایت کی۔ فرماتے ہیں: میں سر جھکائے

ہوئے تھا۔ جب میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور سرخ ہو گیا تھا اور آپ فرما رہے تھے: ((مَنْ كُنْتُ وَلِيُّهُ فَعَلِيٌّ وَلِيُّهُ)) ''جس کا میں دوست ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے دوست ہیں۔'' [3]

آپ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن میں ایک غزوہ پر تھے۔ میں نے آپ میں کچھ سختی دیکھی جب ہم واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو میں نے کچھ کوتاہی کے ساتھ شکایت کی۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا تھا۔

آپ نے فرمایا: اے بریدہ! کیا میں مومنین کو ان کی جانوں سے بڑھ کر عزیز نہیں ہوں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ضرور۔ تو آپ نے فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی یمن میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر کچھ سختی کی، اس نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی شکایت کروں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے تو آپ نے حضرت علی کے بارے میں پوچھا، اس نے برائی بیان کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے بطور خاص رسالت کے لیے چنا ہے کہ جو کچھ تم علی بن ابی طالب کے بارے میں کہتے ہو کیا یہ ناراضی کی وجہ سے کہتے ہو؟ اس نے کہا: ''ہاں اے اللہ کے رسول! '' تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اہل ایمان کو ان کی جانوں سے بڑھ کر محبوب ہوں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، ضرور۔

تو آپ نے فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ [2] [1]البحار: ۱۸۷/۳۷۔ الطرائف: ۳۵۔ العمدۃ: ۴۵۔ [2] امالی للطوسی: ۶۱۰۔ بحار: ۸۳۸/۳۳۔

یہ روایات دلالت کرتی ہیں کہ اس قول کا سبب وہ تھا جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ لوگ آپ کے بارے میں شکوہ کر رہے تھے اور اس سے مراد وصیت ہر گز نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ آپ نے یہ کلمات اس وقت ارشاد فرمائے جب تمام حجاج متفرق ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ امامیہ نے اپنی کتابوں میں یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ غدیر سے کئی برس قبل بھی متعدد بار ارشاد فرما چکے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غدیر خم کے موقع پر یہ جملہ دوبارہ ارشاد فرمانے میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے، جو پہلے فرمائے گئے مواقع سے مختلف ہو۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غدیر کے موقعہ پر یہ ارشاد فرمایا تو آپ کے ساتھ کثیر تعداد میں وہ لوگ موجود تھے جو آپ کے ہمراہ حج کے لیے نکلے تھے اور یمن سے واپس آنے والے بار بار علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکوہ کر رہے تھے۔ اس سے کچھ لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے لیے تھا۔ ایسے ہی ایک روایت مواخاۃ والے دن کی بھی ہے۔ جیسا کہ ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ آپ روتے ہوئے اپنے گھر چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیج کر انھیں بلایا۔ انہوں نے جا کر کہا: اے علی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ تو حضرت علی

رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہیں؟ اے ابو الحسن؟ تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخاۃ قائم کی، میں کھڑا آپ کو دیکھ رہا تھا اور آپ کو میرا پتا تھا لیکن آپ نے کسی کو میرا بھائی نہیں بنایا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے۔ کیا تجھے اس بات کی خوشی نہیں ہو گی کہ تم ایک نبی کے بھائی بنو؟ انہوں نے عرض کی: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! لیکن میرا اتنا نصیب کہاں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر چڑھایا اور ارشاد فرمایا: اے اللہ! یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ آگاہ ہو جاؤ، اس کا مقام میرے ساتھ ایسے ہے جیسے ہارون علیہ السلام کا مقام حضرت موسیٰ کے ساتھ۔ آگاہ ہو جاؤ، جس کا میں دوست ہوں اس کا علی بھی دوست ہے۔[1]

مواخات کا واقعہ شروع ایام ہجرت کا ہے۔ اس طرح کا ایک واقعہ انگوٹھی والے دن کا بھی ہے۔ زید بن الحسن اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: میں نے سنا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے: حضرت علی بن ابی طالب کے سامنے ایک سائل آکر کھڑا ہو گیا۔ آپ اس وقت نفل نماز کے رکوع میں تھے۔ آپ نے انگوٹھی اتار کر اس سائل کو دے دی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ [المائدۃ: ۵۵]

"تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔"
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر ہمیں سنائی، پھر فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔[2]

ایک روایت حدیث الطیر والی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: "یا اللہ! اس پرندے کا گوشت کھانے کیلئے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں میں سے عزیز تر ہو۔" جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ)) [1]

ان مقامات کا ذکر امامیہ نے کیا ہے اور کہا ہے ان مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ .... اور یہی بات آپ نے غدیر خم کے موقع پر بھی ارشاد فرمائی تھی۔ ہمارے مذکورہ بالا زیر بحث دلائل اگر امامت کے دلائل ہیں تو سابقہ نصوص باطل ٹھہریں اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو پھر غدیر خم میں نئی بات کون سی پیش آئی ہے؟ اس موقع پر مجھے صدوق کا قول یاد آرہا ہے، وہ حدیث غدیر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:

"ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں کو کیوں جمع کیا گیا؟ کہ آپ ان میں خطبہ دے رہے ہیں اور اس کی شان کی عظمت یاد دلا رہے ہیں۔ پس یہ ایسی چیز ہے جس کی بابت یہ جائز نہیں کہ ان لوگوں کو پہلے سے اس کا علم ہو اور آپ مکرر ارشاد فرمارہے ہوں اور نہ ہی کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جو انھیں اپنے معانی کے اعتبار سے کوئی فائدہ نہ دے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا عابث کی صفت ہے اور عبث کا کام کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منفی ہے۔"[2]

یہ اہل تشیع کے ایک بڑے عالم صدوق کا اعتراف ہے کہ غدیر سے پہلے جو کچھ پیش آیا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی کوئی نص موجود نہیں۔ اس لیے جائز نہیں کہ کسی چیز کا صحابہ کو علم ہو اور پھر بار بار انھیں وہی حکم دیا جائے۔ یہ تمام احتمالات ہمارے ذکر کردہ قواعد کے مطابق بہت بعید ہیں۔ اب ہم اس مسئلہ پر گفت وشنید کرتے ہیں کہ اس کا صحیح استدلال کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاه.... الخ حدیث کے اس جز پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ ہم نے اس استدلال کے مقدم کے شروع میں بیان کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ موالاۃ اور اس کے مشتقات کا ذکر قرآن میں بیسیوں بار آیا ہے اور ایسے سنت شریفہ میں بھی اس کا ورود ہوا ہے۔ یہ تمام الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ موالات کا معنی کئی مشترکہ معانی پر محمول ہے ان کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے اور ان کا تذکرہ آپ کے سامنے گزر چکا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں سے بہت سارے الفاظ ہماری گفتگو پر صادق نہیں آتے۔ لیکن اس معنی کے اعتبار سے قریب ترین مدلول کا لفظ (موالاۃ) ہے جو کہ معاداۃ اور محاربۃ ومخادعہ کی ضد ہے۔ اس کا معنی خلافت اور امارت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مَنْ كُنْتُ وَالِيْهِ فَعَلِيٌّ وَّالِيْهِ۔ یا اس کے ہم معنی اور قریب کا کوئی دوسرا جملہ ارشاد نہیں فرمایا۔ اب مولیٰ کو والی کے معنی میں لینا باطل ہے۔ اس لیے کہ ولایت دونوں اطراف سے ثابت ہوتی ہے۔

بے شک مومنین اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور وہ ان کا دوست ہے اس میں میرے بعد کی کوئی قید نہیں۔ بلکہ سیاق کلام دونوں طرف سے برابر کی تمام اوقات میں دوستی اور ہر لحاظ سے ہونا ہی زیادہ ظاہر ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عہد میں شریک ہونا ممتنع ہے یہ ایک کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس سے مراد محبت کا وجوب ہے اس لیے کہ دونوں طرف سے محبت ہونے میں کوئی ممانعت نہیں ہے بلکہ ان میں سے ایک دوسرے کو مستلزم ہے۔ بھلے وہ ان دونوں کی زندگی میں ہو یا وفات کے بعد۔ جبکہ دونوں کے بیک وقت تصرف میں کئی ایک محذورات ہیں جو کسی ایک پر بھی مخفی نہیں۔ یہ وضاحت ہمیں اس نظریہ وعقیدہ کی طرف لے جاتی ہے کہ اس جملہ سے مراد خطاب کے وقت میں امامت نہیں تھی۔ اس لیے کہ یہ عہد نبوت کی بات ہے۔ جبکہ امامت نیابت ہے جس کا تصور انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی ممکن ہے اور زمانہ خطاب میں یہ مراد نہیں۔ تو ایسا ممکن ہو سکتا ہے کسی متاخر زمانہ میں یہ مراد ہو۔ لیکن تاخیر کی کوئی حد متعین نہیں تو حضرت ابو بکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد کا وقت بھی ہو سکتا ہے تو اس صورت میں فریقین کے مابین اتفاق بھی ممکن ہے۔ لیکن موالاۃ جس کی ضد معاداۃ ہوتی ہے یہاں پر اس کا ذکر صرف حضرت علی کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ یہاں پر اس ذکر کی ایک خاص علت ہے اور ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ علت اور سبب لوگوں کے شکوے اور شکایات تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ علم ہو گیا تھا کہ آپ کے عہد میں کیا کیا اختلافات ہوں گے اور آپ کے زمانہ خلافت میں کتنا فساد پھیلے گا اور بغاوت ہو گی اور کچھ لوگ آپ کی خلافت کا نہ صرف انکار کریں گے بلکہ برسرپیکار جنگ ہوں گے حتیٰ کہ آپ نے اپنی موالات

اور نصرت پر حدیث غدیر خم سے استدلال کیا۔ یہ حدیث مکمل طور پر امام حسن عسکری کے قول سے موافقت رکھتی ہے۔ جب آپ سے پوچھا گیا (پوچھنے والا حسن بن طریف تھا) کہ حضرت امیر المومنین کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوۡلَاہ کا کیا معنی ہے ؟تو انھوں نے فرمایا:"اس سے مراد ایک نشانی مقرر کرنا تھا، تاکہ اس سے افتراق کے وقت حزب اللہ کا پتہ چل سکے۔"[1]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اہل شام کے لشکر سے کہتے ہیں:" کیا تم جانتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر مومن مرد اور عورت کے دوست ہیں؟تو انہوں نے کہا: ہاں۔"[2]

کیا انہوں نے اس سے یہ سمجھا تھا کہ آپ امام منصوص ہیں اور پھر بھی انہوں نے کسی دوسرے انسان کی بیعت کر لی تھی،اور آپ کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا؟ وغیرہ۔ امامیہ خود اپنی کتابوں میں ایسی نصوص لائے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ حدیث غدیر سے لوگ ہر گز یہ نہیں سمجھے تھے کہ آپ کی خلافت تمام اہل ایمان کے لیے عام ہے۔ وہ روایات یہ ہیں:

۱۔ ابو اسحٰق کہتے ہیں میں نے علی بن الحسین سے کہا: حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من کنت مولاہ.... الخ سے کیا مراد ہے؟[1]

۲۔ اور ابان بن تغلب سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "من کنت مولاہ.... الخ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: اے ابو سعید! کیا تم بھی اس جیسی باتوں کے متعلق پوچھتے ہو۔[2]

ابو تیہان کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ انصار نے کہا: آپ کو خلافت کے لیے متعین کیا تھا؟ اور بعض لوگوں نے کہا: نہیں آپ کو لوگوں کو تعلیم دینے کیلئے مقرر کیا تھا اور آپ ہر اس انسان کے دوست ہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی ہے۔[3]

اس کی تائید امام صادق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَنَا اَوۡلیٰ بِکُلِّ مُؤۡمِنٍ مِنۡ نَّفۡسِہٖ....))

"میں ہر مومن کو اس کی جان سے بڑھ کر محبوب ہوں اور میرے بعد علی محبوب ہیں۔" آپ سے پوچھا گیا: اس کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا: اس کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ:" جو کوئی مر جائے اور اس پر قرض یا تاوان ہو، تو وہ میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔"[4]

یہاں پر دیکھئے، الفاظ کی صراحت کے باوجود انہیں عمومی خلافت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز امام صادق رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ جب غدیر خم کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین کو کھڑا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ

السلام کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں کل صبح آسمان سے ایک ستارہ نازل کرنے والا ہوں، جس کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آجائے گی۔ اپنے صحابہ کو بتادیجیے، جس کے گھر پر وہ ستارا ٹوٹے گا، وہ آپ کے بعد خلیفہ ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتادیا، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ شاید یہ ستارا اس کے گھر میں گر جائے۔ بس کچھ دیر ہی گزری تھی کہ ستارا حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر آگرا۔" [1]

گویا کہ اس روایت کے گھڑنے والے کا مقصد یہ ہے ہمیں ان لوگوں کا کوئی پتا اور سمجھ نہیں ہے جو کہ غدیر خم میں موجود تھے۔ ہمیں ان کی تعداد کا بھی پتاہے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اور من کنت مولاہ.... الخ کا معنی بھی جانتے ہیں کہ اس کا معنی آپ کے بعد خلافت ہے۔ حتیٰ کہ لوگ انتظار میں رہے اور ۱۹ ذوالحجہ کو انہوں نے حضرت علی کے گھر پر ستارا گرتے ہوئے بھی دیکھ لیا اور جان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ اس باب میں روایات بہت زیادہ ہیں لیکن وہ ساری اس فہم کے عکس پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً دیکھیں: سالم سے روایت ہے، فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسا حسن سلوک کرتے ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کے ساتھ نہیں کرتے؟ تو انہوں نے جواب دیا: " وہ تو میرے آقا ہیں۔"

حضرت باقر سے روایت ہے، کہتے ہیں: دو اعرابی جھگڑا لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوالحسن! ان کے مابین فیصلہ فرمادیجیے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ تو جس کے خلاف فیصلہ دیا تھا وہ بولا: اے امیر المومنین! کیا یہ آدمی ہمارے مابین فیصلہ کرے گا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھلانگ لگائی اور اس کے گریبان اور بالوں سے پکڑ لیا اور فرمایا: تمہارے لیے بربادی ہو، تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ میرے مولی ہیں اور ہر مومن کے مولی ہیں اور جس کے آپ مولی نہیں ہیں، وہ مومن نہیں ہو سکتا۔" [2]

پس اب آپ اپنے آپ سے سوال کریں کہ کیا جس نے اعرابی کی طرف چھلانگ لگائی اس نے اس بات پر چھلانگ لگائی تھی کہ اعرابی نے صحیح شکایت کی تھی؟ شاید کہ اس تمام سے زیادہ بلیغ وہ ہے کہ جو کچھ اہل بیت سے نقل کیا گیا ہے اور کیا جو کچھ غدیر کے موقع پر پیش آیا، اہل بیت بھی اس سے وہی کچھ سمجھے تھے جس کا دعویٰ آج کل یہ لوگ کر رہے ہیں؟

مانعین زکوٰۃ سے جنگ

شبہ:.... حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مانعین زکوٰۃ سے جنگ سنت کے خلاف ورزی تھی۔

انہی شبہات میں سے ایک شبہ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کر کے سنت کی مخالفت کی تھی اور اس مسئلہ پر آپ کے قریب ترین ساتھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا اختلاف بھی ہوا تھا۔ جب انہوں نے کہا: " آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ

لا إلہ إلا اللہ کہیں جب وہ یہ کلمہ کہہ دیں تو مجھ سے اپنا جان ومال بچالیں گے مگر اس کے حق کے عوض اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔"لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نہ مانے اور فرمایا:" واللہ! میں ان لوگوں سے ضرور جہاد کروں گا جو نماز اور مال کے حق زکوٰۃ کے مابین فرق کریں گے۔" یہ بھی فرمایا:" اللہ کی قسم! اگر انہوں نے ایک رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو اس کے نہ دینے پر میں ان سے جنگ کروں گا۔"حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد اس پر قانع ہوگئے اور فرمایا: اللہ کی قسم! جب میں نے آپ کا عزم مصمم دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے۔ تو میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔" میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سنت نبوی کی مخالفت پر ان لوگوں کے سینے کیسے کھولتا ہے۔"

اس شبہ کا جواب: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا فیصلہ بر حق اور کتاب وسنت کے مطابق تھا اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِذَا انسَلَخَ الأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [التوبة:۵]

"پس جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انھیں پکڑو اور انھیں گھیرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾ [التوبة:۱۱]

"پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں، اور ہم ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔"

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ توبہ کے قبول ہونے اور اسلام میں داخل ہونے کے لیے نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا لازمی شرائط ہیں۔ ان دونوں چیزوں کے مابین کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جو کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ تمہیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

﴿ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَ ﴾ [التوبة:۱۱]

"پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں۔"

اس آیت میں اہل قبلہ کے خون کو حرام قرار دیا گیاہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب وہ نماز کے قیام یا زکوۃ کی ادائیگی میں خلل ڈالیں تو ان سے جنگ کرنا حلال ہو جائے گا، حتیٰ کہ وہ مکمل طور پر زکوۃ ادا کرنے لگ جائیں۔ اسی سبب نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانعین زکوۃ سے جنگ پر ابھارا۔ ابن کثیر رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین سے جنگ کرنے کے لیے اس آیت پر اعتماد کیا تھا اور اس جیسی دوسری آیات پر بھی۔ کیونکہ ان آیات میں ان لوگوں سے جنگ کرنا ان افعال کے ساتھ ہے کہ وہ اسلام کے واجبات ادا کرتے ہوئے مسلمان ہو جائیں اور اس تنبیہ میں اعلی سے ادنی کی طرف ترتیب اختیار کی گئی ہے۔ اس لیے کہ شہادتین کے اقرار کے بعد اسلام کا اعلیٰ و اشرف ترین رکن نماز کا قیام ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کے بعد زکوۃ کی ادائیگی ہے، جس کا فائدہ فقراء اور ضرورت مندوں کو پہنچتا ہے، مخلوقات کے تعلق سے یہ سب سے بہترین فعل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر طور پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوۃ کو بھی بیان کیا ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن زید کہتے ہیں: نماز اور زکوۃ اکٹھے فرض ہوئی ہیں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوا اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾ [التوبۃ: ۱۱]

"پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں، اور ہم ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔"

☆.... جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو بخاری اور مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أمِرت أن أقاتِل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله وأنّ رسول اللهِ, ويقِيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلك عصموا مِني دِمائهم وأموالهم الا بِحقِها))

"مجھے حکم دیا گیاہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں 'اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ جب وہ ایسا کرلیں تو مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ۔"[1]

یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے کھل کر واضح ہوتا ہے کہ جان ومال کی عصمت ثبوت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی اور حقیقی ایمان نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔ جب لوگ زکوۃ روک لیں تو اب اس کی وجہ سے جنگ وقتال واجب ہو جاتے ہیں تاکہ ان لوگوں سے زکوۃ لے کر

مستحقین کو دی جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہی کام کیا تھا۔

☆.... ظاہر میں لگتا ہے کہ یہ تنقید نگار یہ بات نہیں جانتا کہ شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں یہ بات ثابت ہے کہ زکوٰۃ مکمل طور پر نماز کی طرح ہے اور یہ مسلمہ بات ہے جسے کتاب و سنت کے دلائل کی تائید حاصل ہے کہ تارک نماز کو قتل کیا جائے گا۔ تو آپ نے زکوٰۃ پر بھی نماز والا حکم لگایا، کیونکہ ان دونوں کے احکام یکجا بیان ہوئے ہیں۔ اپنے وقت کا محقق و محدث ایک مشہور شیعہ عالم محمد الحر العاملی اپنی کتاب "وسائل الشیعہ" میں کہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں نماز و زکوٰۃ کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔" جو کوئی نماز تو پڑھتا ہو مگر زکوٰۃ نہ دے، تو گویا اس نے نماز بھی نہیں پڑھی۔" [1]

اہل تشیع کے رئیس المحدثین اپنی کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" میں روایت کرتے ہیں، یہ کتاب مشہور اور معتمد کتب اربعہ میں سے ایک ہے، جو کہ فروع اور اصول میں امامیہ مذہب کا مرجع سمجھی جاتی ہے، اس میں وہ کہتا ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے زکاۃ کا ایک قیراط بھی روکا تو وہ نہ ہی مومن ہے اور نہ ہی مسلم۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مقصد ہے:

﴿حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَهُمُ ٱلْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ٱرْجِعُونِ ۝ لَعَلِّيٓ أَعْمَلُ صَٰلِحًا فِيمَا تَرَكْتُ﴾ [المومنون: ۹۹-۱۰۰]

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔ تاکہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اس میں کوئی نیک عمل کر لوں۔"

ایک دوسری روایت میں ہے ایسے آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ابو جعفر سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک فرمایا: اے فلاں بن فلاں! تم کھڑے ہو جاؤ، اے فلاں بن فلاں! تم کھڑے ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ آپ نے پانچ افراد کو وہاں سے نکال دیا اور فرمایا: ہماری مساجد سے نکل جاؤ یہاں پر نماز نہ پڑھنا اس لیے کہ تم زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ ابو بصیر نے ابو عبد اللہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے فرمایا: " جو کوئی ایک قیراط بھی زکوٰۃ روکے تو اسے چاہیے کہ وہ یہودی مرے یا عیسائی۔" یہ دلائل اس مسئلہ میں صرف کفایت ہی نہیں کرتے بلکہ صراحت کے ساتھ اس کے قتل کو جائز بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آباء سے صراحت کے ساتھ روایات نقل کی ہیں۔ ابان بن تغلب کہتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اسلام میں دو قتل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال ہیں۔ ان میں کوئی اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک اہل بیت میں قائم کا ظہور نہ ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ اہل بیت میں قائم کو مبعوث فرمائیں گے تو وہ ان کے مابین اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کریگا اور زکوٰۃ روکنے والے کی گردن مار دے گا۔"[1]

تو پھر یہ تنقید نگار مانعین زکوٰۃ سے قتال کے مسئلہ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر کیسے اعتراض کر سکتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جنگ ویسے ہی نہیں تھی بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تھی۔

☆.... اعتراض: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شروع میں اس معاملہ میں اشکال کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ آپ ان لوگوں کو کیسے قتل کریں گے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله فإذا قالوا، عصموا مني دمائهم و أموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله۔)) قال أبو بكر رضی اللهُ عنه : ألم يقل بحقها؟ فإن الزكوة من حقها۔ والله ! لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونها إلى رسول اللهِ صلي الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعها۔ قال عمر رضی اللهُ عنه فواللّٰه ما هو إلا أن رأيت الله قد شرح صدر أبي بكر رضی اللهُ عنه : فعرفت أنه الحق ۔ [متفق عليه]

" میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کہیں جب وہ یہ کلمہ کہہ دیں تو مجھ سے اپنا جان ومال بچالیں گے مگر اس کے حق کے عوض اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: " مگر اس کلمہ کے حق کے ساتھ ۔" بیشک زکوٰۃ بھی اس کلمہ کا حق ہے۔ واللہ! اگر انہوں نے ایک رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو اس کے نہ دینے پر میں ان سے جنگ کروں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے دیکھا کہ اللہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ حق کے لیے کھول دیا تھا۔ تو میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔"

آپ ظاہر کلام سے عموم پر استدلال کر رہے تھے اور اس حدیث کے آخری جملہ کی طرف آپ نے نہیں دیکھا جس میں ہے: مگر اس کے حق کے ساتھ۔ جب یہ کلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر واضح ہوا تو آپ سمجھ گئے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے درست ہے۔ اسی لیے ان جنگوں میں آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے تکرار:

شبہ:.... حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ ہمارے نانا کے منبر سے اتر جایئے۔

☆ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھے۔ تو دونوں نواسوں نے ان سے کہا: "ہمارے نانا کے منبر سے اتر جایئے" تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ میں امامت کی لیاقت و اہلیت نہیں تھی۔

☆ اگر اس بات کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے، تو بھی اس وقت یہ دونوں صاحب زادے چھوٹے تھے۔ کیونکہ حضرت حسن کی پیدائش سنہ تین ہجری ماہ رمضان میں ہوئی ہے۔ اور حضرت حسین کی پیدائش سنہ چار ہجری ماہ شعبان میں ہوئی ہے اور خلافت کا معاملہ سنہ گیارہ ہجری کے شروع کا ہے۔ اگر ان کے افعال پر احکام مرتب ہوتے ہوں اور ان افعال کو معتبر سمجھا جاتا ہو تو اس سے تقیہ ترک کرنا لازم آتا ہے جو کہ واجب کا مقام رکھتا ہے۔ وگرنہ اس میں کوئی نقص اور عیب والی بات نہیں۔ بچوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کو اپنی محبوب شخصیت کے مقام پر دیکھتے ہیں تو اس کے ساتھ

جھگڑا کرتے ہیں۔ بھلے اس کا وہاں پر وجود اس شخصیت کی رضامندی سے ہو اور اس سے کہتے ہیں کہ اس جگہ سے اٹھ جاؤ۔ مگر عقلمند لوگ ایسی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔ اور اگرچہ یہ حضرات دوسرے بچوں سے علیحدہ اور جداگانہ مقام رکھتے ہیں، لیکن بچوں کے احکام بھی تو جدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقتدا کے لیے کمال عقل کی حد تک بلوغت شرط ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ انبیاء کرام R کو چالیس سال کی عمر کے بعد مبعوث کیا جاتا تھا۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، یہ نادر مثال ہے اور نادر معدوم کی طرح ہوتا ہے جس کا کوئی حکم ہی نہیں ہوتا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ذمہ داری نہ ملنا:

شبہ:.... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کبھی کوئی ایسی ذمہ داری نہیں سونپی جس کا تعلق دین سے ہو۔" پس اس سے ظاہر ہوا کہ آپ امامت کے اہل نہ تھے۔

☆ یہ ایک ایسا کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان ہے کہ احوال سیرت اور تاریخی واقعات سب اس کے جھوٹ ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

۱۔ غزوۂ احد کے بعد ابو سفیان سے جنگ کے لیے آپ کو امیر بنایا جانا ثابت ہے۔

۲۔ غزوۂ بنو فزارہ میں بھی آپ امیر تھے۔ جیسا کہ امام حاکم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۳۔ پھر سنہ ۹ ہجری میں آپ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا گیا تاکہ لوگوں کو حلال و حرام کے احکام سکھائیں۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل نمازیں پڑھانے کے لیے امام مقرر فرمایا۔ آپ کی یہ امارت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور موجودگی میں تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ان لوگوں کے ساتھ موجود تھے۔ آپ کی یہی منقبت کافی ہے اس کے علاوہ دیگر واقعات بھی ہیں جن کا شمار کرنا طوالت اختیار کر جائے گا۔ اگر اس دعویٰ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی آپ کو امیر نہ بنانے سے لیاقت کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ آپ کے وزیر و مشیر ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہو گا جیسا کہ عام عادت کے طور پر ہوتا ہے۔

☆ امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: "میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دینے کے لیے دور دور تک بھیجوں جیسا کہ حضرت ابن مریم نے اپنے حواریوں کو بھیجا تھا، تو حاضرین میں سے کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان موجود لوگوں کی طرح کے افراد؟ حاضرین میں حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " میں ان دونوں حضرات سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ دین میں انھیں ایسے ہی اہمیت حاصل ہے جیسے سماعت اور بصارت کی اہمیت۔"[1]

ایک دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے چار وزیر عطا کیے ہیں۔ دو آسمان والوں میں سے اور دو زمین والوں میں سے۔ اہل آسمان میں سے میرے وزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں۔ جبکہ زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے عہد میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ولایت تفویض نہ کرنے کا شبہ:

☆ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کوئی ولایت تفویض نہیں کی، بلکہ آپ پر کبھی تو حضرت عمرو بن العاص کو امیر بنایا اور کبھی حضرت اسامہ کو اور جب آپ سورۂ براءت لے کر چلے تو تین دن کے بعد وحی الٰہی کی روشنی میں آپ کو واپس بلا لیا۔ تو پھر کوئی عاقل یہ بات کیسے مان لیتا ہے کہ ایسے آدمی کی ولایت پر کوئی راضی ہو جس کے ذریعہ سے دس آیات پہنچانے پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوئے تھے؟

☆ یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے، مفسرین، اہل مغازی، سیرت نگاروں، محدثین اور فقہاء کے ہاں اس کا جھوٹ ہونا تواتر کے ساتھ معلوم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سن نو ہجری میں امیر حج بنایا تھا۔ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادا کیا جانے والا یہ پہلا حج تھا۔ اس سے پہلا حج سنہ آٹھ ہجری میں ہوا تھا، جس میں امیر حج حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ گورنر مکہ تھے۔ مکہ جب آٹھ ہجری میں فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید بن ابی العاص کو مکہ کا گورنر بنایا۔ پھر سنہ نو ہجری کے حج میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنایا۔ یہ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس موقعہ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ حج کے ایام میں یہ اعلان کر دیں کہ آج کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے گا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ولایت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کو تفویض نہیں فرمائی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یہ امارت آپ کے خصائص میں سے شمار ہوتی ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج پر کسی کو ایسے امیر نہیں بنایا جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تھا اور جیسے اپنے بعد نمازوں کی امامت کے لیے کسی کو ایسے امیر نہیں بنایا، جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تھا۔ اس حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی رعایا میں سے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے پوچھا: امیر بن کر آئے ہو یا مامور بن کر؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نہیں بلکہ مامور بن کر آیا ہوں۔"[2]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بعض شرعی مسائل سے لاعلم تھے:

ایک شبہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بعض شرعی مسائل کا علم نہ تھا۔ آپ نے چور کا بائیاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حکم دیا کہ لوطی کو جلا دیا جائے اور آپ کو دادی اور کلالہ کی وراثت کا علم نہیں تھا۔ پس آپ امامت کے اہل نہیں تھے، شرعی احکام کا علم ہونا فریقین کے ہاں امامت کی شروط میں سے ہے۔ اس پر اجماع ہے۔

جواب:.... تیسری بار میں چور کا بائیاں ہاتھ کاٹنا حکم شرعی کے موافق ہے۔

☆حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی کو بھی زندہ حالت میں آگ سے نہیں جلایا۔ بلکہ صحیح روایت میں حضرت سوید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کے پاس ایک لوطی کو لایا گیا، آپ نے حکم دیا کہ اس کی گردن مار دی جائے اور پھر اس کو جلانے کا حکم دیا۔ لوگوں کی عبرت کے لیے میت کو جلانا جائز ہے، جیسا کہ سولی پر لٹکانا جائز ہے۔ اس لیے کہ میت کو ایسے امور سے تکلیف نہیں ہوتی۔

کیونکہ اس میں زندگی نہیں پائی جاتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ نے بعض زندیقوں کو جلایا۔ شیخ المرتضیٰ الملقب بعلم الھدی نے اپنی کتاب "تنزیہ الانبیاء والائمہ" میں نقل کیا ہے کہ:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے آدمی کو جلا دیا تھا، جس نے اپنے غلام سے لونڈے بازی کی تھی۔"[2]

☆تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس سے اہل سنت پر الزام نہیں آتا۔ اس لیے کہ فعلی طور پر تمام احکام شریعت کا علم ہونا ان کے ہاں بھی امامت کی شرط نہیں ہے، اس لیے کہ عہد میں نصوص کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی آپ کے عہد میں احادیث کی روایات مشہور تھیں، آپ اپنی خلافت کے ایام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشہورہ کیا کرتے تھے۔

عبد اللہ بن بشر نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مشورہ کیا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن بشر نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا، مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ایسے ہی آپ کو مذی کے حکم کا علم نہیں تھا، تو آپ نے حضرت مقداد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم دریافت فرمائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بیعت میں تاخیر:

شبہ:.... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد تک تاخیر کرنا۔

جواب:.... یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بار کی بیعت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت دوبار کی تھی۔
پہلی بار:.... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔

دوسری بار:.... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد۔

یہاں سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہے، اس بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" جب یہ دوسری بار بیعت وقوع ہوئی، تو اس سے بعض راویوں کو یہ شبہ ہوا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے بیعت نہیں کی تھی پس اس کی نفی کی گئی ہے، اور مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔" ج

ہاں تک پہلی بیعت کا تعلق ہے، تو امام حاکم اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں روایت نقل کی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: " جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، انصار کے خطباء کھڑے ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا:

" اے گروہ مہاجرین! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تم میں سے کسی ایک کو عامل بناتے تو ہم انصار میں سے ایک آدمی کو اس کے ساتھ ملا دیتے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ ولایت دو آدمیوں کو تفویض کی جائے، ایک تم میں سے ہو، اور ایک ہم میں سے۔"

فرماتے ہیں: اس کے بعد انصار کے خطباء بات کرتے چلے گئے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے، لہٰذا امام بھی مہاجرین میں سے ہو گا اور ہم اس کے انصار ہوں گے۔ جیسے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے۔"

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:" اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین بدلہ دیں۔ آپ کے خطیب نے بہت اچھی بات کہی۔ پھر فرمایا! اگر تم اس کے علاوہ کچھ کہتے تو ہماری صلح نہ ہو سکتی تھی۔ پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ساتھ پکڑ لیا اور فرمایا:

" یہی تمہارے محترم ساتھی ہیں۔ ان کی بیعت کرو۔"

پھر وہ چلے گئے۔ پس جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تو لوگوں کے چہروں پر نگاہ دوڑائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ آپ نے ان کے متعلق دریافت کیا۔ انصار کے کچھ لوگ اٹھے اور آپ کو بلا لائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے داماد! کیا آپ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی مواخذہ والی بات نہیں اور آپ نے بیعت کر لی۔ پھر آپ نے دیکھا تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ جب آپ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ کو بھی لا کر پیش کر دیا گیا۔

آپ سے پوچھا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد! اور آپ کے حواری! کیا آپ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے بھی یہی کہا کہ اے خلیفہ رسول! مواخذہ کی کوئی بات نہیں۔ پھر آپ نے بھی بیعت کر دی۔" [1]

امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے، مگر وہ اپنی کتابوں میں نہیں لائے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں! حافظ ابو علی رحمہ اللہ نے کہاہے، میں نے محمد بن اسحق بن خزیمۃ رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میرے پاس مسلم بن حجاج رحمہ اللہ آئے، اور اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے اس کے لیے یہ حدیث ایک رقعہ میں لکھ لی، اور پھر انھیں پڑھ کر سنائی، تو وہ کہنے لگے: ''یہ حدیث ایک بدنہ [اونٹ] کے برابر ہے۔''

میں نے کہا: ''نہیں بلکہ ایک بدرہ کے برابر ہے۔''[2]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہاہے، اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔[1]

☆ اس کا جواب یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہانے اپنے والد محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق پر بہت ہی زیادہ حزن وملال اور رنج والم محسوس کیا تھا۔ آپ کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ روز بروز کمزور ہوتی جاتیں۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد آپ بھی آپنے رب سے جاملیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہاکا دکھ درد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کہاجاتاہے کہ اپنے والد محترم کے بعد جتنا عرصہ زندہ رہیں کبھی آپ ہنسی نہیں تھیں اور آپ اپنے والد محترم کے حزن وملال اور ان سے ملاقات کے شوق میں روز بروز ایسے کمزور ہوتی جارہی تھیں گویاکہ پگھل رہی ہوں۔''[2]

☆ وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کثرت کے ساتھ آپ کی خدمت ومدارت میں رہتے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں کمی آگئی۔ اس کو بنیاد بناکر منافقین نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہاکی وفات حسرت آیات کے بعد دوبارہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا سبب بن گئی۔

سیّدناابو بکر رضی اللہ عنہ کا قول: ''کاش! میں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہاکے گھر کی تلاشی نہ لی ہوتی''

انہوں نے معجم الکبیر از امام الطبرانی رحمہ اللہ سے یہ روایت بطورِ دلیل پیش کی ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوا، یہ اس بیماری کی بات ہے جس میں آپ فوت ہوئے۔ میں نے آپ کو سلام کیا، اور حال احوال دریافت کیے۔ تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے.... اور پھر فرمایا: '' مجھے کسی چیز پر کوئی افسوس نہیں ہے مگر تین کام میں نے ایسے کئے ہیں جن پر مجھے افسوس ہے، مجھے یہ بات پسند تھی کہ اگر میں نے یہ کام نہ کئے ہوتے....''

پھر آپ نے وہ کام شمار کئے۔ ان میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ کاش کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہاکے گھر کی تلاشی نہ لی ہوتی، اور اسے یوہی چھوڑ دیاہوتا، اور اپنے آپ پر جنگ کادروازہ بند کر دیاہوتا....الخ

جواب:.... یہ اثر امام الطبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے، یہ ضعیف ہے، اسی سے ضیاء المقدسی نے "المختارہ" میں اور ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں نقل کیا ہے، اور عقیلی اسے "الضعفاء" میں لایا ہے۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، اور الطبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔"[3]

اوّل:.... اس کی تمام اسناد کا مدار ان بن داؤد البجلی پر ہے، یہ ضعیف راوی ہے، تمام ائمہ کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ امام بخاری اس کے بارے میں کہتے ہیں، منکر حدیث ہے۔ ابن یونس نے بھی یہی کہا ہے، کئی ائمہ نے اس کا یہ اثر ذکر کر کے کہا ہے! یہ اس کے منکرات میں سے ہے۔ ان ائمہ میں سے حافظ ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "لسان المیزان" میں اور العقیلی نے "الضعفاء" میں اس کا ذکر لیا ہے۔[1]

عقیلی نے الضعفاء میں کہا ہے: اس کی حدیث کی کوئی متابع روایت نہیں، اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی روایت کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔ علامہ ہیثمی نے "المجمع" میں کہا ہے! یہ روایت امام طبرانی سے روایت کی ہے، اس میں علوان بن داؤد ہے، جو کہ ضعیف ہے اور اس اثر کا علماء نے انکار کیا ہے۔"[2]

اور اگر یہ کہا جائے! یہ ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں علوان بن داؤد نہیں ہے جیسا کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

☆ہم کہتے ہیں: یہ اسناد بھی محفوظ نہیں ہیں۔ کیونکہ ابوالہیثم خالد بن القاسم متروک راوی ہے۔ ائمہ حدیث اور محدثین اس کی روایات قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے جھوٹا ہونے کی وجہ سے اس سے روایت کو ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ انسان اسانید میں کمی بیشی کیا کرتا تھا۔ خصوصاً امام لیث رحمہ اللہ کی اسناد میں۔ امام کے وہ شاگرد جو اس کے طبقہ کے لوگ شمار ہوئے ہیں، اور انہوں نے امام لیث رحمہ اللہ سے احادیث روایت بھی کی ہیں، وہ اس سند پر ہے:

عن لیث بن سعد عن علوان بن داود عن صالح بن کیسان بہ۔ ان میں ایک راوی یحییٰ بن عبد اللہ ابن بکیر ہیں، وہ لیث سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں اور ان میں عثمان بن صالح اعصری بھی ہے، وہ صدوق ہے اور ان راویوں میں امام لیث کا کاتب ابو صالح ہے، اس سب میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں کہ لیث سے روایت کرنے والی جماعت کو فرد واحد پر ترجیح دی جائے گی اور اس کی تاکید و تائید اس سے ہوتی ہے کہ سعید بن عقیر نے لیث بن سعد کی متابعت کی ہے۔ جو کہ طبرانی میں موجود ہے۔ اس نے علوان بن داؤد بجلی سے، اس نے اسی سند سے حمید سے روایت کیا ہے۔ یہ سعید بن عفیر غیر ثقہ ہے۔ اس بنیاد پر صحیح بات یہ ہے کہ یہ اثر جیسا کہ آئمہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ علوان بن داؤد کے مفردات اور منکران میں سے ہے۔ اس روایت کا کسی اور کی سند سے علم تک نہیں ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں کہا ہے، حالانکہ اسی نے اس روایت کی تخریج بھی کی ہے، وہ کہتا ہے: اسے خالد بن القاسم المدائینی نے نقل کیا ہے، اور اس کی سند سے علوان بن داؤد کو ساقط کیا ہے، حدیث لیث سے عالی سند والی روایت بھی مجھے ملی ہے، اس میں علوان کا ذکر ہے۔ پھر اس کی تائید میں وہ عالی اسناد بھی ذکر کی ہیں جو محمد بن رمع نے لیث سے اور اس نے علوان سے روایت کی ہے۔[1]

میں کہتا ہوں: یہ محمد بن رمح رحمہ اللہ ثقہ اور ثبت ہے۔ یہ چار ثقہ راوی اس مداینی کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ وہ کذاب ہے۔ لہٰذا اب اس باب میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ علوان کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے اور علوان جھوٹا اور منکر الحدیث ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے کہ وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ ان سابقہ وجوہات کی بنا پر محدثین کی ایک جماعت کا اس اثر کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، ان میں سے ایک امام حافظ عقیلی ہیں جنہوں نے الضعفاء میں، امام ذہبی نے المیزان میں، اور حافظ ابن حجر نے اللسان میں بیان کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

☆☆☆

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور جمعرات کا دن:

اس پر کلام گزر چکا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر نذر آتش کرنا:

کہتے ہیں:.... ’’ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: کاش کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر نہ جلایا ہوتا۔‘‘ جواب:.... اس پر رد کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اس کی سند میں علوان بن داؤد البجلی ہے۔ امام بخاری ابو سعید بن یونس، اور ابن حجر اور ذہبی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔[1]

☆ابن ابی شیبہ ایک دوسری روایت بھی لائے ہیں جو محمد بن بشر کی سند سے ہے، وہ عبید اللہ بن عمر سے روایت کرتا ہے، وہ زید بن اسلم سے، وہ اپنے والد اسلم سے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو حضرت علی اور حضرت زبیر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوا کرتے اور اپنے معاملہ میں مشورہ اور گفت وشنید کیا کرتے تھے۔ اس کی اطلاع حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ باہر نکلے حتی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے، اور فرمایا: اے دختر رسول اللہ! اللہ کی قسم! آپ کے والد کے بعد تم سے بڑھ کر کوئی دوسرا ہمیں محبوب نہیں ہے اور اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ آپ کے پاس اسی طرح جمع ہوتے رہے تو کوئی چیز مجھے اس گھر کو جلانے سے نہیں روک سکے گی۔ جب آپ باہر نکل گئے تو یہ حضرات تشریف لائے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تمہیں علم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے تھے، اور انہوں نے قسم اٹھائی ہے کہ اگر تم نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو وہ اس گھر کو جلا دیں گے۔ ہاں اللہ کی قسم! اللہ کی قسم، وہ اپنی قسم پوری کر کے رہیں گے۔ سو تمہاری کامیابی اسی میں ہے کہ تم واپس پلٹ جاؤ اور اپنی رائے لے کر یہاں سے چلتے بنو اور دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔ پس وہ لوگ وہاں سے پلٹ گئے اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹے جب تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کر لی۔‘‘[2]

ردّ:.... یہ روایت منقطع ہے۔ اس لیے کہ اسلم نامی راوی ارسال کے مرض کا شکار ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی احادیث منقطع ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے۔[1]

علامہ شیخ ناصر الدین رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔"[2]

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں ان کے قول کا ابطال ہے، جو کہتے ہیں کہ گھر جلا دیا تھا۔ حالانکہ اس روایت کے بقول انہوں نے صرف گھر جلانے کی دھمکی دی تھی اور اس عقیدہ و قول پر بھی ردّ ہے جس میں کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ کیونکہ روایت کہتی ہے کہ وہ اس وقت تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس نہیں گئے جب تک انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کر لی۔

ایک دوسری روایت میں ہے، ہم سے جریر نے حدیث بیان کی، وہ مغیرہ سے اور وہ زیاد بن کلیت سے روایت کرتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، وہاں پر طلحہ و زبیر اور دیگر کچھ مہاجرین موجود تھے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تم پر اس گھر کو آگ لگادوں گا، یا تم نکل کر بیعت کر لو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لیے ہوئے نکلے۔ مگر انہیں پکڑ لیا گیا، تلوار ان کے ہاتھ سے گر گئی اور انہوں نے چھلانگیں لگا کر انہیں گرفتار کر لیا۔"[3]

ردّ:.... اس روایات میں کئی ایک آفات اور علتیں ہیں، ان میں سے جریر بن حازم صدوق ہے، مگر اوہام کا شکار رہتا ہے، اور اس کے حافظہ میں اختلاط ہو گیا تھا، جیسا کہ امام ابو داؤد اور امام بخاری نے التاریخ الکبیر ۲/ ۲۲۳۴ میں صراحت کے ساتھ کہا ہے۔ مغیرہ کا نام مغیرہ ابن المقسم ہے، ثقہ راوی ہے، مگر اپنی روایات میں ارسال کرتا ہے، خصوصاً وہ روایات جو ابراہیم سے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے مدلسین کے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے، یہ وہ طبقہ ہے جن کی روایات قبول نہیں کی جائیں۔ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ سماع کی صراحت کریں۔ ایک تیسری روایت بلاذری سے ہے (متوفی ۲۷۹ھ) ۔ وہ سلیمان التیمی سے، وہ ابن عون سے روایت کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجا، وہ آپ سے بیعت لینا چاہتے تھے۔ آپ نے بیعت نہیں کی تھی۔ حضرت عمر آئے اور ان کے ساتھ آگ کا ایک فتیلہ (مشعل) تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دروازہ پر روک لیا اور کہا: اے ابن خطاب! کیا تم مجھ پر میرا دروازہ جلانا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا! ہاں۔ یہ تیرے باپ کے لائے ہوئے پیغام میں اس سے بھی بہت سخت فیصلہ ہے؟[1]

جواب:.... یہ اسناد یہ دو اعتبار سے منقطع ہے۔ اس لیے کہ سلیمان التیمی تابعی ہے اور بلاذری اس سے بہت زیادہ متاخر ہے، پھر اس سے روایت کیسے کی جاسکتی ہے، جبکہ درمیان میں کسی واسطے کا ذکر تک نہیں کیا گیا؟ اور ابن عون بھی ایک متاخر تابعی ہیں، انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ ان کے مابین انقطاع ہے۔ اس میں دو علتیں (دیگر اسناد کے اعتبار سے) مزید ہیں: مسلم بن محارب کی مجہولیت (جہالت)۔ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۸/ ۲٦٦) میں اس کا ذکر کیا ہے، مگر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی اور ہمیں کسی ایسے عالم کا پتہ نہیں چل سکا جس نے اسے ثقہ

کہا ہو، یا اس کی مذمت کی ہو۔ ا۔ ابن عون یعنی عبد اللہ بن عون (متوفی ۱۵۲ ہجری) کا انقطاع۔ اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث کی سماعت نہیں کی، تو حضرت ابو بکر سے بالأولی اس کا سماع ثابت نہیں ہوتا اور پھر خصوصاً اس حادثہ کے متعلق خبر دینا؟ یہ یاد رہنا چاہیے کہ یہ واقعات سن ۱۱ ہجری کے ہیں۔ ایسے ہی سلیمان التیمی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا اس کی تاریخ وفات ۱۴۳ ہجری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آگ:

☆ ابن خذابہ کا اپنی کتاب ''الغدر'' میں یہ کہنا کہ زید بن اسلم سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں ان کے ساتھ تھا جنہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آگ اٹھائی ہوئی تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ تک پہنچے تھے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کہا تھا کہ تمہارے گھر میں جو بھی لوگ ہیں، ان سب کو نکال دو ورنہ میں ان سب کو جلا دوں گا۔ راوی کہتا ہے: اس وقت گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ اور اصحاب النبی کی ایک جماعت موجود تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تم میرے سامنے میرے بچوں کو جلا دوگے ؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یا یہ سارے لوگ ضرور نکلیں گے اور بیعت کریں گے۔ ردّ: .... یہ مولف نام کے اعتبار سے مختلف فیہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام ابن خنزابہ ہے اور بعض نے اسے ابن خذابہ اور بعض نے ابن جیرانہ اور بعض نے خرداذبۃ، اور ابن خیزانہ، اور محقق البحار نے ابن خنزابۃ کہہ کر اسے ترجیح دی ہے۔ زرکلی نے اعلام (۱۲۶/۲) میں اسے ابن خنزابہ جعفر بن فضل بن جعفر لکھا ہے۔ جب کہ اس کی کتاب کا نام کتاب الغرر ہے الغدر نہیں اور بعض نے اس کا نام کتاب العقد بتایا ہے۔ ابن عبد ربہ نے العقد الفرید (۳۰۵/۲) میں کہا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے رہ جانے والوں میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، ادر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیٹھ گئے تھے۔ حتی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو انہیں بلانے کے لیے بھیجا، تاکہ انہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر نکالا جائے اور ان کو یہ کہا کہ اگر وہ انکار کریں تو ان سے قتال کرنا۔ آپ آگ کا انگارہ لے کر گئے تا کہ ان کے گھر کو جلا دیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا! اے ابن خطاب! کیا تم اس لیے آئے ہو کہ ہمارے گھر کو جلا دو؟ کہا: ہاں۔ یا میرے اس امر میں داخل ہو جائیں جس میں ساری امت داخل ہوئی ہے۔

ردّ:.... اولاً: ابن عبد ربہ، معتزلہ کے سرغنوں میں سے ہے۔[1]

ثانیا:.... ایسی باتیں کہنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک ناصبیت ہے۔

ثالثاً:.... اس کی کتاب ادب کی کتاب ہے۔ (تاریخ کی نہیں)۔

☆ تاریخ الطبری (۲۰۳/۳) میں محمد بن جریر الطبری کی روایت، اس میں ہے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آگ منگوائی اور کہا: یا تم لوگ نکل کر بیعت کروگے، یا میں سب لوگوں کو گھر میں جلا دوں گا۔ لوگوں نے کہا: گھر میں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ہے، تو کہا: بھلے وہ بھی ہو۔"

ردّ:.... اس روایت کے الفاظ کا تاریخ الطبری میں وجود تک نہیں۔ یہ روایت السیاسیۃ والامامۃ میں ہے جو ابن قتیبہ کی طرف منسوب ہے، اور ابن قتیبہ کی تصانیف میں یہ کتاب ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے کئی اسباب ہیں:

ا۔ جن لوگوں نے ابن ابی لیلی سے یوں نقل کیا ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آپس میں ملاقات ہوئی ہے، جبکہ ابن ابی لیلی، اس کا نام محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی الفقیہ الکوفی قاضی کوفہ ہے۔ اس کی تاریخ وفات ۱۴۸ ہجری ہے۔ جب کہ مشہور روایت کے مطابق ابن قتیبہ کی تاریخ پیدائیش ۲۱۳ ہجری ہے۔ یعنی ابن ابی لیلی کی وفات کے پینسٹھ سال کے بعد۔ کتاب سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابن قتیبہ نے دمشق اور مغرب میں قیام کیا ہوا تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بغداد اور دینور کے علاوہ کہیں گیا ہی نہیں۔ ابن ابی حدید کی روایت شرح نہج البلاغہ (۵۶/۲ پر ۱۰۶) میں ہے، اس نے ابو بکر الجوہری سے روایت کیا ہے، کہتا ہے کہ ابو بکر نے کہا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن ابی وقاص بھی ان کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں موجود تھے اور مقداد بن اسود بھی، یہ لوگ اس لیے جمع ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے کہ وہ اس گھر کو ہی جلا دیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئی اور چیخ و پکار کرتی ہوئی نکلیں.... الخ

ایک دوسرے مقام پر (راوی) ابو بکر نے کہا ہے: ہم سے عمر بن شبہ نے اپنی سند سے شعبی سے حدیث بیان کی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: زبیر کہاں ہے؟ آپ کو بتایا گیا وہ اپنی تلوار سونتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں۔ آپ نے کہا: اے عمر! اٹھو، اے خالد بن ولید! تم بھی اٹھو، تم دونوں جاؤ، اور انہیں لا کر میرے پاس حاضر کر دو۔ یہ دونوں چلے گئے۔

عمر بن خطاب گھر میں داخل ہوئے، اور خالد بن ولید باہر دروزاے پر کھڑے رہے۔ عمر نے زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ تلوار کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا: ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار چھین لی اور پتھر پر مار کر توڑ دی۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا اور دھکا دیا اور کہا: خالد! اس کو پکڑو۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اٹھو اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرو۔ انہوں نے اٹھنے سے انکار کر دیا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اٹھا کر ایسے ہی دھکا دیا جیسے زبیر کو دھکا دیا تھا اور باہر نکال دیا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے ساتھ یہ سلوک دیکھا، تو آپ اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں، اور کہنے لگیں:

اے ابو بکر! تم نے کتنا ہی جلدی اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر دھاوا بول دیا.... الخ یہ اور اس طرح کی دیگر کئی روایات جنہیں شرح میں پیش کیا گیا ہے، باطل ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زبردستی بیعت:

☆ابن ابی الحدید نے کہاہے: جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے کا تعلق ہے، حتی کہ آپ کو گھر سے نکالنے کا ذکر کیاہے، ہم نے اس باب میں جوہری کا کلام ذکر کر دیاہے۔ اس کا شمار محدثین اور ثقہ اور مامون راویوں میں سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ واقعہ اسی طرح اتنے زیادہ لوگوں نے ذکر کیاہے کہ ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ جواب:.... ابن ابی الحدید کا کلام اپنے ہمنواؤں پر حجت ہو سکتاہے، ہم پر نہیں۔ ایک شیعہ عالم الخوانساری نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے کہاہے: اس کا نام عزالدین عبدالحمید بن ابی الحسن بن ابی الحدید المدائنی ہے، جس کی مشہور کتاب شرح نہج البلاغۃ ہے، اس کا شمار اکابر فضلاء متبعین میں ہوتا ہے، وہ ان بڑے متبحر نبلاء میں سے تھا جو اہل بیت کی عصمت وطہارت کے موالین میں سے ہیں.... اس کی دینی منزلت اورامیر المؤمنین کی محبت میں غلو کیلئے اتنی ہی دلیل کافی ہے کہ اس نے شریف الجامع کی ایک نفیس اور نادر شرح لکھی ہے، جو دوسری کتب پر حاوی ہے، اس کی پیدائش یکم ذوالحجہ (۵۸۶) ہجری میں ہوئی۔ شرح نہج البلاغۃ کا شمار اس کی تصانیف میں ہوتا ہے، جو کئی جلدوں میں ہے۔ جیسے اس نے وزیر مؤیدالدین محمد بن علقمی کے کتب خانہ کے لیے تحریر کیا تھا۔ جب اس کتاب سے فراغت ہوئی تو اپنے بھائی موفق الدین ابو المعالی کے ہاتھ وزیر کو بھیجی۔ تو اس نے جواب میں ایک لاکھ دینار ایک خوبصورت خلعت اور ایک گھوڑا تحفہ میں بھیجے۔" [1]

☆ مسلم بن قتیبہ بن عمرو باہلی متوفی ۲۷۶ھ کی روایت۔ یہ اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ، میں کہتاہے:

"بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چند ان لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پایا جو آپ کی بیعت سے پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ نے ان کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ وہاں گئے، اورانھیں آواز دی۔ وہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا، تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جلتی ہوئی لکڑیاں منگائیں۔ اور کہا:

" اس ذات کی قسم! جن کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے، تم ضرور بالضرور نکلوگے، ورنہ میں اس گھر کو اندر موجود آدمیوں سمیت آگ لگادوں گا۔ آپ سے کہاگیا: اے ابو حفص: گھر میں توفاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہے، انہوں نے کہا: بھلے وہ بھی موجود ہو۔"

ردّ: .... یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ کتاب " الامامۃ والسیاسۃ" قتیبہ بن مسلم کی تالیف نہیں، صرف ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

حمل کا اسقاط:

افتراء پرداز کہتے ہیں:.... مؤرخ مسعودی[متوفی ۳۴۶ھ) جو کہ مروج الذہب کا مصنف ہے، اور ایک مشہور مؤرخ ہے، جس سے بعد میں آنے والا ہر مؤرخ نقل کرتا ہے، اس نے اپنی کتاب "اثبات الوصیۃ" میں قضیہ سقیفہ میں خلافت کی شرح کرتے ہوئے لکھاہے: "انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا، اور ان کے گھر کا دروازہ جلادیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زبردستی پکڑ لائے، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دروازہ کے ساتھ اتنا دبایا کہ ان کا حمل ساقط ہو گیا۔"

ردّ:.... بلاشک مسعودی مشہور مؤرخ ہے، لیکن وہ اہل سنت میں سے نہیں۔ وہ اپنی شہرت کی وجہ سے ہم پر حجت نہیں ہو سکتا۔

☆ابو الفتح شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل والنحل" (۱/۵۷) میں نقل کیا ہے کہ نظام نے کہا: بیعت کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ عمر چیخ رہا تھا کہ اس گھر کو اور اس میں موجود لوگوں کو آگ لگا دو۔" اور گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، اور حسن و حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ انتہی کلام شہرستانی۔

☆صفدی نے، الوافی بالوفیات ۶/۱۷ پر کہا ہے۔ حرف الف میں ابراہیم بن سیر المعروف بالنظام کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے، بے شک حضرت عمر نے بیعت کے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ پر مارا، جس سے ان کا حمل ساقط ہو گیا۔

ردّ:.... شہرستانی یہاں پر نظام معتزلی کے گمراہ کن اور رسوا کن عقائد شمار کر رہا ہے اور اس نظام کی آفات میں سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مارا، یہاں تک کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ شہرستانی کہتا ہے: "پھر وہ اپنے ان گمراہ کن عقائد میں مزید آگے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر عیب جوئی کرتے ہوئے کہتا ہے اور میں ان دونوں کے بارے میں اپنی رائے سے یہ بات کہتا ہوں۔"[1]

صفدی نے بھی معتزلہ کے گمراہ کن عقائد شمار کرتے ہوئے ایسے ہی کہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نسب کا شبہ:

یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حقیقی نسب ہے، نہ کہ جیسے یہ جھوٹے لوگ اپنی طرف سے بہتان گھڑ لاتے ہیں۔

۱۔ آپ کا نام اور نسب عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی القریشی العدوی، ابو حفص، (کعب پر آپ کا شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے)

۲۔ آپ کی والدہ کا نام اور نسب حنتمۃ بنت ہشام بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم، اور یہ بھی کہا گیا ہے، حنتمۃ بنت ہاشم ابن مغیرہ۔ پہلے نسب کے مطابق وہ ابوجہل کی بہن لگتی ہے، اور دوسرے کے مطابق اس کی چچازاد۔ ابو عمر نے کہا ہے: جس کسی نے اسے بنت ہشام بتایا ہے، اس نے غلطی کی ہے۔ اگر ایسے ہوتا تو وہ ابوجہل کی اور حارث بن ہشام کی بہن لگتی۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان دونوں کی چچازاد ہے۔ اس لیے کہ ہاشم اور ہشام دونوں آپس میں بھائی ہیں۔ ہاشم حنتمہ کا والد ہے جبکہ ہشام حارث اور ابوجہل کا والد ہے اور اس طرح یہ ابوجہل کی چچازاد بھی تھی۔ جیسا کہ پہلے ابو عمرو کا قول گزر چکا ہے کہ ہاشم کی اولاد سے سلسلہ نسب نہیں چلا۔[1]

حنتمہ کی ماں کا نام: شفا بنت عبد قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص ہے۔ ہاشم بن مغیرہ کے بیٹے تو تھے مگر ان سے نسل نہیں چلی۔"[2]

ثالثا:.... خطاب کا نام اور نسب خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن ریاح بن عبد اللہ.... اس کی والدہ کا نام: حیہ بنت جابر بن ابو جیب فہمی ہے۔ نفیل کے دو بیٹے تھے خطاب اور عبد نہم۔ اس دوسرے کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اسے حرب فجار میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ان کی ماں کا نام حیۃ بن جابر بن ابی حبیب ہے ان کا ماں جایا بھائی زید بن عمر بن نفیل ہے۔" [3]

یہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا صحیح نسب نامہ ہے مخالفین کی بکواس اور واہیات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا متعہ کو حرام کرنا:

کہتے ہیں:.... عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صریح نصوص کتاب اور سنن نبویہ کے مقابلہ میں اجتہاد اور تأویل کرتے تھے۔ بلکہ قرآن حکیم کی صریح نصوص کے مقابلہ میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کا یہ قول:

"دو متعہ عہد نبوی میں تھے، میں ان سے منع کرتا ہوں، اور ایسا کرنے والے کو سزا دوں گا۔"

جواب:.... جہاں تک متعہ حج (حج تمتع) کا تعلق ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع حرام کے طور پر نہیں کیا تھا، بلکہ آپ کی مراد لوگوں کی اس سے افضل چیز کی طرف رہنمائی کرنا تھی۔ یہاں پر نہی اولویت یعنی اولیت کی نفی ہے۔ جس میں عمرہ کو حج کیساتھ ملا کر تمتع کے بجائے حج قران کی ترغیب ہے۔ تاکہ بیت اللہ الحرام سال کے باقی دنوں میں عمرہ کرنے والوں سے خالی نہ رہے۔ اس لیے کہ تمتع میں سہولت تھی اور اس طرح سے اشہر الحج کے علاوہ دیگر مہینوں میں عمرہ ترک کر دیا جاتا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا کہ بیت اللہ عمرہ کرنے والوں سے خالی نہ رہے، تو آپ نے علی سبیل الاختیار حج تمتع سے منع فرمایا، تحریم کے طور پر نہیں۔ وگرنہ آپ سے حج تمتع کی اباحت ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا: میں تمہیں حج تمتع سے منع کرتا ہوں؛ حالانکہ یہ کتاب اللہ میں موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کیا ہے؛ یعنی حج اور عمرہ ایک ساتھ۔" [النسائی ۲۷۳۶]

☆صبیی بن معبد سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: " میں نے حج اور عمرہ کا حرام باندھا ہے۔

" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف ہدایت پالی۔" [1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حج کے علاوہ دوسرے مہینوں میں عمرہ کرنا تمتع کے عمرہ سے اَفضل ہے۔ اس پر بہت سارے فقہاء کا اتفاق ہے اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ مطلقاً حج تمتع کو حرام کہتے تھے۔ صحیح مسلم میں ابراہیم کی اپنے والد سے روایت ہے، وہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے: "حج تمتع کا حکم صرف اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔" [2]

جہاں تک متعہ نساء کا تعلق ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اپنی طرف سے حرام نہیں کیا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام ٹھہرایا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت ربیع بن سبرہ الجہنی رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " جس کے پاس مقررہ مدت نکاح والی عورتیں ہوں جن سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے تو چاہیے کہ وہ انہیں آزاد کر دے اور جو کچھ ان خواتین کو دیدیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لیں۔" صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عورتوں کے متعہ میں نرمی کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: " ٹھہر جااے ابن عباس رضی اللہ عنہ! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے غزوہ خیبر کے دن منع فرمایا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے بھی۔"[1]

نکاح متعہ فتح مکہ والے سال حرام ہوا ہے۔ اس دوسری روایت میں کوئی اشکال نہیں ہے، جس میں ہے کہ نکاح متعہ خیبر کے موقع پر حرام ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کی حرمت خیبر والے سال نہیں ہوئی۔ بلکہ خیبر کے موقع پر گھریلو گدھے کا گوشت حرام ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متعہ اور گدھے کا گوشت، دونوں کو مباح سمجھتے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار اور رد کیا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ حرام ٹھہرایا ہے اور خیبر کے موقعہ پر گھریلو گدھے کا گوشت بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں چیزوں کو اس لیے ملا کر بیان فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں کو مباح سمجھتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ کو حرمت کا حکم معلوم ہوا تو آپ نے سابقہ فتوی سے رجوع کر لیا۔ اسی لیے حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: یہ کہنا کہ "خیبر کے دن" اس کا تعلق گدھے کے گوشت کے حکم سے ہے نہ کہ متعہ سے۔"[2]

ابو عوانہ نے "الصحیح" میں کہا ہے: میں نے اہل علم سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھریلو گدھے کے گوشت سے منع کیا ہے، جب کہ متعہ پر سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کی حرمت فتح مکہ کے موقع پر ہوئی ہے۔"[3] یہ بھی کہا گیا ہے کہ: خیبر کے موقع پر متعہ حرام ہوا، پھر مباح ہوا پھر دوسری بار (فتح مکہ کے موقع پر) حرام ہوا۔ بہر حال فتح مکہ والے سال اس کے حرام کئے جانے پر اتفاق ہے، کہ اس کی حرمت زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئی ہے اور پھر یہی حکم باقی رہا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ امامیہ علماء نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور انہوں نے وضاحت کی ہے کہ متعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حرام ہوا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حرام نہیں کیا۔ جب بہت سارے لوگوں کو اس کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرف توجہ دلائی اور لوگوں میں اس کا اعلان کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: "جب خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں خطبہ دیا تو فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین دن تک متعہ کی اجازت دی تھی، پھر اسے حرام کر دیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی آدمی کے بارے میں علم ہوا کہ اس نے متعہ کیا ہے، (اور وہ کنوارہ ہوا تو اسے کوڑے لگاوں گا) اگر شادی شدہ ہوا

تو اسے سنگسار کروں گا، یا پھر وہ چار گواہ لائے، جو گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کرنے کے بعد دوبارہ حلال کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سعید ابن مسیب فرمایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، اگر آپ متعہ سے منع نہ کرتے تو دن دیہاڑے اعلانیہ زنا ہوتا۔"[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: "اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا":

ردّ:.... اگر ہم فرضی طور پر اس جملہ کو صحیح بھی تسلیم کر لیں، تو پھر بھی یہ بات کہنے کے کچھ اسباب ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ یہ لڑکی پاگل ہے۔ آپ نے اس پر حد لگانا ترک کر دیا، اور یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

☆ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک حامل عورت کو حد لگانا چاہتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرف آپ کو توجہ دلائی۔ تو آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستیعاب میں اس طرف اشارہ کیا ہے، اور علامہ محب الطبری رحمہ اللہ نے الریاض النضرۃ میں یہ بتایا ہے۔ بالاضافہ ابن مطہر الحلی (رافضی) نے بھی یہ دونوں روایات اسی سیاق کے ساتھ نقل کی ہیں۔ پہلی روایت امام احمد نے "الفضائل" میں ابن ظبیان الجنبی سے نقل کی ہے۔ روایت اس طرح ہے:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسی عورت کے پاس پہنچے جس نے زنا کیا تھا۔ تو آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ لوگ اسے رجم کرنے کے لیے لے گئے۔ راستہ میں انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے پوچھا: اس عورت کا کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگے: اس نے زنا کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھوں سے وہ عورت چھین لی اور انہیں واپس کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان: تمام لوگ عمر سے بڑھ کر فقیہ ہیں...."

جواب:.... اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ ان الفاظ میں مروی نہیں کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ:"

ہر ایک عمر سے بڑا فقیہ ہے۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات کہنے کا بھی کوئی سبب ہے۔ مگر یہ طعنہ باز اس سبب کو چھپا کر یہ وہم دلانا چاہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ایسے ہی کہا ہے۔ یہ پوری روایت سعید بن منصور نے سنن میں شعبی سے روایت کی ہے، کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے، لوگوں میں خطبہ دیا، حمد و ثناء کے بعد کہا:

"لوگو! عورتوں کے مہر میں حد سے نہ بڑھو۔ اور اگر مجھے یہ اطلاع ملی کہ کسی نے اس سے زیادہ مہر دیا یا لیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بیٹیوں کے مہر سے زیادہ ہو تو میں اسے بیت المال میں ڈال دوں گا۔ پھر آپ منبر سے نیچے اترے تو قریش کی ایک عورت آپ کے سامنے آئی اور اس نے کہا: " آپ ہم سے وہ چیز کیوں روکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمارے لیے حلال کی ہے؟

آپ نے فرمایا: "کتاب اللہ میں کہاں ہے؟

وہ کہنے لگی: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ [النساء: ۲۰]

"اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " ہر ایک عمر سے بڑا فقیہ ہے۔" یہ جملہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا۔ پھر منبر پر واپس گئے اور فرمایا:" میں نے تمہیں عورتوں کو زیادہ مہر دینے سے منع کیا تھا پس جس کا جو جی چاہے اپنے مال میں ویسے ہی کرے۔"[1]

یہ روایت سند اور متن دونوں اعتبار سے باطل ہے۔

سند کے لحاظ سے اس میں دو علتیں ہیں، پہلی علت: انقطاع امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ روایت منقطع ہے، اس لیے کہ شعبی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ ابن ابی حاتم رازی نے کتاب "المراسیل" میں کہا ہے، میں نے اپنے والد سے اور ابو زرعہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ امام شعبی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ دوسری علت: اس کی سند میں مجالد ہے، اس کے باپ کا نام سعید ہے۔ اس کے متعلق امام بخاری نے کہا ہے: ابن مہدی اور یحییٰ القطان رحمہ اللہ شعبی رحمہ اللہ سے اس کی روایات قبول نہیں کرتے تھے۔[2] امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اہل کوفہ میں سے ہے۔ ضعیف ہے۔ جوزجانی نے کہا ہے: مجالد بن سعید ضعیف احادیث روایت کرتا ہے۔" ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے:" میں نے احمد بن حنبل سے مجالد کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ناقابل ذکر انسان ہے، ان منکر روایات کو بھی مرفوع بتاتا ہے جنہیں لوگ مرفوع نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے لوگ اس سے کتراتے ہیں۔ ابن عدی رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے: اس کی اکثر روایات محفوظ نہیں ہوتیں۔

ابن معین رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ قوی راوی نہیں ہے اس کا حافظ آخری عمر میں بدلہ گیا تھا۔[1]

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ ضعیف راوی ہے۔ اس کا حافظ آخری عمر میں بدلہ گیا تھا۔

جب کہ متن کے لحاظ سے اس میں نکارت پائی جاتی ہے، اس کے بذیل اسباب ہیں :

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صراحت کے ساتھ مہر میں غلو سے نہی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ ابو داؤد رحمہ اللہ نے ابو العجفاء اسلمی سے روایت کیا ہے۔[2]

آپ مہر میں بہت زیادہ غلو سے منع کرتے تھے اس سے دوسری روایت کا بطلان ثابت ہو گیا۔

۲۔ اس روایت میں دوسری صحیح اور صریح نصوص کی مخالفت پائی جاتی ہے، جن روایات میں مہر میں غلو سے اجتناب کی ترغیب، اور اس معاملہ میں نرمی برتنے کا حکم ہے، ان میں سے ایک روایت جو کہ سنن ابی داؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا:" بہترین نکاح وہ ہے جس میں آسانی

ہو۔"[3] امام حاکم اور ابن حبان رحمہ اللہ نے موارد الظمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، آپ فرماتی ہیں: " رسول اللہ نے مجھے سے فرمایا: کون ہے جو عورت پر احسان کر کے اس کا معاملہ آسان کرے، اور مہر کم دے۔" [4]

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

" ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ: "

میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔"

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:"

کیا تو نے اسے دیکھا ہے کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔

" اس نے کہا:" میں نے اسے دیکھا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تو نے اس سے کتنے مہر پر شادی کی"؟ اس نے کہا:" چار اوقیہ پر۔"

تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" چار اوقیہ پر گویا کہ تم اس پہاڑ سے چاندی کھود لاتے ہو جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ البتہ عنقریب ہم تمہیں ایک قافلہ میں بھیجیں گے تاکہ تجھے اس سے کچھ مل جائے۔"[5]

اس کے علاوہ بھی دیگر احادیث ہیں جن میں مہر کم رکھنے کی ترغیب ہے۔

۳۔ یہ آیت جس سے اس عورت نے استدلال کیا، اور وہ اس کے مفہوم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجیہ کے منافی نہیں۔ اس کی آخری انتہا یہ ہو سکتی ہے کہ اس آیت میں وارد قنطار میں قادر انسان کے لیے زیادہ مہر دینے کا جواز ہے۔ جس کا مکلف عاجز اور غیر قادر اور غیر مستطیع کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آدمی پر انکار ہے جس نے چار اوقیہ کے بدلہ ایک انصاری عورت سے شادی کر لی تھی۔ کیونکہ اتنا مہر ان کی حالت کے مناسب نہیں تھا۔ یہ تو اس وقت ہو گا جب آیت مہر میں غلو پر دلالت کرتی ہو۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آیت کریمہ مہر میں غلو کے مباح ہونے دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ مبالغہ اور کثرت کے اعتبار سے ایک تمثیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غزوہ حنین سے فرار:

معترض کہتا ہے:" عمر رضی اللہ عنہ معرکہ حنین میں شکست کھا کر بھاگ گئے تھے۔"

ردّ:.... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "جو لوگ حنین کے دن ثابت قدم رہے، ان میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔"

امام طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے: "جس بھاگنے کی ممانعت ہے، وہ ایسا بھاگنا ہے جس میں واپس آنے کی نیت شامل نہ ہو۔ رہ گیا کثرت کے مقابلہ کے لیے چال بدلتے ہوئے پیچھے ہٹنا، تو یہ جماعت کے ساتھ ملنے والوں کی طرح ہے۔" ☆ عبد الرحمن بن جابر اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین وانصار اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ایک جتھا باقی رہ گیا تھا اور مہاجرین میں ثابت قدم رہنے والوں میں

سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور اہل بیت میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور حضرت عباس بن عبد المطلب، ان کا بیٹا فضل، ابو سفیان ابن الحارث ربیعہ بن حارث، ایمن بن عبید۔ ایمن بن ام ایمن اور اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔" [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بعض اہل شوری کو قتل کرنے کا حکم:

معترض کہتا ہے:.... عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جب اہل شوری میں اختلاف ہو جائے، تو جو لوگ کم ہوں، انھیں قتل کر دو۔ یعنی جب چار کا اتحاد تین کے خلاف ہو جائے تو تین کو قتل کر دو اور جب پانچ دو کے خلاف جمع ہو جائیں تو دو کو قتل کر دو اور اگر چھ ایک کے خلاف جمع ہو جائیں تو ایک کو قتل کر دو۔ انہوں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! میں انہیں قتل کر دوں؟ فرمایا: ہاں قتل کر دو، میں مسلمانوں کے مابین اختلاف نہیں دیکھنا چاہتا۔"

جواب:.... یہ روایت سند اور متن ہر لحاظ سے باطل ہے اور اصحاب شوری کی جو صحیح حقیقت ثابت ہے، اس کے مخالف ہے۔" حقیقت میں معاملہ ایسے ہے کہ اس جزوی مسئلہ، قصہ شوری کے متعلق صحیح روایت امام ابو بکر الخلال نے صحیح اسانید سے روایت کیا ہے جو کہ عمرو بن میمون کی سند سے ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا، تو آپ نے فرمایا: حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت طلحہ و زبیر اور عبد الرحمن بن عوف اور سعد رضی اللہ عنہم کو میرے پاس بلالاؤ۔ ان میں سے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی نہ آیا۔ آپ نے فرمایا: " اے علی! یقیناً یہ لوگ آپ کی قرابت داری کو بھی جانتے ہیں، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کا علم اور فقہ عطا کیا ہے اسے بھی جانتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو اور اگر تمہیں زمام حکومت مل جائے تو بنی فلاں کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط مت کر دینا۔

اور عثمان سے کہا: اے عثمان! یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرے سسرالی رشتہ کو اور تیری عمر اور شرف و منزلت کو جانتے ہیں۔ اگر تجھے زمام حکومت مل گئی تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنا اور بنی فلاں کو لوگوں کی گردنوں مسلط نہ کر دینا۔ پھر آپ نے فرمایا: صہیب کو میرے پاس بلالاؤ۔ ان سے کہا: تم تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ تا کہ یہ لوگ کسی ایک پر اتفاق کر لیں اور اس گروہ کو خلوت نشین رہنا چاہیے اور جب ان کا ایک پر اتفاق ہو جائے تو مخالفت کرنے والے کے سر کو قلم کر دو۔"[2]

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شوری کی مخالفت کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو منتخب شدہ خلیفہ المسلمین کا انکار کرے اور اپنی خلافت کا دعوید ار بنا پھرے۔ یہ صحیح حدیث پر عمل ہے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حد زنا کا اسقاط:

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی حد نہیں لگائی، حالانکہ چار آدمیوں نے گواہی پیش کی تھی۔ چوتھے نے ایسا کلمہ کہا جس سے حد کو ختم کر دیا۔ جب یہ چوتھا آدمی گواہی دینے کے لیے آیا تو آپ نے کہا: میں ایسے آدمی کا چہرہ دیکھ رہا ہوں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو رسوا نہیں کریں گے۔ جواب:.... حد کا نفاذ اس کے ثبوت پر ہوتا ہے۔ یہاں تو زنا ثابت ہی نہیں ہو سکا۔ کیونکہ چوتھے گواہ نے اس طرح گواہی دی ہی نہیں جس طرح دینا چاہیے تھی اور آپ کا شاہد کو تلقین کرنا ایک جھوٹا افسانہ ہے جو کہ دشمنان نے گھڑ لیا ہے۔ کیونکہ معتبر تاریخ جیسا کہ تاریخ بخاری، اور ابن اثیر اور دوسرے مصادر میں ہے کہ جب چوتھا گواہ زیاد بن ابیہ آیا تو اس سے پوچھا گیا کیا تم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح گواہی دیتے ہو؟ اس نے کہا: مجھے صرف اس قدر علم ہے کہ میں نے ایک جگہ پر کچھ نفوس دیکھے، جن کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں اور وہاں کچھ حرکت ہو رہی تھی اور اس کے پیٹ کے نیچے کچھ چھپا ہوا تھا، اور دو آدمی تھے جیسے گدھے کے کان۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم نے ایسے دیکھا ہے جیسے سرمہ کی سلائی سرمہ دانی میں؟ تو اس نے کہا: نہیں۔ اس وقت مجلس میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی دیگر صحابہ بھی موجود تھے اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:" میں ایسے آدمی کا چہرہ دیکھ رہا ہوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں سے ایک آدمی کو رسوا نہیں کریں گے۔ یہ جملہ حضرت مغیرہ نے اس وقت کہا تھا۔ جیسا کہ فریق مدعی علیہ کا گواہوں کے ساتھ موٗقف ہوتا ہے۔

خمس اہل بیت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

شبہ: .... حضرت عمر نے اہل بیت کو اس خمس سے حصہ نہیں دیا جو قرآن سے ثابت ہے۔

جواب:.... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذوی القربیٰ کا حصہ خمس سے نکالا کرتے تھے، اور اسے فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ حنفیہ کا فتوی بھی اسی پر ہے اور امامیہ کے ہاں ایک بڑی جماعت اسی کی قائل ہے۔ جب کہ شافعیہ کا قول یہ ہے کہ خمس الخمس میں امیر و فقیر برابر کے شریک ہیں اور یہ ان میں ایسے تقسیم ہو گا کہ ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا اور یہ صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب میں تقسیم ہو گا، دوسروں میں نہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسوہ پر گامزن رہے۔ امام طحاوی اور دار قطنی رحمہ اللہ نے محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں:" میں نے ابو جعفر محمد بن الحسن سے پوچھا: جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ذوالقربیٰ کے حصہ میں کیسے تصرف کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت پر گامزن رہے تھے۔" [1]

نماز تراویح کا شبہ:

ایک شبہ یہ ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دین میں ایسی چیزیں ایجاد کیں جو پہلے سے موجود نہیں تھیں۔ جیسا کہ باجماعت نماز تراویح کا قیام بھی ایک بدعت ہے۔ جیسا کہ خود انہوں نے اعتراف کیا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

جواب:.... اہل سنت والجماعت کے ہاں مشہور و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تین دن تک باجماعت نماز تراویح پڑھی۔ یہ رمضان کی راتوں کا واقعہ ہے۔ پھر آپ چوتھے دن اس اندیشہ کے پیش نظر تشریف نہ لائے کہ کہیں امت پر یہ فرض نہ ہو جائے۔"[2]

جب علت محذور زائل ہو گئی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خوبصورت سنت کو پھر سے زندہ کیا۔ فریقین کے ہاں ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب کوئی حکم کسی علت کے ساتھ مقید ہو، جس پر شارع کی طرف سے نص موجود ہو، تو علت کے زائل ہونے سے وہ حکم اٹھ جاتا ہے۔ رہ گیا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کے بدعت ہونے کا اعتراف کرنا، جیسا کہ آپ نے فرمایا "نعمت البدعۃ" یہ اچھی بدعت ہے۔" اگر اسے بدعت کا نام دیا بھی جائے تو یہ بدعت حسنہ ہے اور سابقہ حدیث ان ایجادات کے ساتھ خاص ہے جن کی کوئی اصل شریعت میں موجود ہی نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے تعریض اور تنبیہ کے طور ان لوگوں کے لیے کہا ہو، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بدگمانی کا شکار ہوتے ہوں۔ آپ کی مراد یہ ہو کہ اگر یہ معاملہ بعض بدگمان لوگوں کے نزدیک بدعت ہی ہے تو پھر یہ بہترین بدعت ہے۔ اس کا حقیقی معنی یہ ہوا کہ یہ کام بدعت نہیں ہے۔ اس کی مثال حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ شعر ہے:

وان کان رفضاً حبُّ آل محمدٍ فلیشهد الثقلان بأنّي رافضي

"اگر آل محمد سے محبت رکھنا رافضیت ہے، تو جن وانس کو گواہ رہنا چاہیے کہ میں رافضی ہوں۔"

آپ کا مقصد یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو کوئی آل بیت سے محبت رکھتا ہو، وہ رافضی ہی ہو، یہی معنی یہاں پر مطلوب ہے۔ اگر یہ کام بدعت ہوتا تو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اس پر کبھی خاموش نہ رہتے اور نہ کبھی اس پر موافقت کا اظہار کرتے۔ پھر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ امامیہ نے اپنی اسناد سے حضرت ابو جعفر سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں لوگوں میں خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر فرمایا: اے لوگو! تم پر ایسا مہینہ سایہ فگن ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یہ رمضان کا مہینہ ہے۔ اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی ایک رات میں نفل نماز کے لیے قیام دوسرے مہینوں کی ستر راتوں کے قیام کے برابر ہے۔"[1]

حضرت ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"جب رمضان کا مہینہ آجاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ نمازیں پڑھا کرتے۔ میں بھی زیادہ پڑھتا ہوں تم بھی زیادہ پڑھا کرو۔"[2]

رمضان میں زیادہ نماز پڑھنے کی بابت یہ صریح نص ہے۔ بلکہ امام جعفر خود بھی زیادہ نماز پڑھا کرتے، اور اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ محمد بن یحییٰ سے روایت ہے کہا کہ: میں ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ سے سوال کیا گیا: کیا رمضان کے مہینہ میں نفل نماز زیادہ پڑھی جا سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:" ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کے بعد اپنے مصلیٰ پر نماز پڑھا کرتے اور بہت زیادہ پڑھا کرتے اور لوگ آپ کے پیچھے جمع ہو جاتے تاکہ آپ کی نماز کی اقتدا میں نماز پڑھ سکیں۔ جب آپ کے پیچھے یہ تعداد بہت زیادہ ہو گئی، تو آپ نے انھیں چھوڑ دیا، اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے اور ایسا آپ نے کئی بار کیا تھا۔"[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں زیادہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ نماز عشاء کے بعد پڑھتے۔ لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے۔ کبھی کبھار آپ انھیں چھوڑ کر گھر میں داخل ہو جاتے۔ پھر آپ باہر تشریف لاتے اور صحابہ بھی آ کر آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے۔ آپ پھر انہیں چھوڑ کر گھر میں داخل ہو جاتے۔ نیز آپ فرماتے ہیں۔ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں عشاء کے بعد کوئی نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔[4]

ایک مجلس کی تین طلاق کی بدعت:

جواب:.... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بدعت ایجاد نہیں کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر گز بدعت ایجاد کرنے والے نہیں تھے۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی بدعتی نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سیاست شریعت سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ تشریع سے۔ ان دنوں کے مابین فرق ہے۔

تشریع:.... ایسا معاملہ ایجاد کرنا جو پہلے سے شریعت اسلام میں موجود نہ ہو۔ جبکہ شرعی سیاست یہ ہے کہ کسی شروع معاملہ میں لوگوں کو سنجیدگی اور پختہ عزم کے ساتھ ایک ہی راہ پر ڈال دینا۔

یہ بات بھی شرعی سیاست سے تعلق رکھتی تھی کہ لوگوں میں تین طلاق کے فیصلہ کو نافذ کیا جائے، یعنی انہیں تین ہی تصور کیا جائے۔ یہ شریعت سازی نہیں۔ شریعت سازی تو تب ہوتی جب کوئی ان تین طلاقوں کے ساتھ ایک چوتھی طلاق بھی زیادہ کر دی جاتی۔

(رواہ مسلم) اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی موافقت کی، صحابہ اس وقت کثرت کے ساتھ تھے۔

الصلاۃ خیر من النوم کا اذان میں اضافہ:

معترض کہتے ہیں کہ پھر آپ لوگ اس کی بدعت کو کیوں قبول کرتے ہو، جو کہ اس نے جملہ "الصلاۃ خیر من النوم" اذان میں داخل کیا اسے کس نے یہ حق دیا کہ نصوص نبوی اور وحی الٰہی کے مقابلہ میں اضافہ کرے۔

جواب:.... یہ قول "الصلاۃ خیر من النوم" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخترعات میں سے نہیں، بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ثابت شدہ سنت ہے، حضرت ابو محذورۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیجئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر آگے کی جانب ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "پہلے بآواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر کہو پھر آہستہ سے کہو: اشھد ان لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ اشھد ان لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ اور پھر کہو: اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اور پھر بلند آواز سے دونوں کلمے دہراؤ کہو: اشھد ان لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ اشھد ان لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ۔ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اور پھر کہو: حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ ؛ حی علی الفلاح حی علی الفلاح اور اگر صبح کی اذان ہو تو یوں کہو: الصلاۃ خیر مِن النوم ؛ الصلاۃ خیر مِن النوم پھر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ؛ لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ کھو۔"[1]

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فجر کی پہلی اذان دیا کرتا تھا حی علی الصلوٰۃ؛ حی علی الفلاح کے بعد کہتا: الصلاۃ خیر مِن النوم ؛ الصلاۃ خیر مِن النوم پھر اللّٰہ اکبر اللہ اکبر لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ۔"[2]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ: "الصلاۃ خیر من النوم" کا جملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ بدعت نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بد دعا:

کہتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہانے جاگیر فدک کے بارے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو وعظ کیا، تو انہوں نے اس بارے میں ایک تحریر لکھ کر دی، جس میں جاگیر فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس کی گئی تھی۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وہاں سے نکلیں تو ان کی ملاقات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، انہوں نے یہ تحریر لے کر جلادی۔ تو آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بد دعا دی، جس کے نتیجہ میں ابو لوکوئ نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔"

جواب:.... یہ ایسا جھوٹ ہے جس میں کسی عالم کو ذرا بھر بھی شک نہیں۔ یہ قصہ حدیث کا علم رکھنے والے کسی بھی عالم نے روایت نہیں کیا، اور نہ ہی اس کی کوئی معروف سند ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی جاگیر فدک انھیں لکھ کر نہیں دی۔ نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، نہ کسی دوسرے کو اور نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہانے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بد دعا کی اور جو کچھ ابو لوکوئ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، یہ آپ کے حق میں کرامت تھا اور یہ اس سے کئی گنا بڑھ کر ہے جو ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا اور جو کچھ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، بے شک ابو لوکو کافر تھا۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی قتل کیا جیسے کفار اہل ایمان کو قتل کرتے ہیں۔ یہ شہادت اس کی شہادت سے زیادہ بڑھ کر ہے جس میں مسلمان کسی مسلمان کو قتل کر دیں۔ کافروں کے ہاتھوں قتل ہونے والے کا مقام ومرتبہ، مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے سے بہت بڑا ہوتا ہے۔ ابو لوکوئ کے ہاتھوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا واقعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موت کے بہت بعد کا ہے۔ اس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت کا فاصلہ ہے

سوائے چھ ماہ کے تو پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ اتنی مدت بعد آپ کا قتل ہونا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بد دعا کی وجہ سے تھا۔ نیز جب دعا کرنے والا کسی مسلمان کو یہ بد دعا دے کہ " تمہیں کافر قتل کریں۔" تو یہ اس کے حق میں دعا ہے بد دعا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کے لیے کبھی کبھار ایسی دعا فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ کسی کے لیے کہتے: "اللہ تعالیٰ فلاں کی مغفرت کر دے۔" تو صحابہ کہتے: "کاش! اگر ان سے ہمیں مستفید ہونے دیا ہوتا۔" [1]

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لیے ان الفاظ میں دعا کیا کرتے تو وہ شہید ہو جاتا تھا۔

اگر کہنے والا یہ کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل صفین اور خوارج پر ظلم کیا تھا، حتی کہ انہوں نے آپ کو بد دعا دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ملجم نے آپ کو قتل کر دیا، تو پھر ان کے اصول میں یہ بات بھی معقولیت سے کچھ زیادہ بعید نہیں۔ ایسے ہی دعوی کرنے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آل سفیان نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو بد دعا دی تھی۔ جس کے نتیجہ میں آپ قتل ہوئے۔ (مگر یہ سب صرف دعوے ہیں جن کی کوئی دلیل یا حقیقت نہیں)۔

ازداج النبی رضی اللہ عنہم کو بیت المال سے ضرورت سے زیادہ دینا:

شبہ :.... آپ اَزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المال سے ضرورت سے زیادہ دیا کرتے تھے۔

جواب:.... حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اپنی بیٹی ہونے کی وجہ سے انہیں کم دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کم حصہ دیا کرتے تھے۔ یہ عدل میں آپ کے کمالِ احتیاط کی وجہ سے تھا۔ آپ کو اللہ کے سامنے پیش ہونے کا خوف تھا۔ آپ اپنے نفس کو خواہشات سے بہت زیادہ روکنے والے تھے۔ آپ کی رائے میں فضائل کی بنیاد پر عطیات میں فضیلت دی جاسکتی تھی۔ آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو دوسری خواتین کی نسبت بہت زیادہ دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ نبی ہاشم میں سے آل عباس اور آل اَبی طالب رضی اللہ عنہما کو دیگر تمام قبائل کی نسبت بہت زیادہ دیا کرتے تھے۔ آپ کا کسی کو فضیلت دینا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق، یا اس کی اسلام میں سبقت یا کسی دوسری فضیلت کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "اس مال کا کوئی ایک کسی دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں، بے شک یہ انسان اور اس کی تونگری، انسان اور اس کی آزمائشیں اور کسی کی مسابقت یا کسی آدمی کی ضرورت کے اعتبار

[1]صحیح بخاری ۳۱۹۶۔ مسلم : ۱۸۰۲۔

سے ہے۔" آپ ان لوگوں کو زیادہ نہیں دیا کرتے تھے جن کی وجہ سے آپ پر الزام آئے کہ آپ اپنی محبت، دوستی یا قرابت داری کی وجہ سے دیتے ہوں۔ بلکہ آپ اپنے بیٹے اور بیٹی کو کم دیا کرتے تھے جب کہ ان کے نظراء و امثال کو زیادہ ملتا تھا۔ آپ یہ فضیلت محض دینی اسباب کی بنیاد پر دیا کرتے تھے اور آپ اہل بیت کو باقی تمام لوگوں پر فضیلت اور تقدیم دیتے تھے۔

☆☆☆

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر صحابہ کا اجماع:

کہتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے خود صحابہ ہیں، ان میں پیش پیش حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُم المؤمنین ہیں، جو کہ آپ کو قتل کرنے اور آپ کا خون مباح ہونے کی منادی تمام لوگوں کے سامنے کرتی تھیں اور صحابہ نے آپ کا جثہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا۔ پھر آپ کو بغیر غسل اور کفن کے ایک ڈھیر میں دفن کر دیا گیا۔ جواب: .... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے اور نہ ہی اس پر راضی تھے۔ بلکہ اس کے برعکس صحابہ آپ کے دفاع کے لیے آپ کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنہ پھیلنے کا خوف تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے دفاع سے منع کر دیا۔ آپ کو علم تھا کہ آپ بحالت مظلومیت قتل کر دے جائیں گے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کی بشارت سنائی تھی، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتنہ کا ذکر کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اور اس فتنہ میں یہ مظلوم قتل ہو گا۔" یعنی حضرت عثمان۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

".... پھر ایک اور شخص نے اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے اور اس کے بعد فرمایا کہ:" اس کو آنے کی اجازت دو اور اس کو جنت کی بشارت دو اس مصیبت پر جو اس کو پہنچے گی۔" دیکھا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔" [1]

بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں شریک تھے اور انہوں نے قاتلین عثمان پر اپنے غضب کا اعلان کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہاتھ اٹھا کر قاتلین عثمان پر لعنت کیا کرتے تھے۔ عبد الرحمن بن لیلی کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ اپنے دامن اٹھائے ہوئے دعا کر رہے تھے:

" اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں خون عثمان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔"

عمیرہ بن سعد کہتے ہیں: "ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرات کے کنارے پر تھے۔ آپ نے فرمایا: وہاں سے ایک کشتی کا گزر ہوا جس کے بادبان اٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ [الرحمن: ۲۴]

"اور اسی کے ہیں بادبان اٹھائے ہوئے جہاز سمندر میں، جو پہاڑوں کی طرح ہیں۔" وہ ذات جس نے انہیں اپنے سمندروں میں سے ایک سمندر میں پیدا کیا، اس کی قسم ہے! میں نے نہ ہی عثمان کو قتل کیا، اور نہ ہی ان کے قاتلین پر خوش ہوا۔"[1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا: میرے ساتھ پانچ سو افراد ہیں۔ آپ اجازت دیں ہم ان لوگوں سے آپ کی حفاظت کریں۔ اس لیے کہ آپ ایسا کام کر رہے ہیں جس سے یہ لوگ آپ کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:" اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میری وجہ سے خون بہایا جائے۔"(تاریخ دمشق) حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی اولادیں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں شریک تھیں۔ محمد بن سیرین سے روایت ہے: حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت عبداللہ ابن عمر ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور مروان یہ تمام لوگ اسلحہ اٹھائے ہوئے چلے، حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:" میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم اپنے گھروں کو پلٹ جاؤ، اور اسلحہ رکھ دو، اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔" [2]

کنانہ مولیٰ صفیہ کہتے ہیں:" میں مقتل عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت موجود تھا میرے سامنے اس گھر سے چار قریشی نوجوان خون آلود نکالے گئے جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کر رہے تھے یہ نوجوان حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی، حضرت عبداللہ بن زبیر، اور محمد بن حاطب اور مروان بن حکم تھے۔[3]

حضرت سلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں: "بے شک ابو قتادہ الانصاری اور ان کے ساتھ ایک دوسرا انصاری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت محصور تھے۔ انہوں نے حج پر جانے کی اجازت چاہی۔ تو آپ نے اجازت دیدی۔ پھر انہوں نے پوچھا: اگر یہ لوگ غالب آ گئے تو ہم کس کا ساتھ دیں؟ آپ نے فرمایا: تم پر جماعت کی اتباع لازم ہے۔ انہوں نے کہا: اگر یہ لوگ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائیں اور جماعت ان میں ہو تو؟ آپ نے فرمایا:" جماعت کا ساتھ دو، وہ جہاں کہیں بھی ہو۔" کہتے ہیں: "جب ہم ان کے پاس سے نکلے اور دروازہ تک پہنچے تو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، وہ اندر داخل ہو رہے تھے۔ ہم بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے واپس آئے تاکہ دیکھیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے تو انھوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں آپ کے زیر دست ہوں، جس چیز کا چاہیں مجھے حکم دیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! واپس چلے جاؤ، اور اپنے گھر میں بیٹھے رہو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ آ جائے۔ مجھے خون بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"[1]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: "میں نے یوم الدار میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: باہر نکلیں اور ان سے قتال کریں۔ بے شک آپ کے ساتھ اتنے لوگ ہیں کہ ان سے کم لوگوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی مدد آتی تھی۔ اللہ کی قسم! انھیں قتل کرنا حلال ہے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔"[2]

حضرت ابن زبیر سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے، انہوں نے کہا: ''اللہ نے آپ کے لیے ان سے قتال کرنا حلال کیا ہے'' تو حضرت عثمان نے کہا: '' نہیں، اللہ کی قسم! میں ان سے کبھی نہیں لڑوں گا۔'' [3]

حضرت ابن عمر نے ''یوم الدار'' میں دوبارہ اپنی درع پہنی، اسلحہ اٹھایا، تلوار لٹکائی۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان نے آپ کو قسم دی کہ یہاں سے چلے جائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے قتل ہو جائے کا خوف تھا۔[4]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آج آپ کے دفاع میں لڑنا بہت اچھا رہے گا۔'' تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو اللہ کا واسطہ دیا کہ یہاں سے چلے جائیں۔[5]

ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے، اور کہا: یہ انصار دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ وہ دوسری بار اللہ کے انصار بنیں تو.... الخ اس پر آپ نے فرمایا:

''جہاں تک جنگ کا تعلق ہے، تو میں یہ نہیں چاہتا۔''[1]

ایک ثقہ راوی قیس بن حازم کہتے ہیں، میں نے سعید بن زید سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: لیکن تم لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے اگر احد پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائے تو اسے ایسا کرنا ہی چاہئے۔''[2]

خالد بن ربیع العبسی کہتے ہیں: ہمیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیماری کا علم ہوا۔ تو حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ سوار ہو کر مدائن کی طرف ان کی عیادت کے لیے نکلے۔ میں بھی ان میں تھا۔ کہتے ہیں: پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا تذکرہ ہوا۔ تو انھوں نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں نہ تو وہاں موجود تھا، نہ میں نے قتل کیا، اور نہ اس قتل پر راضی ہوا۔'' [3]

صحابی رسول حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہی کہ میری ملاقات حضرت حذیفہ سے ہوئی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقتل کا تذکرہ چھیڑا، تو انھوں نے کہا: امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا: آگاہ رہنا یہ لوگ انہیں قتل کریں گے۔ میں نے کہا: حضرت عثمان! آپ کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: جنت میں۔ میں نے پوچھا: آپ کو قتل کرنے والے کہاں ہیں؟ تو فرمایا: جہنم میں۔''[4] حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں آسمان سے منہ کے بل گر پڑوں یہ مجھے اس بات کی نسبت پسند ہے کہ میں حضرت عثمان کے قتل میں شریک بنوں۔''[5] حضرت ابو موسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اگر قتل عثمان ہدایت پر ہوتا تو لوگ اس سے دودھ کی نہریں بہاتے۔ لیکن آپ کو قتل کیا جانا نری گمراہی تھا، یہی وجہ ہے کہ اب وہ خون دھو رہے ہیں۔''[6] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مجھے ہر گز اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ میں حضرت کی طرف ایک تیر ہی پھینکوں بھلے وہ نشانہ تک پہنچے یا ٹل جائے، اور اس کے بدلہ میں مجھے احد پہاڑ کے برابر سونا مل جائے۔'' [7]

ریطہ مولی اسامہ بن زید سے روایت ہے، کہتی ہیں: " مجھے اسامہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ آپ نے یہ کہلایا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کے گھر میں نقب لگا کر آپ کو نکال دیں، حتیٰ کہ آپ اپنے امن کے مقام تک پہنچ جائیں، تو آپ کے اطاعت گزار آپ کے نافرمانوں سے لڑیں ۔"[1] حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "میں نے محصوری کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کی حفاظت کی خاطر قتال کر سکتے ہیں۔"[2]

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو کبھی بھی اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکو گے۔"[3] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہونا دین اسلام میں نقب لگانا اور سوراخ کرنا تھا اور یہ زخم روز قیامت تک مندمل نہیں ہو سکتا اور خلافت اہل مدینہ میں تھی۔ انہوں نے خلافت کو وہاں سے باہر نکالا، دوبارہ کبھی بھی وہ واپس یہاں نہیں آئے گی۔"[4] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہوئی آپ دس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حج پر ان کے نائب تھے، جس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے۔ میں نے ان کے قتل ہونے کی اطلاع عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دی۔ تو آپ پر یہ خبر بہت گراں گزری۔ اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ ان لوگوں میں سے تھے، جو عدل وانصاف کا حکم دیتے میری خواہش تھی کہ آج کے دن میں قتل ہو گیا ہوتا۔"[5] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عظیم الشان مؤقف پیش کرنے کے بعد ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہ حضرات نہ آپ کے قتل میں شریک تھے اور نہ اس جلیل القدر صحابی کے قتل پر راضی تھے۔ امامیہ کی اسناد کے مطابق مشہور شیعہ مؤرخ اپنی کتاب مروج الذہب میں کہتا ہے: "جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی کہ باقی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کو ان کے موالین کے ہمراہ مسلح کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نصرت کے لیے ان کے دروازے پر بھیج دیا اور انہیں حکم دیا کہ ان شر پسندوں سے آپ کی حفاظت کریں۔ حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے محمد کو، اور صحابہ نے اپنے بیٹوں کو ان حضرات کی اقتداء میں روانہ کیا، اور انہوں نے جا کر گھر کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔"[1] & یہ دعوی کرنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والوں میں پیش پیش تھیں، یہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ اس روایت کا مدار نصر بن مزاحم پر ہے۔ عقیلی نے اس کی بابت کہا ہے کہ یہ آدمی شیعہ تھا اور اس کی روایات میں اضطراب اور بہت زیادہ خطاء پائی جاتی ہے۔[2] علامہ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "بدترین رافضی تھا، اس وجہ سے متروک ہے۔"[3]

ابو خیثمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "بہت بڑا کذاب تھا۔"[4] ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: "انتہائی ضعیف الحدیث اور متروک تھا۔"[5] دار قطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ضعیف راوی ہے۔"[6]

علامہ جوزجانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "نصر گمراہ اور حق سے ہٹا ہوا انسان تھا۔" صالح بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: "نصر بن مزاحم ضعیف راویوں سے منکر احادیث روایت کیا کرتا تھا۔" حافظ ابو الفتح محمد بن حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں:" نصر بن مزاحم اپنے مذہب میں غالی تھا۔"[7] ان اقوال کی روشنی میں اس روایت کو بنیاد نہیں بنایا جا سکتا، اور نہ ہی یہ روایت قابل التفات ہے۔ بالاضافہ یہ ان صحیح روایات کے بھی خلاف ہے جو اس روایت کے متناقض ہیں ۔ صحیح اور ثابت شدہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقتل عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑا دکھ اور تکلیف پہنچی۔ آپ نے

قاتلین عثمان پر بد دعا کی۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "تم لوگوں نے اس کو ایسے چھوڑ دیا جیسے میل سے صاف و شفاف کپڑا پھر تم اس کے قریب ہوئے، اور انھیں ایسے ذبح کرنے لگے، جیسے مینڈھا ذبح کیا جاتا ہے۔" مسروق کہتے ہیں: "میں نے ان سے کہا: یہ تو تمہارا کارنامہ ہے تم نے لوگوں کو خطوط لکھ کر انھیں بغاوت پر بھارا۔" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے اس ہستی کی قسم جس پر ایمان والے ایمان لائے اور کافروں نے جس کا کفر کیا۔ میں نے کسی سفید ورق پر اس مجلس میں بیٹھنے تک ایک سیاہ حرف بھی تحریر نہیں کیا۔" امام اعمش کہتے ہیں:" اور ان کی رائے یہ تھی کہ آپ کی زبان پر خطوط تحریر کیا کرتے تھے۔" [1]

امام احمد "الفضائل" میں یہ حدیث لائے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقتل کے بارے میں فرمایا کرتی تھیں کہ کاش میں نسیًا منسیًا ہو گئی ہوتی اور جو کچھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، اللہ کی قسم! میں نے کبھی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں کوئی ایسی بات نہیں سوچی۔ مجھے یہ بات اس سے بڑھ کر محبوب تھی کہ آپ کی جگہ اگر میں قتل ہو گئی ہوتی۔"[2] ابن شبہ نے طلق بن حشان سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:"میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: حضرت عثمان کیسے قتل ہوئے؟ آپ نے فرمایا: مظلوم قتل ہوئے، اللہ تعالیٰ آپ کے قاتلوں پر لعنت کرے۔"[3] امام احمد رحمہ اللہ نے سالم بن جعد سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں : ہم ابن حنفیہ کے ساتھ ایک گھاٹی میں تھے، ہم نے ایک آدمی کو سناوہ گستاخی کر رہا تھا، اور وہاں پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ اس نے کہا: اے ابن عباس! آپ نے یہ سنا ہے کہ ایک رات دوسرے لشکر کی طرف سے ایک شور کی آواز حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے سنی۔ آپ نے فلاں بن فلاں کو پتہ کرنے کیلئے بھیجا کہ جاؤ دیکھو یہ آواز کیسی ہے۔ وہ واپس آیا اور کہا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین پر لعنت کر رہی ہیں، اور لوگ اس پر آمین کہہ رہے ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " میں بھی پہاڑوں اور وادیوں میں قاتلین عثمان پر لعنت کرتا ہوں ۔ اے اللہ! قاتلین عثمان پر لعنت کر اے اللہ! پہاڑوں اور وادیوں میں قاتلین عثمان پر لعنت کر۔" پھر ابن حنیفہ اس آدمی کی طرف اور ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا مجھ میں اور ابن عباس میں عادلانہ گواہی نہیں دیکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں، تو انھوں نے فرمایا:" پھر معاملہ ایسے ہی تھا۔"[4] تمام مؤرخین جانتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرتے ہوئے نکلی تھیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ یہ بھی اعلان کریں کہ بڑھے بجو کو قتل کر دو۔ کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ جہاں تک محمد بن ابی بکر کا تعلق ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو اس وقت اس کی عمر چار ماہ بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ تو کیا اس کا شمار بھی مشاہیر صحابہ میں ہو گا، جیسا کہ ان معترضین کا خیال ہے؟[1]

جہاں تک حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے، تو صحیح اور ثابت شدہ روایات واضح کرتی ہیں کہ انہوں نے قتل عثمان پر انتہائی درجہ کا دکھ و کرب محسوس کیا، بلکہ ان حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کی کوشش کی تھی۔ حضرت ابو حبیبہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: " حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اس وقت آپ محصور تھے۔ میں ایک سخت گرم دن میں آپ کے پاس پہنچا، آپ اپنی کرسی پر تشریف فرما تھے اور ان کے پاس حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ان کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ میں نے عرض کیا: مجھے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ کو سلام

دے رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کی اطاعت پر قائم ہوں، بدلا نہیں ہوں اور نہ ہی عہد توڑا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں بھی آپ کے ساتھ اس دار میں داخل ہو جاؤں اور باقی قوم کا ایک فرد بن کر رہوں اور اگر چاہیں تو آپ کی حفاظت کے لیے کھڑا ہو جاؤں۔ بے شک بنی عمرو بن عوف نے مجھے سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے دروازہ پر رہیں گے اور پھر وہ ایسے ہی کریں گے جیسے میں انھیں حکم دوں گا۔" جب آپ نے یہ پیغام سنا تو فرمایا: اللہ اکبر، الحمدللہ کہ اللہ نے میرے بھائی کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ انہیں میرا اسلام پہنچائیں اور ان سے کہیں کہ دار امارت میں داخل نہ ہوں اور اگر ایسا کریں گے تو وہ بھی باقی قوم کی طرح ایک فرد ہوں گے اور تمہارا موجودہ ٹھکانہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، شاید کہ اللہ آپ کے ذریعہ مجھ سے یہ مصیبت دور کر دے۔" جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام سنا تو کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: کیا میں آپ کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے ان دو کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ کہنے لگے: ضرور۔ تو آپ نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: "میرے بعد فتنے اور عجیب قسم کے امور ظہور پذیر ہوں گے۔" ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان سے نجات کہاں ملے گی؟

تو آپ نے فرمایا: "امین اور اس کی جماعت کے پاس" اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ہماری نظریں کچھ اور دیکھ رہی ہیں۔ آپ ہمیں جہاد کی اجازت مرحمت فرمائیں۔" تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں ان لوگوں کو قسم دیتا ہوں جن پر میری اطاعت لازم ہے کہ وہ قتال نہ کریں۔" [1]

اس میں دو افراد کا اختلاف نہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خون کا سب سے پہلے مطالبہ کرنے والے حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا چاہتے تھے اور اسی غرض سے نکلے تھے۔

☆ یہ کہنا کہ صحابہ نے آپ کی لاش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے روکا اور آپ کو ایک ڈھیر پر دفن کیا گیا، وہ ایک یہودی عورت کی زمین تھی اور آپ کو بغیر غسل اور کفن کے دفن کیا گیا۔

جواب:.... یہ ڈھیر نما جگہ کسی یہودیہ کی ملکیت نہیں تھی اور جیسے معاملہ بیان کرتے ہیں مطلق طور ایسے بھی نہیں ہوا۔ بلکہ یہاں پر ڈھیریا "حش" سے مراد باغیچہ ہے۔

یہ باغیچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوکب نامی انصاری سے خریدا تھا اور جب آپ فوت ہوئے تو آپ کو آپ کے خرید کردہ بستان میں دفن کیا گیا، اب اس میں حرج والی بات کون سی ہے؟ یہود تو اس وقت مدینہ میں موجود ہی نہ تھے۔ یہود کو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کر دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان باقی ماندہ یہود کو الجزیرہ کی طرف نکال دیا تھا اور پھر یہ کہ اکثر صحابہ مدینہ میں نہیں تھے۔ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو موسم حج میں قتل کیا گیا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ میں تھے اور کچھ یمن و شام اور کوفہ وبصرہ اور خراسان میں اسلامی لشکروں میں فتح کے پھریرے لیے چل رہے تھے۔ اہل مدینہ تو مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا حصہ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ظالموں کی ولایت:

☆ یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو والی اور امراء بنایا تھا جن سے ظلم وخیانت اور دیگرے برے اعمال صادر ہوئے تھے، جیسے ولید بن عقبہ، جس نے شراب پی کر لوگوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی اور اس نے فجر کی چار رکعت نماز پڑھا کر پوچھا: کیا اور زیادہ پڑھائی جائے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی ولایت تفویض کی، جو حقیقت میں چار ممالک سے عبارت تھی۔ اس سے اس نے قوت پکڑی، حتیٰ کہ امیر المؤمنین سے جھگڑا کیا، اور ان کی خلافت کے ایام میں ان کے خلاف بغاوت کی اور عبد اللہ بن سعد کو مصر کا والی بنایا، جس نے اہل مصر پر بہت زیادہ ظلم کیا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ مدینہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور مروان کو اپنا وزیر اور کاتب مقرر کیا، جس نے محمد بن ابو بکر کے خلاف مکارانہ چال چلی اور خط لکھا کہ اسے پکڑ کر قتل کر دو اور ان امراء کے متعلق اطلاعات ملنے کے بوجود انہیں معزول نہیں کیا۔ حتیٰ کہ لوگ غصہ سے پھٹ پڑے اور انجام کار آپ کے قتل پر اختتام پذیر ہوا۔ ''اور جس کی یہ حالت ہو، وہ امامت کا مستحق نہیں ہے۔''

جواب: .... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض ان گورنروں کو معزول کیا تھا، جن کی بد حالی آپ پر واضح ہو گئی تھی جیسا کہ ولید۔ جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کے عہد میں کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی جس کی وجہ سے انہیں معزول کیا جاتا۔ بلکہ آپ نے بہت بڑی خدمات پیش کی تھیں۔ جیسے کہ اہل روم سے جہاد کرنا اور ان کے کئی شہر فتح کرنا۔ اور کئی وہ شکایات جو کہ عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق تھیں، وہ سب عبد اللہ بن سبا کی من گھڑت جھوٹی کہانیاں تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابو مروان حکم بن العاص کی مدینہ واپسی:

شبہ:.... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بن العاص کو مدینہ میں داخل کیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جلاوطن کیا تھا۔
جواب:.... اگر اس قصہ کو بالفرض صحیح تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس لیے نکالا تھا کہ وہ منافقین سے محبت کرتا تھا اور فتنے بھڑکاتا تھا اور کفار کی مدد کرتا تھا۔ جب کفر ونفاق ختم ہو گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام قوی ہو گیا تو اب اس کو واپس مدینہ لانے میں کوئی ممانعت باقی نہ رہی۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ فریقین کے ہاں مسلمہ اصول ہے کہ: جب حکم کسی علت پر مبنی ہو تو علت کے ختم ہونے سے حکم ختم ہو جاتا ہے۔ حضرات شیخین کے اس کو واپس نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا خیال تھا کہ یہ ابھی تک ویسے ہی ہے جیسے عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ یہ گمان بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ختم ہو گیا۔ اس لیے کہ حکم آپ کا بھتیجا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود کہا تھا: اس وجہ سے اس پر اعتراض تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض موت میں آپ سے واپس مدینہ میں لانے

کی اجازت لے لی تھی۔ یہ بات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دوسرا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی اور ایسا ہی معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا اور جب میری باری آئی تو میں نے وہی کچھ کیا جس کا مجھے علم تھا اور یہ بھی ثابت ہے کہ حکم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری عہد میں نفاق سے توبہ کر لی تھی اور جھوٹ بولنا اور دیگر جرائم ترک کر دے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اقرباء پروری:

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ اور قرابت داروں کو بہت زیادہ مال دیا اور بیت المال کے مال کو کثرت کے ساتھ نامناسب مقامات پر خرچ کرتے تھے۔ جو کہ آپ کے فضول خرچ ہونے کی دلیل ہے۔ آپ نے حکم کو ایک لاکھ درہم دیے اور افریقہ کا خمس مروان کو دیا۔ (یعنی خمس کا خمس نہ کہ کامل خمس) اور خالد بن سعید جب یہ مال لے کر مدینہ آیا، تو اسے تین لاکھ درہم دیئے۔ اس کے علاوہ بھی، ان کی فضول خرچی، اور بے جا اسراف کے واقعات بہت زیادہ ہیں۔ جس کی یہ حالت ہو تو وہ امامت کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب:.... اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واقعی اسی طرح خرچ کرتے تھے، تو یہ خرچ ان کے ذاتی مال سے تھا، بیت المال سے نہیں۔ آپ خلیفہ بننے سے قبل بھی بڑے مالدار لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ کتب سیرت کا مطالعہ کرنے والا انسان ضرور اس امر کا اعتراف کرے گا۔ آپ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ اور مہاجرین وانصار کی ضیافت کرتے تھے اور ہر روز انہیں کھانا کھلاتے تھے۔ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے منادی کرنے والے کو دیکھا، وہ اعلان کر رہا تھا، اے لوگو! کل اپنے عطیات لینے کے لیے پہنچ جانا۔ پھر اگلے دن لوگ پہنچ جاتے اور وافر مقدار میں حصہ لیتے۔ پھر منادی ہوتی۔ اے لوگو! کل اپنا رزق (غلہ) لینے کے لیے پہنچ جانا، تو لوگ اگلے دن پہنچ جاتے، اور اپنی ضرورت کا سارا سامان لے لیتے، حتیٰ کہ اللہ کی قسم میں نے اپنے، ان دونوں کانوں سے یہ منادی سنی! لوگو: کل اپنے کپڑے لینے کے لیے پہنچ جانا۔ لوگ جاتے اور کپڑے اور زیور حاصل کر لیتے۔'' [1]

تاریخ کی کتب کا مطالعہ کرنے والا انسان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ سے واقف ہے اور کسی ایک سے بھی یہ نقل نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا موجب طعن ہے۔

جو بات عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے خمس کا پانچواں حصہ اس کے جہاد فی سبیل اللہ کی قدردانی میں اس کو دیا تھا اور پھر وہ بھی اس نے واپس کر دیا۔

بیت المال کی اراضی کی اقارب میں تقسیم:

بیت المال کی اراضی کی اقارب میں تقسیم اور مسلمانوں کے حقوق کی تلفی:

جواب:.... آپ لوگوں کو بنجر زمین آباد کرنے کی اجازت دیتے تھے اور جو کوئی ایسی زمین آباد کر لیتا، وہ اس کی ملکیت ہوتی۔ اس کی دلیل یہ حدیث نبوی ہے:" بنجر زمین اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور جو کوئی اس میں سے کچھ حصہ آباد کرے وہ اسی کی ہے۔"[1]

آپ نے کسی ایک کو زندہ اور آباد زمین ہبہ نہیں کی جیسا کہ تاریخ کا علم رکھنے والوں کو اس کا پتہ ہے۔

عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر ہرمزان کی قصاص کا عدم نفاذ:

ایک اعتراض...." حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شرعی حدود کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ چنانچہ اہواز کے بادشاہ ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا تھا حالانکہ وہ[ہرمزان] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام لا چکا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے میں شریک ہونے کی تہمت تھی۔ حالانکہ آپ کا قاتل صرف ابولؤلؤ تھا اور اس کی بیٹی کو بھی قتل کیا گیا اور ایسے ہی ایک اور عیسائی پر بھی یہی تہمت لگا کر قتل کیا گیا۔ تمام صحابہ اس پر یک زبان تھے کہ عبید اللہ سے قصاص لیا جائے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت نہیں کی بلکہ اپنی جیب سے ہرمزان کی دیت ادا کر دی۔" پس ایسا انسان امام بننے کا اہل نہیں تھا۔

جواب: ....اس مذکورہ بالا صورت میں قصاص ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ہرمزان کے وارث مدینہ میں نہیں تھے، بلکہ فارس میں تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف آدمی بھیجا تو وہ مدینہ میں نہیں آئے خوف کی وجہ سے۔ جیسا کہ مرتضی نے بعض کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ [2] قصاص کے لیے مقتول کے تمام ورثاء کا حاضر ہونا شرط ہے، جیسا کہ حنفیہ کا مذہب بھی ہے، اب صرف دیت کی صورت میں باقی رہ گئی تھی۔ تو آپ نے دیت بیت المال سے ادا کی، قاتل کے مال سے نہیں۔ اور اس لیے بھی کہ ابولؤلؤ کی بیٹی مجوسی تھی اور جفینہ نصرانی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:" کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔"[3] یہ ان[امامیہ] کے نزدیک بھی ثابت ہے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبید اللہ سے قصاص لیتے تو بہت بڑا فتنہ پیدا ہو جاتا۔ کیونکہ بنو عدی اور بنو تیم اس قتل کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر عثمان اس سے قصاص لیں گے تو ہم ان سے جنگ کریں گے۔ جیسا کہ عمرو ابن العاص بنی سہم کے سردار نے منادی کرائی تھی کہ کیا کل امیر المؤمنین کو قتل کیا گیا ہے اور آج ان کے بیٹے کو قتل کر دیا جائے گا؟ اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ ان کے ہاں بھی ایسے ہی ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان سے صرف فتنہ بپا ہونے کے خوف سے قصاص نہ لے سکے تھے۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور منی میں چار رکعت نماز:

شبہ: .... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدل ڈالا۔ منی میں چار رکعت نماز پڑھی۔ جواب: ....اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت مسافر نہیں تھے، کیونکہ انہوں نے مکہ میں شادی کر کے وہاں پر گھر بنا لیا تھا اور اس مبارک سرزمین پر قیام پذیر تھے۔ جب صحابہ کو حقیقت حال کا علم ہوا تو ان کا اشکال وانکار ختم ہو گیا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پٹائی:

شبہ:.... حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پٹائی لگائی حتیٰ کہ ان کی آنتیں پھٹ گئیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پیٹا، حتیٰ کہ ان کی پسلیاں توڑ دیں، اور ان سے عطیات کو روک لیا۔

جواب:.... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پٹائی، اور ان سے عطیہ روکنا کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اور یہی حال حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پٹائی کے قصہ کا بھی ہے۔ اگر ان کی آنتیں پھٹی ہوتیں تو کبھی بھی اتنا لمبا عرصہ زندہ نہ رہتے۔ ان شبہات کا جواب علماء نے کئی طرح سے دیا ہے۔ ہمیں ان میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ یہ تمام واقعات باطل پر مبنی ہیں اور حق کی بنیاد باطل پر نہیں قائم ہو سکتی اور وقت کو جھوٹ کا مقابلہ کرنے میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس سلسلہ کی اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

☆☆☆

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق شبہات جنگ جمل اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

ایک مؤلف کہتا ہے: ہم جنگ جمل کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس کی آگ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھڑکائی۔ اس وقت اس لشکر کی قیادت وہی کر رہی تھیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا گھر سے کیسے نکل سکتی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گھروں میں استقرار کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ [الاحزاب: ۳۳]

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔''

ہمارا سوال یہ ہے کہ ام المؤمنین نے کیسے امیر المؤمنین خلیفہ مسلمین سے قتال کو جائز سمجھا، جبکہ آپ ہر مؤمن مرد اور عورت کے ولی ہیں؟

جواب:.... یہ کہنا کہ جنگ جمل کی آگ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بھڑکائی، یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ و قتال کے لیے نکلی ہی نہیں تھیں۔ بلکہ مسلمانوں کے مابین اصلاح کی غرض سے نکلی تھیں۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ آپ کے نکلنے میں مصلحت ہے۔ لیکن پھر ظاہر ہوا کہ آپ کا نہ نکلنا بہتر تھا۔ آپ کو اس پر بہت ندامت بھی ہوئی، اور یہ ثابت ہے کہ آپ فرمایا کرتی تھیں:'' مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں ایک ہری ٹہنی ہوتی، مگر اس سفر پر نہ نکلتی۔''[1]

فرض کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما سے مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑی تھیں، تو یہ جنگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے:

﴿ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ () إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ [الحجرات: ۹-۱۰]

"اور اگر مؤمنین کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کیساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن تو بھائی ہی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

ان آیات میں، ان کے مابین لڑائیوں کے باوجود دونوں فریقوں کے لیے ایمان ثابت مانا گیا ہے۔ جب اس آیت کے مقصود میں عام اہل ایمان داخل ہیں، تو اہل ایمان کے سردار اور بہترین لوگ سب اس آیت کے مطلوب میں داخل ہیں۔

۲۔ گھروں میں استقرار کے ساتھ رہنے کا حکم مصلحت کے لیے گھر سے نکلنے کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ حج و عمرہ کے لیے، یا شوہر کے ساتھ سفر پر نکلنا۔ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں نازل ہوئی، اس کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو ساتھ لے کر سفر پر نکلتے رہے۔ جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات آپ کے ساتھ سفر پر تھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بٹھا کر روانہ فرمایا، اور وہ تنعیم سے عمرہ کے لیے تیاری کر کے واپس حرم لے گئے۔ حجۃ الوداع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین ماہ سے بھی کم عرصہ قبل کا واقعہ ہے۔ ازواج مطہرات نے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تھا، ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حج کرتی رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت عبد الرحمن بن عوف کو بھیجا کرتے تھے۔ ان کے یہ اسفار مصلحت کے پیش نظر جائز تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ ان کا یہ سفر مسلمانوں کی مصلحت کے لیے ہے۔ اس لیے وہ اس تاویل کا شکار تھیں۔

☆ اگر ہم تاریخ طبری کو ایک بار سنجیدہ نظر سے دوبارہ دیکھیں، جس نے سن ۳۶ھ کے واقعات تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی بصرہ آمد کی غرض اصلاح کے سوا کچھ نہ تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرو کو اہل بصرہ کی طرف روانہ کیا تاکہ ان سے بغاوت کا سبب دریافت کریں۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ جب بصرہ پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سلام کیا اور دریافت کیا: ماں جی! آپ کس وجہ سے یہاں تک تشریف لائی ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: میرے بیٹے! لوگوں میں اصلاح کی خاطر۔ کہا: پھر حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو بلا لیجئے تا کہ آپ میری اور ان کی گفتگو سن سکیں۔ آپ نے آدمی بھیج کر ان دونوں کو بلالیا۔ تو سیّدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ام المؤمنین سے دریافت کیا تھا کہ آپ یہاں کیوں تشریف لائی ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ لوگوں میں اصلاح کے لیے آئی ہوں، کیا آپ دونوں ان کی مطابعت کرتے ہو یا مخالفت؟ تو دونوں نے کہا: ہم متابعت کرتے ہیں۔" [1]

یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ہزاروں مسلمانوں کے قاتل وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ چنانچہ مؤرخ کہتا ہے: جب لوگ اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے گئے، اور انہیں اطمینان ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ وزبیر نکلے اور انہوں نے آپس میں گفتگو کی اور اختلافی امور زیر بحث لائے۔ انہوں نے دیکھا کہ جنگ بندی اور صلح سے بڑھ کر بہتر کوئی معاملہ نہیں۔ پس وہ اپنے مؤقف پر متفرق ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر میں اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما اپنے لشکر میں چلے گئے اور شام کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی طرف، اور حضرت طلحہ وزبیر نے محمد بن طلحہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تا کہ ہر گروہ اپنے لشکروں کو سمجھادے۔ کہنے لگے ایسا ہی ہو گا۔ جمادی الآخرہ کی شام کو حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہمانے اپنے لشکر کے سرداروں کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے سرداروں کو پیغام بھیجا، صرف وہ لوگ رہ گئے جو خون عثمان میں ملوث تھے۔ یہ رات انہوں نے صلح پر گزاری اور یہ رات عافیت کی ایسی رات تھی کہ اس سارے عرصہ میں ایسی رات نہ آئی۔ اس لیے کہ معاملہ افہام وتفہیم اور صلح کے دروازہ پر تھا۔ مگر شر پسندوں کے لیے یہ رات سب سے بری رات تھی۔ انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تھا۔ پس وہ ساری رات آپس میں مشورہ کرتے رہے۔ صبح کے قریب ان کا اتفاق ہوا کہ خفیہ طور پر جنگ بھڑکائی جائے، اور اس معاملہ کو انتہائی رازداری میں رکھا کہ کہیں ان کے شر کی خبر لوگوں کو نہ ہو جائے۔ وہ صبح کے اندھیرے میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ ان کے اڑوس پڑوس والوں کو بھی اس کی خبر بھی نہ ہو سکی اور پھر اندھیرے میں ہی اپنی کارروائیوں میں لگ گئے۔ حتیٰ کہ مضر کے لوگ مضر کی طرف، ربیعہ ربیعہ کی طرف، اور یمنی یمنی کی طرف چل نکلے، اور اسلحہ چلنے لگا۔ اہل بصرہ بھی اس جنگ میں کود پڑے حتیٰ کہ دونوں اطراف کے لوگ آپس میں لڑنے لگے۔"[2] مؤرخ طبری کہتے ہیں: "اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے فرمایا:

"اے کعب! اونٹ کو چھوڑ دو، اور قرآن لے کر آگے بڑھو، اور لوگوں کو قرآن کی طرف بلاؤ، اور آپ نے قرآن کا نسخہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو تھمادیا۔" دوسرا لشکر پیش قدمی جاری رکھے ہوئے تھا۔ سبائی ان کے آگے آگے تھے۔ انہیں خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں ان کے مابین صلح نہ ہو جائے۔ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ مصحف لے کر آگے بڑھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پیچھے تھے، وہ اپنے لشکر کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے، مگر وہ آگے بڑھنے کے علاوہ کوئی بات ماننے پر تیار نہ تھے۔ جب حضرت کعب نے انہیں آواز دی، تو انہوں نے ایک تیر مار کر ان کا کام تمام کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہودج پر تیر برسائے۔ آپ پکارنے لگیں: "اے میرے بیٹو! بقیہ بقیہ۔ آپ کی آواز بلند ہو رہی تھی، اللہ اللہ، اللہ کو یاد کرو، اور حساب کے دن کو یاد کرو۔ مگر وہ لوگ برابر آگے بڑھتے رہے۔ جب انہوں نے پیش قدمی نہ روکی، تو آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ قاتلین عثمان پر لعنت شروع کی، فرمایا: اے لوگو! قاتلین عثمان اور ان کے پیروکاروں پر لعنت کرو اور خود بھی بد دعا کرنے لگیں اہل بصرہ کی دعا سے ایک گونج پھیل گئی۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آواز سنی تو دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ کہنے لگے: سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قاتلین عثمان پر

بد دعا کر رہی ہیں، اور لوگ بھی ان کے ساتھ بد دعا کر رہے ہیں۔ تو آپ بھی بد دعا کرنے لگے:" اے اللہ! قاتلین عثمان اور ان کے اعوان وانصار پر لعنت فرما۔" [1]

یہ باتیں ابن اثیر نے بھی اپنی تاریخ میں لکھی ہیں، ان سے ان صحیح روایات کو تقویت ملتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اس سفر پر ندامت تھی، آپ فرمایا کرتی تھیں:

مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں ایک ہری ٹہنی ہوتی مگر اس سفر پر نہ نکلتی اور آپ یہ بھی فرمایا کرتی تھیں: مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں حارث بن ہشام جیسے دس کو گم پاتی مگر ابن زبیر کے ساتھ اس سفر پر نہ نکلتی۔ اگر آپ کا ارادہ جنگ وقتال کا ہوتا تو آپ کو یہ ندامت نہ ہوتی۔" [2]

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ:

شبہ:.... آپ کا یہ فرمانا کہ "فتنہ یہاں ہو گا، فتنہ یہاں ہو گا، فتنہ یہاں ہو گا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔"

جواب:.... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد مشرق کی سمت تھی۔ اگر آپ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہوتا تو اس کی وضاحت موجود ہوتی۔ صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے تو آپ نے ارشاد فرمایا: "کفر کا سر یہاں سے ہو گا جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے؛ یعنی مشرق کی طرف۔"[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ مشرق کی طرف منہ کر کے ارشاد فرما رہے تھے: "آگاہ ہو جاؤ؛ فتنہ یہاں ہو گا، آگاہ ہو جاؤ؛ فتنہ یہاں ہو گا، آگاہ ہو جاؤ؛ فتنہ یہاں ہو گا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔"[2]

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد مشرق کی سمت تھی نہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر۔ یہ بات معروف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے مشرق کی طرف واقع تھا اور اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے جن میں اس کی تفسیر آتی ہے، اور آپ نے فرمایا ہے: جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔ بخاری میں سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: "اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا...." الخ

یہ معروف ہے کہ نجد عراق مدینہ منورہ سے مشرق کی سمت میں واقع ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "جب سورج طلوع ہو تو نماز ترک کر دو، حتیٰ کہ سورج صاف سامنے آجائے، اور جب سورج کی ٹکیا ڈوب جائے تو انتظار کرو، حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے اور سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز نہ پڑھو، کیونکہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔"

صحابیِ رسول حضرت عبداللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کے دو سینگ ہوتے ہیں۔ جب سورج تھوڑا بلند ہوتا ہے تو وہ سینگ اس سے جدا ہو جاتے ہیں اور جب نصف نہار پر آجاتا ہے تو وہ سینگ دوبارہ اس سے مل جاتے ہیں۔

پس پھر جب زوال ہوتا ہے تو وہ سینگ اس سے جدا ہو جاتے ہیں اور جب غروب کے قریب ہوتا ہے تو وہ سینگ دوبارہ اس سے مل جاتے ہیں اور غروب ہونے پر جدا ہو جاتے ہیں۔"

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔" یہاں پر نجد سے مراد عراق کی سرزمین ہے، اور اس کے قریب فارس کے علاقے ہیں، جو فتنہ کی سرزمین ہیں اور بذیل فتنے اس علاقہ سے ظاہر ہوئے ہیں، جیسے سبائیت، خوارج، معتزلہ، خرمیہ قرامطہ، بابیہ، بہائیہ، اور ان کے علاوہ دوسرے فتنے۔

سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کا واقعہ:

ایک معترض کہتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کے متعلق عجیب وغریب باتیں نقل کی ہیں۔ حتیٰ کہ لکھا ہے کہ آپ کے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مارا اور آپ کا خون بہہ نکلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس کی بیباکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے طلاق کی دھمکی دی اور یہ کہا کہ اس کا رب اس کے لیے تم سے بہتر عورتوں کو بدل لائے گا۔ یہ اتنے قصے ہیں کہ ان کے بیان کا یہ موقعہ نہیں۔"

جواب: .... صحیح بخاری میں ان طعنہ زنیوں کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ ☆معترض کا یہ کہنا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس کی بیباکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے طلاق کی دھمکی دی اور یہ کہا کہ اس کا رب اس کے لیے تم سے بہتر عورتوں کو بدل لائے گا.... الخ

☆اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں: ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معصوم تھیں انبیاء کے علاوہ ہر انسان سے چھوٹا بڑا گناہ ہو جاتا ہے۔ معترض کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی کہ انہیں طلاق دے دی جائے گی، اور ان کے بدلے بہتر عورتوں کو لایا جائے گا۔ یہ دعوی درست نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بخاری میں موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں: " غیرت کے مسئلہ پر ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھیں میں نے ان سے کہا: قریب ہے کہ رب کی طرف سے حکم آجائے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین بیویاں عطا کر دیں۔" تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔"[1]

پس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں دھمکی والی کوئی بات نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بنی کو طلاق دینے کا اختیار دیا تھا، جیسا کہ اس آیت کے نام ''آیت تخییر'' سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور مزید بر آں یہ کہ یہ آیت کریمہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص نہیں تھی، بلکہ تمام ازواج مطہرات کے لیے عام تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین:

شبہ:.... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن نہ کرنے دیا۔

کہتے ہیں: .... سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ، جنتی نوجوانوں کے سردار کے جنازہ پر اعتراض کیا، اور انہیں اپنے نانا کے پاس دفن نہ کرنے دیا، اور یہ کہا کہ: جسے میں نہیں چاہتی، اسے میرے گھر میں داخل مت کرو اور یہ بات بھلادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ''اللہ اس سے محبت کرے جو ان دونوں سے محبت کرے، اور اس سے بغض رکھے جو ان دونوں سے بغض رکھے۔'' اور یہ حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' میں اس کے ساتھ بر سر جنگ ہوں جو تم سے جنگ کرے، اور ان کے لیے امن و سلامتی ہوں جو تمہارے ساتھ امن و سلامتی سے رہیں۔'' ان کے علاوہ دیگر کئی روایات ہیں، جن کے پیش کرنے کا یہ موقع نہیں اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہیں، کہ یہ اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خوشبودار پھول تھے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، تو انہوں نے وصیت کی تھی کہ انہیں خاموشی سے دفنایا جائے۔ آپ کو بھی اپنے والد کی قبر کے پاس دفن نہیں کیا گیا، جیسے کہ پہلے بیان گزر چکا۔ تو پھر ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے ساتھ کیا کیا ہوگا؟ انہیں بھی اپنے نانا کی قبر کے پاس دفن نہ کرنے دیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے روک دیا۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کا جنازہ لے کر آئے کہ انہیں اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کریں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خچر پر سوار ہو کر نکلی اور آوازیں دینے لگی کہ میرے گھر میں انھیں مت دفن کرو جو مجھے اچھے نہیں لگتے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم نے جنگ کے لیے صفیں باندھ لیں۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ اپنے بھائی کا جنازہ لے کر نانا کی قبر کا طواف کریں گے اور پھر بقیع میں انہیں دفنادیں گے۔ اس لیے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں وصیت کی ہے کہ ان کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ نہ بہایا جائے۔ جواب: .... اس باب میں مذکور تمام روایات جھوٹی ہیں اہل سنت کی کتابوں میں ان کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ بلکہ ان کے برعکس پایا جاتا ہے۔ ابن اثیر رحمہ اللہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو دفن کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت چاہی، تو آپ نے انھیں اجازت دے دی۔[1]

الاستیعاب میں ہے: "جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے، اور انہیں وہاں دفن کرنے کی اجازت چاہی، تو آپ نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی۔"[1] البدایہ میں ہے:" حضرت حسن نے آدمی بھیج کر اجازت طلب کی، تو آپ نے اجازت دے دی۔" [2]

یہ دعوی کرنا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ام المؤمنین کے متعلق دو شعر کہے، ان اشعار کی زبان انتہائی رکیک ہونے کے ساتھ ساتھ یہ خود اس بیان کے متناقض ہیں جو حضرت ابن عباس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت رہا تھا۔ امام احمد نے "الفضائل" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان سے نقل کیا ہے، اس نے کہا: " حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موت کے وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عیادت کی اجازت چاہی اور اس وقت آپ کا بھتیجا عبداللہ بن عبدالرحمن رحمہ اللہ آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اجازت چاہتے ہیں، وہ آپ کے بہترین صاحبزادوں میں سے ہیں تو آپ نے فرمایا:" مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معاف رکھو، میرے سامنے اس کا تزکیہ مت پیش کرو۔" عبداللہ بن عبدالرحمن نے کہا: "آپ کتاب اللہ کے قاری ہیں دین اللہ کے فقیہ ہیں۔ آپ انھیں اجازت دیں تاکہ وہ آپ کو سلام کرکے الوداع کہہ دیں۔" تو آپ نے فرمایا: جس کو مرضی چاہو اجازت دے دو۔ کہتے ہیں: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اجازت مل گئی، آپ اندر تشریف لے گئے سلام کرکے تشریف فرما ہوئے، اور یوں گویا ہوئے: " اے اُم المؤمنین! آپ کو بشارت ہو! اللہ کی قسم! آپ کے درمیان اور ہر قسم کی تکلیف و پریشانی ختم ہونے اور اپنے احباب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے ملنے کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے کہ آپ کی روح آپ کے جسد سے جدا ہو جائے۔" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا: "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف پاکیزہ چیز کو ہی پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے آپ کی برات نازل فرمائی۔ روئے زمین پر کوئی مسجد ایسی نہیں، جہاں صبح وشام اس کی تلاوت نہ ہوتی ہو اور ابواء کی رات آپ کا ہار گر گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی وہیں پر رک گئے ہار تلاش کرنے لگے حتیٰ کہ صبح ہوگئی اور لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا ﴾ [النساء : ٤٣] " پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔" اس میں تمام لوگوں کے لیے رخصت تھی، اور یہ آپ کی وجہ سے ہوا۔ اللہ کی قسم! آپ بابرکت تھیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابن عباس! ان باتوں کو چھوڑو، جانے دو، اللہ کی قسم! میں یہ پسند کرتی ہوں کہ میں نسیاً منسیاً ہو گئی ہوتی۔"[1]

اور خوارج کے ساتھ مناظرہ میں آپ نے فرمایا: "میں کہتا ہوں: تمہارا یہ کہنا کہ آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے جنگ لڑی، مگر نہ کوئی قیدی بنایا، نہ مال غنیمت حاصل کیا" تو کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنانے اور ان کے ساتھ ویسا حلال سمجھتے ہو۔ جیسا دوسروں کے ساتھ حلال سمجھتے ہو؟ جب کہ وہ تمہاری ماں ہیں۔" اگر تم کہو کہ ہم ویسا ہی ان کے ساتھ حلال سمجھتے ہیں جیسا کہ دوسریوں کے ساتھ حلال سمجھتے ہیں تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ اگر تم یہ کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہے تو بھی تم کافر ہوئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ٱلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمْ ﴾ [الاحزاب: ٦] "یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔" پس تم

لوگ دو گمراہیوں کے درمیان میں گھوم رہے ہو۔ ہم اس سے مخرج لائے ہیں کیا ہم اس مسئلہ سے نکل گئے، کہنے لگے! ہاں اللہ گواہ ہے۔'' یہ تمام روایات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔''[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم اور قتال:

اس مسئلہ کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا، حدیث میں ہے:'' تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرو گی، اور تم اس پر ظلم کرنے والی ہو گی۔'' یہ روایت معتمد کتب حدیث میں کہیں بھی ثابت نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی معروف سند پائی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ ہی کوئی جنگ کی اور نہ ہی جنگ کے لیے نکلیں۔ آپ کے خروج کا مقصد لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا تھا اور آپ کا خیال یہ تھا کہ ان کے نکلنے میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی مصلحت ہے، پھر آپ پر عیاں ہوا کہ آپ کا نہ نکلنا زیادہ بہتر تھا اور جب آپ کو یہ واقعہ یاد آتا تو اتنا روتیں کہ آپ کا گر گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی وہیں پر رک گئے ہار تلاش کرنے لگے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [النساء : ۴۳] '' پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔'' اس میں تمام لوگوں کے لیے رخصت تھی، اور یہ آپ کی وجہ سے ہوا۔ اللہ کی قسم! آپ بابرکت تھیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابن عباس! ان باتوں کو چھوڑو، جانے دو، اللہ کی قسم! میں یہ پسند کرتی ہوں کہ میں نسیاً منیاً ہو گئی ہوتی۔''[1] اور خوارج کے ساتھ مناظرہ میں آپ نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں: تمہارا یہ کہنا کہ آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے جنگ لڑی، مگر نہ کوئی قیدی بنایا، نہ مال غنیمت حاصل کیا'' تو کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنانے اور ان کے ساتھ ویسا حلال سمجھتے ہو۔ جیسا دوسروں کے ساتھ حلال سمجھتے ہو؟ جب کہ وہ تمہاری ماں ہیں۔''

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾ [الاحزاب: ۶] ''یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔'' پس تم لوگ دو گمراہیوں کے درمیان میں گھوم رہے ہو۔ ہم اس سے مخرج لائے ہیں کیا ہم اس مسئلہ سے نکل گئے، کہنے لگے! ہاں اللہ گواہ ہے۔'' یہ تمام روایات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔''[2]

اور آپ کا خیال یہ تھا کہ ان کے نکلنے میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی مصلحت ہے، پھر آپ پر عیاں ہوا کہ آپ کا نہ نکلنا زیادہ بہتر تھا اور جب آپ کو یہ واقعہ یاد آتا تو اتنا روتیں کہ آپ کا یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے، لیکن اس بات کی طرف بھی تنبیہ کی ہے کہ یہ حوأب بستی کے چشمے نہیں تھے، جیسا کہ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نیبھی شہادت دی تھی۔ یہ اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی تھی۔[1] شیخ ناصر الدین رحمہ اللہ نے قاضی ابن العربی رحمہ اللہ پر نکارت حدیث کے حوالے سے عتاب کیا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اس مزعوم اور من گھڑت شہادت پر اتفاق کیا ہے، آپ نے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خروج خطا پر مبنی تھا۔ لیکن اس حدیث کی روشنی میں یہ کوئی معصیت اور گناہ کا کام نہیں تھا۔ اس لیے کہ اس حدیث میں صرف یہ اشارہ ہے کہ وہ عنقریب ایسے مقام پر جائے گی جہاں پر فتنے پیش آئیں گے اور بہت سارے لوگ قتل

ہوں گے اور جب آپ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کے موقف اور موجود ہونے کی اہمیت سمجھائی، تاکہ لوگوں کے مابین صلح ہو سکے۔ یہ حضرات خیال کرتے تھے کہ لوگ آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔

آپ کے وجود کی برکت سے معاملہ حل ہو جائے گا۔ مگر اس کے باوجود آپ کا موقف خطا پر تھا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کئی مواقع ایسے آتے ہیں جہاں پر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کا بھی معاتبہ کرتے ہیں۔ تو پھر جو لوگ انبیائے کرام علیہم السلام سے کم مرتبہ کے حامل ہیں، ان سے خطاء کا احتمال زیادہ اولی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کو نہ چاہتے ہوئے بھی قتل کر دیا، حضرت خضر کے ساتھ کیا گیا عہد بھول گئے۔ حضرت یونس علیہ السلام غصہ میں قوم کو چھوڑ کر چل دیے۔

مگر ان چیزوں کے باوجود ان حضرات کے فضائل میں کمی نہیں آتی بلکہ فی ذاتہ ایسے واقعات انصاف اور دین و عقل سے محروم لوگوں کے لیے فتنہ ہیں، اسی لیے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں، آپ دنیا و آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے تمہیں آزمایا ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کرتے ہو یا اس کی۔" [2] اس سفر میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے محرم تھے۔

باندی لے کر گھومنے والی روایت:

وکیع بن العلاء بن عبد الکریم الیامی نے عمار بن عمران سے، اس نے ایک آدمی سے روایت کیا ہے اور وہ ایک عورت سے روایت کرتا ہے، وہ کہتی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی دیکھی، اور پھر اسے ساتھ لے کر گھومتی رہی، اور کہتی رہی: "شاید کہ ہم اس کے ذریعہ قریشی نوجوانوں کو شکار کر لیں۔"

جواب:.... اس روایت کی سند میں عورت، اور اس سے روایت کرنے والا آدمی دونوں مجہول ہیں۔

عمار بن عمران ضعیف ہے۔ یہ عمار بن عمران زید الجعفی ہے، ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۶/ ۳۹۲) میں کہا ہے: اس کے متعلق جرح اور تعدیل کچھ بھی منقول نہیں۔ جب کہ یہ اثر ابن ابی شیبہ نے دو مقام پر نقل کیا ہے پہلی بار نمبر ۱۷۶۶۴ کے تحت اور دوسری بار ۲۲۳۵۱ کے تحت۔ ابن حجر کہتے ہیں: عمار بن عمران سوید بن غفلہ سے روایت کرتا ہے کہ: حضرت بلال نماز میں ہمارے کندھے درست کیا کرتے تھے اور اس سے اعمش نے روایت کیا ہے اور بعض نے یہ روایت اعمش سے نقل کی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے:" عمار بن عمران کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ وہ اسے ضعفاء میں شمار کرتے تھے۔"[1]

یہ روایت وکیع بن جراح نے عمار بن عمران سے، وہ بنو زید کی ایک عورت سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتی ہے، عمار بن عمران اور یہ عورت دونوں مجہول ہیں۔ ان کی روایت قبول نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ یہ روایت ایک دوسرے باب سے تعلق رکھتی ہے، اور وہ باب ہے۔ "فروخت کے لیے سامان کو مزین کرنے کا بیان۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس لونڈی کو بیچنا چاہتی تھی۔"

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ:

معترضین کہتے ہیں: یہ (یعنی اہل سنت والجماعت) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو باقی ازواج مطہرات کے مقابلہ میں زیادہ عزت و تعظیم دیتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت کے ساتھ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: بے شک آپ کثرت کے ساتھ اس کو یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیویاں دی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم اس کے بدلہ میں مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اور جب لوگوں نے مجھے دھتکارا، اس نے مجھے ٹھکانہ دیا، اور اس نے اپنے مال سے مجھے خوش کیا، اللہ تعالیٰ نے اس سے مجھے اولاد دی کسی دوسری بیوی سے میری کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"

جواب:.... اولاً اہل سنت کا اس پر اتفاق نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات سے افضل ہیں۔ بلکہ یہ بات بہت سارے اہل سنت علماء نے کہی ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابو موسیٰ اور حضرت انس سے مروی یہ حدیث ہے: "عائشہ باقی عورتوں پر اسی طرح فضیلت رکھتی ہیں جیسے ثرید باقی کھانوں سے افضل ہے۔" صحیح بخاری میں ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا:

" اے اللہ کے رسول! ازواج مطہرات میں سے آپ کو کون عزیز تر ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا: "عائشہ رضی اللہ عنہا۔" میں نے عرض کیا: اور مردوں میں سے آپ کس کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں؟ فرمایا: "ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔" میں نے عرض کیا: ان کے بعد اور کس سے؟ فرمایا: "عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔" اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دریافت کرتے چلے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ بدرجہ متعدد صحابہ کا ذکر کیا۔"[1] ان علمائے کرام کا کہنا ہے: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں دی۔" اگر اس کا معنی صحیح ثابت ہو، تو مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ان سے بہتر بیوی نہیں دی کہ آپ کی وجہ سے شروع اسلام میں بہت زیادہ فائدہ ہوا جس میں کوئی دوسرا آپ کے قائم مقام نہیں بن سکا۔ پس اس اعتبار سے آپ بہتر تھیں۔ کیونکہ ضرورت کے وقت آپ سے فائدہ ملا ہے۔ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نبوت کا زمانہ زیادہ مل سکا۔ آپ اس زیادہ علم و ایمان کی وجہ سے افضل تھیں، اور امت کو جتنا فائدہ آپ سے ہوا ازواج مطہرات میں سے کسی دوسری سے اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوا اور آپ کو علم و سنت میں وہ مقام حاصل تھا جس تک کوئی دوسری نہ پہنچ سکی اور نہ ہی کسی غیر سے امت کو ایسے فائدہ ملا جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملا ہے اور اس وقت تک دین بھی کامل نہیں ہوا تھا کہ کمال ایمان و علم میں انہیں وہ مقام حاصل ہو جاتا جو کمال ایمان و دین کے بعد ایمان لانے والوں کو حاصل ہوا۔ **اُم المؤمنین صرف عائشہ رضی اللہ عنہا، کوئی دوسری نہیں:** معترضین کہتے ہیں: اہل سنت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ دیگر امہات المومنین کو

اس لقب سے ملقب نہیں کرتے اور ایسے ہی آپ کے برادر محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کے شرف و منزلت اوراپنے باپ اور بہن سے قربت کے باوجود مؤمنین کاماموں نہیں کہتے جب کہ امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو مؤمنین کاماموں کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی بہن ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھیں۔ محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بہن اور اس کا باپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن اور باپ کی نسبت بہت بڑے اور عظیم مرتبہ والے تھے۔"

جواب:.... "روافض کا دعوی ہے کہ:"اہل سنت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ دیگر امہات المومنین کو اس لقب سے ملقب نہیں کرتے۔" ہم کہتے ہیں کہ " یہ کھلا ہوا بہتان ہے اور ہر کس و ناکس اس سے آگاہ ہے۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ تمام ازواج مطہرات امہات المؤمنین ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾[الأحزاب: ٦] "نبی مومنوں پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

یہ بات ساری امت جانتی ہے۔" رہ گیا یہ اشکال کہ: "محمد بن ابی بکر عظیم المرتبت تھا۔" تو یہ واضح رہے کہ اہل سنت کے ہاں عظمت و فضیلت کا مدار و انحصار نسب پر نہیں، بلکہ تقوی پر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾[الحجرات: ١٣] " تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔" اگر رافضی مصنف کے نزدیک محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اس کی سبقت اسلام اور ہجرت و نصرت کی رہین منت ہے۔ تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد صحابہ میں شمار نہیں ہوتا۔ وہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم صحابہ کے کسی بھی گروہ میں شامل نہیں۔ اگر رافضی قلم کار محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بہت بڑا دین دار تصور کرتا ہے تو وہ غلطی کا شکار ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ محمد علماء و فضلاء اور اپنے طبقہ کے صلحاء میں شمار نہیں ہوتا اور اگر جاہ و منزلت اور ریاست کی بنا پر رافضی مضمون نگار اسے عظیم قرار دیتا ہے۔ تو اس فضیلت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں زیادہ صاحب جاہ و منزلت اور صاحب ریاست تھے۔ اوراس سے بڑھ کر دین دار اور زیادہ حلیم و کریم تھے۔ اور یہ کہنا کہ: " محمد بن ابی بکر کا باپ اور اسکی بہن معاویہ کے باپ اور اسکی بہن سے افضل تھے۔" جواب:.... ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل سابقہ ذکر کردہ دونوں قاعدوں کی بنا پر باطل ہے۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں کسی شخص کی فضیلت کا معیار حسب و نسب نہیں، بلکہ اس کی اپنی ذات ہے۔ نظر بریں محمد کے لیے یہ امر ذرہ بھر مفید نہیں کہ وہ حضرت ابو بکر و عائشہ رضی اللہ عنہما سے قریبی تعلق رکھتا ہے، دوسری طرف یہ نسبی فضیلت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ بھی قدح وارد نہیں کرتی۔ اہل سنت کے ہاں یہ معروف اصل ہے۔ اس قاعدہ کو ایک مثال کے ذریعہ یوں واضح کرسکتے ہیں کہ حضرت بلال وصُہیب وخباب رضی اللہ عنہم اور ان کے نظائر و امثال وہ لوگ ہیں جو سابقین اوّلین صحابہ میں شامل ہیں۔ اور فتح مکہ سے قبل انفاق و جہاد کے ذریعے عظیم انسانی واسلامی خدمات انجام دے چکے تھے۔ دوسری جانب وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب اور آپ کے دونوں بیٹے معاویہ و یزید رضی اللہ عنہم۔ نیز ابوسفیان بن حارث ربیعہ بن حارث اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ یہ حسب و نسب کے اعتبار سے پہلے لوگوں کے مقابلہ میں افضل ہیں۔ یہ لوگ قریش کے بنو عبد المطلب کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب کہ وہ شرافت نسبی سے بہرہ ور نہیں۔ مگر ان کی فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے جس کی وجہ فتح سے قبل اسلام لانا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

☆☆☆

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق شبہات حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے متعلق شبہات

سیّدنا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کی جھوٹی گواہی کا دعویٰ:

معترض کہتا ہے: جب عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر حواب کے چشموں پر ہوا اور وہاں کے کتے اس پر بھونکے، تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحذیر یاد آگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع کیا تھا کہ اونٹ والی نہ بن جانا۔ پس عائشہ رضی اللہ عنہا رونے لگی اور کہنے لگی: مجھے واپس کرو مجھے واپس کردو۔ لیکن طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما پچاس آدمی لے کر آئے، اور ان کے لیے انعام مقرر کیا، انہوں نے قسمیں اٹھائیں کہ یہ حواب کے چشمے نہیں ہیں پس آپ نے اپنا سفر جاری رکھا، حتیٰ کہ بصرہ پہنچ گئیں، موٴرخین کہتے ہیں: اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے، پھر یہ خبر طبری، ابن اثیر اور مدائنی کی طرف منسوب کی ہے اور ان موٴرخین کی طرف اس کی نسبت کی ہے جنہوں نے سن ۳۶ھ کے واقعات علم بند کئے ہیں۔

جواب: .... اس روایت کا طبری اور ابن اثیر کی کتاب میں (ان الفاظ میں) وجود تک نہیں۔ ہاں زہری نے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ جب طلحہ اور زبیر حضرت علی کے ٹھکانے بمقام ذی قار تک پہنچے تو وہاں سے بصرہ کی طرف چلے گئے اور منکد کے پاس پڑاوٴ ڈالا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی، تو پوچھا: یہ کون سی جگہ ہے؟ (کون سے پانی ہیں)؟ تو کہنے لگے: حواب! آپ نے فرمایا:

﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ﴾ میں ہی وہی ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرما رہے تھے: "ہائے افسوس! تم میں سے کون ہوگی جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔"

پس آپ نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ تو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کا خیال ہے (یعنی راوی کا) کہ آپ نے کہا: جس نے یہ کہا: یہ حواب کے پانی ہیں، اس نے جھوٹ بولا اور آپ برابر سمجھاتے رہے، حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ چلی گئیں۔ [1]

ابن اثیر اور طبری کی روایات واضح ہیں۔ انہوں نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا ذکر تک نہیں کیا۔ بلکہ عبد اللہ بن زبیر کا ذکر کیا ہے، اور یہاں پر جھوٹی گواہی کا ذکر تک نہیں۔ یہاں پر اتنا ہے "ابن زبیر نے اس آدمی کی بات کو جھٹلایا ہے، جس نے کہا کہ یہ حوٴاب ہے، اور یہ جملہ بھی تمریض کے صیغہ سے لائے ہیں۔ اس لیے کہ زہری نے یوں کہا ہے: "فزعم أنہ قال" ان کا خیال ہے کہ آپ نے کہا۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق شبہات

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا؟

جواب:.... ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کی صحیح سند کے ساتھ دلیل پیش کرو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق تھا۔ اس بارے میں اختلاف معروف نہیں اور ان سب کا خیال اور رائے یہ تھی کہ آپ ہی تمام لوگوں سے بڑھ کر اس کے حقدار ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اگر آپ مخالفت کرتے تو اس سے غفلت نہیں برتی جاسکتی تھی اور یہ بات لوگوں کے درمیان مشہور ہوتی اور معروف مصادر میں اسے نقل کیا جاتا۔ بات یہ ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت فتنہ کے وقت میں ہوئی، لوگ اس وقت متفرق تھے۔ اس کی وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی۔ بعض صحابہ جیسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت میں تاخیر کی۔ ان حضرات کا کہنا تھا ہم دیکھتے ہیں:" لوگ جس کی بیعت کریں گے، ہم بھی اس کی بیعت کرلیں گے۔" طبری نے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ حضرت سعد اور ابن عمر کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں یہ توقف شروع میں تھا۔ پھر ان دونوں حضرات نے بیعت کرلی تھی۔ کیونکہ لوگوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اجتماع ہو گیا تھا، اور ان دونوں حضرات کی شرط بھی یہی تھی، یہ ان حضرات کی کمال فقاہت و سمجھ داری ہے، اس لیے کہ یہ حضرات اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی بیعت کرلیتے تو مخلوق خدا کی ایک بہت بڑی تعداد، ان کے پیچھے چل پڑتی اور لوگوں میں بہت بڑا تفرقہ پیدا ہو جاتا۔ ان حضرات کے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا قصہ ابن کثیر نے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے: وہ پھر دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اصرار کیا۔ اشتر نخعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کی بیعت کی، اور لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کی۔ یہ بروز جمعرات ۲۴ ذوالحجہ کا واقعہ ہے اور یہ واقعہ لوگوں کے ساتھ مشورہ اور بحث و گفتگو کے بعد پیش آیا۔ اس لیے کہ تمام لوگ یہی کہہ رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی بھی اس منصب کے لیے مناسب نہیں ہے۔ جب جمعہ کا دن تھا، تو آپ منبر پر چڑھے اور ان لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کی، جنہوں نے جمعرات کو بیعت نہ کی تھی۔" اس سے واضح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت دو دن میں مکمل ہوئی۔ جمعرات اور جمعہ کے دن۔ جن لوگوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت سعد اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر بعض صحابہ بیعت سے پیچھے رہ گئے تھے، تو اس سے مراد پہلے دن کی بیعت ہے۔ اگلے روز ان حضرات نے بھی بیعت کرلی ان میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہا۔ یہ تمام باتیں ان مؤرخین نے نقل کی ہیں جنہوں نے بیعت کے واقعہ کی تفصیلات نقل کی ہے، اور پھر صحیح تر روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابن عمر بیعت میں شامل ہو گئے تھے۔" [1]

فضیلت صحابہ کرام کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول:

شبہ :.... ☆حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "بے شک لوگوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ترین انسان حضرت ابو بکر پھر عمر اور پھر عثمان پھر اس کے بعد لوگ برابر ہیں.... معترضین کہتے ہیں: عبد اللہ بن عمر لوگوں کو یہ کہا کرتے تھے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ.... الخ۔[2]

پھر اس کے بعد لوگوں میں کوئی فرق نہیں سبھی برابر ہیں" پھر کہتا ہے: ابن عمر کے کلام کا مطلب یہ ہوا کہ امام علی رضی اللہ عنہ، عام لوگوں کے برابر عام آدمی ہیں۔ آپ کی کوئی فضیلت نہیں۔

جواب: .... تمام لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ الزام بہت بڑا بہتان اور جھوٹ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول یہ مقولہ اگرچہ درست ہے، لیکن اس کے آخر میں یہ جملہ نہیں پایا جاتا کہ اس کے بعد لوگ برابر ہیں۔ یہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نہیں، اور نہ ہی آپ سے ثابت ہے اور نہ ہی اس کی کوئی صحیح سند ہے اور ان معترضین کے اعتقاد کے مطابق اس اثر کا مفہوم بھی غیر مسلم ہے۔ فضیلت کا ترک کرنا ایک دوسری چیز ہے، اور مساوات کا ہونا ایک دوسری چیز ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت یہ ہے کہ آپ ان تین حضرات کے بعد صحابہ کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے، اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ باقی لوگ فضیلت میں برابر نہیں، حدیث کی شرح میں علماء نے یہ بات واضح طور پر کہی ہے۔ تاکہ اس شبہ کی جڑیں کاٹی جاسکیں۔ چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں: " اس کی توجیہ یہ ہے کہ۔ واللہ اعلم۔ اس سے مراد بزرگ اور بڑی عمر کے وہ لوگ تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا تو ان حضرات سے مشورہ کیا جاتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نوخیز نوجوان تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جفایا آپ کے مقام ومرتبہ میں کمی یا آپ کے فضائل کا انکار نہیں۔ آپ کے فضائل مشہور ہیں، جن کا نہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو انکار ہے اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی کو۔"[1] ابن حجر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر اجماع منعقد ہونے سے پہلے کا ہے: "خلفائے ثلاثہ کے بعد آپ کی فضیلت پر تمام امت کا اجماع ہے۔"[2]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات

آپ کو سیف اللہ کے لقب سے متعلق اس پر رد گزر چکا۔

شبہ:.... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بنی جذیمہ سے صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا، آپ نے خیانت کی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے، مسلمانوں کو قتل کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر انکار کرتے ہوئے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھالیے، حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، اور آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں خالد کے عمل سے بری ہوں، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی تلافی کے لیے بھیجا، حتیٰ کہ انہوں نے کتے کے برتن کی بھی تلافی کی۔ آپ کو حکم تھا کہ ان لوگوں کو راضی کریں۔ جواب: .... اس نقل میں جہالت اور تحریف پائی جاتی ہے، سیرت کا علم رکھنے والوں پر یہ بات کسی طرح مخفی نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد آپ کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا تھا، تاکہ وہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔ مگر وہ اپنے اسلام کا اظہار درست طرح سے نہ کرسکے، اور کہنے لگے! صبانا صبانا، ہم نے دین بدل دیا۔" تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ ہوئے اور فرمایا: یہ اسلام نہیں ہے، اور ان لوگوں کو قتل کردیا۔ آپ کے ساتھ موجود اکابر صحابہ نے اس کا رد اور انکار کیا، جیسا کہ حضرت سالم مولی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھالیے اور یہ دعا کی: "اے اللہ! میں خالد کی اس حرکت سے بری ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس ظلم کا محاسبہ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی تھا: ﴿فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ﴾ [الشعراء: ٢١٦]

’’پھر اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے کہ بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔‘‘ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور آپ کے ساتھ کافی مال بھیجا، مقتولین کی آدھی دیت دی گئی اور سامان میں کتے کی رکابی تک کی تلافی کی گئی اور جو مال بچ گیا، وہ بھی احتیاطاً انھیں دیا گیا، تاکہ کسی کی نامعلوم کوئی چیز نہ رہ گئی ہو، مگر اس کے باوجود حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی امارت سے معزول نہیں کیا۔ بلکہ آپ کو برابر امیر بنا کر مقدمہ الجیش پر روانہ کرتے رہے، اس لیے کہ جب امیر سے غلطی ہو جائے تو اس کو رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ولایت پر برقرار رکھا جاتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے مطیع اور فرمانبردار تھے، معاند اور سرکش نہیں تھے۔شبہ: ....مالک بن نویرہ کا قتل.... الخ۔ اس کا جواب گزر چکا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شبہات کا جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عدم محاسبہ معاویہ رضی اللہ عنہ:

معترض کہتا ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو کہ گورنروں کے احتساب اور معمولی شبہ کی وجہ سے انھیں معزول کرنے میں مشہور و معروف تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ روا رکھتے تھے اور کبھی ان کا محاسبہ نہیں کیا۔ امیر معاویہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے والی مقرر کیا تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا تمام عرصہ ان کو اس منصب پر برقرار رکھا، ایک دن بھی عتاب یا ملامت نہیں کیا۔ حالانکہ کثرت کے ساتھ لوگ اس کی شکایتیں کرتے، اور کہتے کہ معاویہ سونا اور ریشم پہنتا ہے؛ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں پر حرام کیا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ انہیں جواب دیتے کہ: اسے چھوڑ دو، وہ عرب کا کسری ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال تک گورنر رہے، نہ ہی کسی نے اس پر اعتراض کیا، اور نہ ہی آپ کو معزول کیا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ المسلمین بنے تو کچھ دوسری ولایات بھی آپ کی گورنری میں دیدیں۔ جس کی وجہ سے آپ بہت بڑی اسلامی دولت اور لشکر کی تیاری پر قادر ہو گئے۔ اس لشکر میں عرب اوباشوں کو بھی شامل کر لیا۔ جنہوں نے امت اسلامیہ کے امام کے خلاف انقلاب کھڑا کیا اور زبردستی حکومت پر قابض ہو گئے اور لوگوں کی گردنوں کے فیصلے کرنے لگے، اسی قوت اور غلبہ کی وجہ سے اپنے فاسق اور شراب نوش بیٹے یزید کے لیے لوگوں سے بیعت بھی لے لی۔

جواب: ....جو چیز صحیح روایات میں ثابت ہے، وہ اس معترض کے خلاف ہے، ابن کثیر نے البدایہ میں لکھا ہے: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ ان پر سبز جبہ تھا۔ صحابہ نے ان کی طرف دیکھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو ایک چھلانگ لگائی، اور اپنے دُرّے سے ان کی پٹائی لگائی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برابر کہتے جا رہے تھے: اے امیر المؤمنین! میرے بارے میں اللہ سے ڈرو۔‘‘ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی نشست پر واپس چلے گئے، تو لوگوں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ نے ان کی پٹائی کیوں لگائی؟ حالانکہ اس پوری قوم میں ان جیسا کوئی نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے اس میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا، اور نہ ہی خیر کے علاوہ کوئی بات مجھ تک پہنچی۔ اگر مجھ تک کوئی دوسری بات پہنچی ہوتی تو میرا ردّ عمل بھی کچھ اور ہی دیکھتے۔ لیکن میں نے ایک چیز دیکھی تو مجھے یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ اس تکبر کا علاج کیا جائے۔‘‘[1]

☆ یہ کہنا کہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت سارے لوگ شکایات پہنچایا کرتے تھے۔ یہ واقعات اور تاریخ کی روشنی میں صاف جھوٹ ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چالیس سال تک شام میں حاکم رہے۔ ان کے اپنے رعایا کے ساتھ تعلقات انتہائی گہرے اور محبت پر مبنی تھے اور یہ اتنے گہرے تعلقات تھے کہ جب آپ نے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کیا تو آپ کے ساتھ ایک بھرپور قوت موجود تھی۔ ☆ یہ کہنا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سونا اور ریشم پہنتے ہیں تو انہوں نے ان کو "کسریٰ عرب" کہا ہے۔ تو اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہو سکا کہ یہ بات کس نے ذکر کی ہے (اور پھر اس اعتراض کرنے والے کے قول میں تضاد بھی پایا جاتا ہے) اور غریب بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف سبز جبہ پہننے کی وجہ سے ان کی پٹائی کرتے ہیں، حالانکہ یہ رنگ اور جبہ مباح ہیں، جب کہ ریشم اور سونا حرام چیزیں پہنیں تو آپ ان پر خاموش کیسے رہیں....؟؟ ☆ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا والی مقرر کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی طعنہ والی بات نہیں۔ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد ابو سفیان کو نجران کا والی مقرر کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہ اسی منصب پر کام کرتے رہے۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر امراء وعمال کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔"[1] ا۔ عتاب بن اُسید بن ابو العاص بن امیہ اموی رضی اللہ عنہ کو حاکم مکہ مقرر کیا جو روئے زمین کا سب سے محترم گوشہ ہے۔[2] ۲۔ خالد بن سعید بن العاص اموی رضی اللہ عنہ کو صنعاء یمن اور بنی مذحج سے صدقات وصول کرنے پر عامل مقرر کیا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسی منصب پر فائز رہے۔ ۳۔ اس کے دونوں بھائیوں حضرت ابان بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ اور سعید بن سعید رضی اللہ عنہ کو دوسرے اعمال[تیماء، خیبر اور عرینہ کی بستیوں] پر عامل مقرر فرمایا تھا۔ ۴۔ ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو پہلے بعض سرایا پر امیر مقرر کیا اور پھر بحرین کا والی مقرر کیا۔ وہ حضرت العلاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۵۔ ابو سفیان بن حرب بن امیہ اموی رضی اللہ عنہ اور اس کے بیٹے حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو نجران کا عامل مقرر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو یہ لوگ اسی منصب و ذمہ داری پر تھے۔ ☆ جب حضرت امیر معاویہ شام کے والی بنے تو آپ کی سیاست افضل واعلی سیاست تھی۔ آپ اپنی رعایا سے محبت کرتے تھے اور رعایا آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی۔ قبیصہ بن جابر کہتے ہیں: "میں نے بردباری، سیادت، دور اندیشی، نرم روی اور کھلے سینہ والا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔" بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو انتہائی بری گالیاں سنائیں۔ آپ سے کہا گیا: "اگر آپ اس کو کچھ آدب سکھاتے۔" تو آپ نے فرمایا:" مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میرا حلم ودر گزر میری رعایا کے کسی آدمی کے لیے تنگ ہو جائے۔" اور ایک آدمی نے آپ سے پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ اتنے حلیم اور بردبار کیسے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مجھے اس بات سے حیاء آتی ہے کہ کسی کا گناہ میرے حلم سے بڑھ کر ہو۔" [3]

یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے کے لیے ان لوگوں کو بلایا، تو لوگوں نے آپ کی پکار پر لبیک کہا اور اس پر آپ کی بیعت کی، اور آپ کو پختہ عہد دیا کہ وہ اس راہ میں اپنی جانیں اور مال سب کچھ قربان کریں گے اور یا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لیں گے، یا اس راہ میں جانیں دیں گے۔ ☆ یہ دعوی کرنا کہ اور معاویہ اسلامی ثروات (خزانے) پر غالب ہوگئے۔ لشکر تیار کئے، اور عرب اوباشوں کو انقلاب پر

ابھارا اور امت اسلامیہ کے امام کے خلاف انقلاب بپا کیا، اور زبردستی طاقت کے بل بوتے پر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کی گردنوں کے فیصلے کرنے لگے، یہ حضرت امیر معاویہ پر بہت بڑا جھوٹا الزام ہے، اس لیے کہ آپ نہ ہی حکومت چھیننا چاہتے تھے اور نہ ہی آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر اعتراض تھا۔ بلکہ آپ کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے انتقام لیا جائے (انہیں گرفتار کیا جائے) پھر وہ بھی حضرت علی کی اطاعت میں داخل ہو جائیں گے۔ علامہ ذہبی نے "السیر" میں نقل کیا ہے کہ یعلی بن عبید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ابو مسلم خولانی اور کچھ دیگر لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، اور ان سے پوچھنے لگے: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تنازعہ کر رہے ہیں یا آپ بھی ان ہی کی طرح ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! ایسی بات ہرگز نہیں، میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ حضرت امیر المؤمنین مجھ سے افضل ہیں اور آپ مجھ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلومیت کی حالت میں شہید کئے گئے۔ میں ان کا چچازاد ہوں اور میں حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں۔ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو، قاتلین عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں، ہم انہیں تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں، یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور آپ سے بات کی۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان کو ان کے سپرد نہ کیا۔" [1]

اس کی تائید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے میری لڑائی صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے۔" امامیہ فرقہ کے لوگ بھی اپنی کتابوں میں یہی بات لکھتے چلے آئے ہیں۔ شریف رضی نے "شرح نہج البلاغۃ" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ میں آپ کا یہ قول نقل کیا ہے: "ہمارے معاملہ کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ ہمارا اہل شام کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارا نبی ایک ہے۔ ہماری دعوت اسلام ایک ہے وہ ایمان باللہ اور تصدیق رسالت میں ہم سے بڑھ کر نہیں اور ہم ان سے بڑھ کر نہیں، ہمارا معاملہ بالکل ایک ہے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملہ میں ہمارا اختلاف ہوا ہے، اور ہم خون عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہیں۔" [1] حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب خود اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے مابین اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی وجہ سے تھا خلافت کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی اس میں مسلمانوں کی گردنوں کے فیصلہ کی کوئی بات تھی، جیسا کہ جھوٹے معترض کا دعوی ہے۔ ☆ یہ کہنا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوت اور غلبہ کے بل بوتے پر مسلمانوں سے اپنے فاسق اور شراب نوشی بیٹے یزید کے لیے بیعت لی۔" یہ حضرت امیر معاویہ پر جھوٹا الزام ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت پر کسی کو مجبور نہیں کیا۔ لیکن آپ کا ارادہ تھا کہ اپنے بیٹے کو ولی عہد نامزد کریں، اور یہ کام آپ نے کر دیا، اور لوگوں نے اسی ولایت عہد کے اعتبار سے یزید کی بیعت کی، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اس بیعت سے پیچھے نہیں رہا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے، مگر آپ نے کسی کو یزید کی بیعت پر مجبور نہیں کیا۔ ☆ یہ کہنا کہ یزید شراب نوش فاسق تھا، یہ بھی جھوٹ ہے، اس کا جواب ہم حضرت محمد بن علی بن ابو طالب پر چھوڑتے ہیں، اس لیے کہ آپ یزید کے پاس مقیم رہے، اور وہ یزید کے بارے میں خوب جانتے ہیں۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب محمد بن علی یزید کے پاس سے مدینہ واپس لوٹے، تو عبداللہ بن مطیع آپ کے استقبال کے لیے نکلا۔ ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ آپ کو یزید کی بیعت سے منحرف کر دیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ابن مطیع نے کہا: یزید شراب نوش، تارک نماز اور کتاب اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے، تو آپ نے ان لوگوں سے کہا: جو باتیں تم کہتے ہو، ان میں سے کوئی بات بھی میں نے نہیں دیکھی۔ میں اس کے پاس گیا اور وہاں قیام کیا، وہ نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، فقہ کا طالب اور سنت کا پابند ہے۔ کہنے لگے:

اس نے آپ کے سامنے یہ سب کچھ ریاکاری کے لیے کیا تھا۔ تو آپ نے کہا: اسے کس چیز کا خوف تھا، یا مجھ سے کسی چیز کی امید تھی، کہ وہ میرے سامنے اس خشوع کا اظہار کرتا؟ کیا تم نے خود دیکھا ہے کہ وہ شراب پیتا ہے؟ اور اگر تم نے اسے نوشی کرتے دیکھا ہے تو تم اس کے ساتھ برابر کے شریک ٹھہرے اور اگر تم نے دیکھا نہیں تو پھر تمہارے لیے ایسی بات کہنا جائز نہیں جس کو تم جانتے نہیں ہو۔ کہنے لگے: یہ بات ہمارے نزدیک حق ہے۔ اگر چہ ہم نے نہ بھی دیکھا ہو۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قسم کی گواہی سے منع کرتے ہیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [الزخرف: ۸۶]

''اور وہ لوگ جنھیں یہ اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھتے مگر جس نے حق کے ساتھ شہادت دی اور وہ جانتے ہیں۔''

میں تمہاری کسی بات میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے: شاید آپ کو یہ بات ناپسند ہو کہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا امیر بنے، تو ہم اپنا معاملہ آپ کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ تو فرمایا: ''جس چیز میں قتال کو حلال سمجھا جائے، اس میں میں نہ تابع بن سکتا ہوں اور نہ ہی متبوع۔ کہنے لگے: آپ نے اپنے والد کے ساتھ مل کر تو جنگ لڑی تھی؟ فرمایا: کوئی میرے والد جیسا لاؤ، اور وہ مقصد لاؤ جس پر میرے والد لڑئے تھے۔ کہنے لگے: آپ اپنے بیٹوں، قاسم اور ابو القاسم کو حکم دیں کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر لڑیں۔ فرمایا: اگر میں انھیں حکم دوں تو گویا کہ میں نے خود قتال کیا۔ کہنے لگے: پھر آپ ہمارے ساتھ چلیں کہ ہم لوگوں کو جنگ کی ترغیب دیں۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! میں لوگوں کو ایسی بات کا حکم دوں جو نہ خود کرتا ہوں اور نہ ہی اسے پسند کرتا ہوں۔ تو پھر میں اللہ کی رضا کے لیے اس کے بندوں کا خیر خواہ نہ ہوا۔ کہنے لگے: تو پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا: میں لوگوں کو یہی کہوں گا، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہیں، اور اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی نہ کریں۔'' اور یہ کہہ کر آپ مکہ کی طرف چل دے۔[1] ☆ یہ دعوی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کا حکم دیا اور یہ دعوی کہ آپ کاتب وحی نہیں تھے۔ ایک معترض کہتا ہے: میں نے اکثر وہ اسباب تلاش کئے جن کی وجہ سے ان اصحاب نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدل ڈالا۔ تو مجھ پر عیاں ہوا کہ اکثر بنو امیہ اور ان میں غالب تعداد اصحاب نبی کی تھی اور ان میں پیش پیش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، جسے یہ لوگ کاتب وحی کہتے ہیں، وہ لوگوں کو ترغیب دیتے تھے، اور مجبور کرتے تھے کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں، اور منبر پر (مساجد میں) آپ پر لعنت کریں۔ جیسا کہ مؤرخین نے ذکر کیا ہے، امام مسلم نے بھی صحیح مسلم میں باب ''فضائل علی بن ابی طالب'' میں اس طرح کی روایات نقل کی ہیں: ''اور امیر معاویہ نے مختلف شہروں میں اپنے عمال کو حکم دیا کہ خطباء منبروں پر اس لعنت کو سنت بنالیں۔'' دوسرے مقام پر وہ کہتا ہے: یہ لوگ کیسے اس کے اجتہاد کا فیصلہ کرتے، اور اس کو اس کا اجر دیتے ہیں، حالانکہ اس نے اہل بیت رسول، اولاد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبروں پر لعنت کرنے کی لوگوں کو ترغیب دی۔'' ایک جگہ پر کہتا ہے: ''اور کیسے اس کو کاتب وحی کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے تیئیس سال کا عرصہ وحی نازل ہوتی رہی۔ ان میں سے گیارہ سال تک معاویہ رضی اللہ عنہ مشرک رہے اور جب فتح مکہ والے سال اسلام قبول کیا تو ہمیں ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ اس نے مدینہ میں قیام کیا ہو۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے بعد مکہ میں نہیں رہے۔ تو پھر امیر معاویہ کے لیے کتابت وحی کیسے ممکن ہوگئی؟ یہ بڑی عجیب بات ہے۔'' جواب:.... حضرت علی رضی اللہ عنہ پر گالی کے حوالہ سے کلام گزر چکا۔ جہاں تک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وحی ہونے کا تعلق ہے، تو یہ بات ثابت شدہ ہے، امام مسلم نے صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ابو سفیان نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مطالبے کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ منظور فرما لیے۔ ان میں سے ایک مطالبہ یہ تھا کہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو اپنے پاس کاتب وحی رکھا جائے' تو آپ نے مان لیا۔" [1]

امام احمد نے مسند میں اور امام مسلم نے صحیح میں ابن عباس سے نقل کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں: "میں چھوٹا بچہ تھا اور بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میرے دونوں کندھوں کے درمیان تھپکی دی اور فرمایا: جاؤ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔" معاویہ آپ کے ہاں کاتب تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں دوڑتا ہوا گیا اور جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی کسی ضرورت سے بلا رہے ہیں۔" [1] یہ دونوں صحیح احادیث ثابت کرتی ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی رحمہ اللہ کا قتل:

ایک معترض کہتا ہے کہ جب اس معاملہ میں کچھ صحابہ نے تاخیر کی، اور اس کو برا سمجھا، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کرنے اور جلانے کا حکم دیا اور مشاہیر صحابہ قتل کئے گئے ان میں حجر بن عدی الکندی رحمہ اللہ بھی ہیں اور بعض صحابہ کو زندہ دفن کیا گیا۔ اس لیے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت نہیں کی تھی، اور اس فعل کو برا سمجھتے تھے۔

جواب: .... حجر بن عدی رحمہ اللہ کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف مشہور ہے امام بخاری رحمہ اللہ اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے تابعین میں شمار کیا ہے، اور کچھ دوسرے حضرات نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔

☆حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر عدی کو اس وجہ سے قتل نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں نہیں دیتے ہیں۔ بلکہ مؤرخین کے مطابق حجر بن عدی کے قتل کا سبب یہ تھا کہ کوفہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گورنر زیاد خطبہ دیتا رہا۔ آخر کار حجر بن عدی نے آواز لگائی: نماز!! مگر زیادہ خطبہ دیتا رہا۔ آخر کار حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے زیاد کو کنکریاں مارنا شروع کر دیں۔ زیاد نے حجر بن عدی کا یہ عمل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا اور یہ لکھا کہ ایسا کرنا فساد فی الارض ہے۔ حجر اس سے قبل بھی کوفہ کے گورنروں کے ساتھ ایسا سلوک کر چکا تھا۔ امیر معاویہ نے حکم دیا کہ اسے گرفتار کر کے یہاں بھیجا جائے۔ جب اسے دربار میں لایا گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تشدد کا سبب یہ تھا کہ حجر بغاوت کی کوششیں کر رہا تھا۔

وہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس حرکت کو فساد فی الارض کی کوششوں سے تعبیر کرتے تھے۔ پھر خصوصاً وہ بھی کوفہ میں جہاں سے تمام فتنوں نے سر اٹھایا ہے اور یہیں سے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اس سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے واقعات سے چشم پوشی کی تھی، جس کا نتیجہ آپ کی شہادت کی صورت میں نکلا اور اس کے بعد امت میں اتنے بڑے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے دن دیہاڑے ایک دوسرے کا خون بہایا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ فتنہ کو اس کی

جڑوں سے کاٹ کر رکھ دیا جائے فتنہ کی سرکوبی کی ابتداء ابن عدی کے قتل سے ہوئی۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حجت یہ حدیث تھی: اس کی دلیل صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہارے پاس کوئی آئے اور تمہارا نظام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہو' اور وہ تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔'' [1]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن:

مؤرخ طبری نے تاریخ ۳/ ۲۳۲ میں اور ابن اثیر نے الکامل ۳/ ۴۸۷ میں حسن بصری سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے کہا ہے: ''معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے صرف ایک خصلت بھی ہوتی تو ہلاکت کے لیے کافی تھی.... الخ۔

جواب: .... اس روایت کا مدار ابو مخنف پر ہے، ابو مخنف کا نام لوط بن یحییٰ الازدی الکوفی ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے: انتہائی بے کار اخباری ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ [2]

ابو حاتم اور دیگر کے ہاں بھی متروک ہے، دار قطنی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن معین نے نا قابل اعتماد کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے: بے کار آدمی ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں: جلا ہوا (بدبودار) شیعہ ہے، عقیلی نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ [3]

پس ان وجوہات کی بنا پر یہ خبر ساقط اور نا قابل حجت ہے، کیونکہ اس کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔ یہ تو طبری کے حوالے سے بات ہوئی جہاں تک ابن اثیر کا تعلق ہے تو اس نے کوئی سند بیان ہی نہیں کی۔

یہ دعوی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دی:

ایک معترض کہتا ہے: اسے کیسے عادل صحابی شمار کرتے ہیں، حالانکہ اس نے جنتی نوجوانوں کے سردار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دی تھی۔
جواب: .... یہ دعوی نہ ہی ثابت ہے اور نہ ہی اس پر کوئی صحیح دلیل موجود ہے۔ ☆اس وقت کے لوگ فتنہ میں مبتلا تھے، ان کی خواہشات اور آراء آپس میں ٹکرائی تھی۔ ہر فرقہ دوسرے کی جانب مذموم باتیں منسوب کرتا تھا۔ جب اس طرح کی باتیں نقل کی جائیں تو ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم اس وقت تک اسے قبول نہ کریں جب تک وہ ثقہ اور عادل راوی کے ذریعہ ہم تک نہ پہنچے۔

یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ کو زہر دینے والی آپ کی بیوی تھی۔ اس کے والد اشعث بن قیس نے اس کو یہ کام کرنے کا کہا تھا۔ اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے دیا، اور بعض نے اس کے بیٹے یزید کا نام لیا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والے کے متعلق یہ اختلاف اور اضطراب ان نقول کو کمزور کرتا ہے، کیونکہ اس سے نقل ثابت نہیں ہوئیں۔ یہ مقولہ عقلی طور پر اس وقت معتبر ہو سکتا تھا اگر حضرت حسن رضی اللہ

عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے سے انکار کر دیتے۔ لیکن حق بات تو یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کس بات پر دی جاتی ؟

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور نظام شوری میں تبدیلی:

دعوی:.... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت شوری کو قیصر شاہی میں تبدیل کر دیا۔ معترض کہتا ہے کہ وہ اسے کیسے پاک وصاف سمجھتے ہیں، جب کہ اس نے پہلے اپنے لیے لوگوں سے زبردستی بیعت لی، اور پھر طاقت کے بل بوتے پر اپنے بعد اپنے فاسق بیٹے یزید کے لیے بیعت لی اور شورائی نظام کو قیصر شاہی نظام میں بدل دیا۔ جواب: .... حضرت معاویہ نے خلافت قوت اور طاقت کے بل بوتے پر حاصل نہیں کی۔ بلکہ یہ تمام عمل حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے نتیجہ میں اتمام کو پہنچا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق تھی: " میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کروائے گا۔"

☆ جہاں تک یزید کا تعلق ہے، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوشش تھی کہ لوگوں کی موافقت حاصل ہو جائے، اور آپ نے یزید کو ولی عہد بنانے کے لیے بیعت لینے کا ارادہ بھی کیا تھا اور کبار صحابہ اور قبائل کے سرداروں سے اور علاقوں کے گورنروں سے مشورہ لیا تھا۔ ان تمام نے اس پر موافقت کی تھی۔ یزید کی بیعت کی موافقت پر مختلف اطراف سے وفود آنے شروع ہو گئے تھے اور ایک بہت بڑی تعداد میں خلقت نے بیعت کر لی تھی۔ حتیٰ کہ ان بیعت کرنے والوں میں کئی ایک صحابہ بھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ جن حفاظ صحابہ نے اس کی بیعت کی تھی۔ ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمر بھی تھے۔"[1]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اس کی مخالفت کی تھی۔ مگر ایسا کرنا بیعت میں موجب قدح نہیں تھا، کیونکہ کوئی نہ کوئی مخالفت سامنے آنا بدیہی بات ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امت کی موافقت حاصل کرنے کے بڑے حریص تھے۔ اگر آپ کا ارادہ طاقت اور قوت کے بل بوتے پر بیعت لینے کا ہوتا تو یزید کی بیعت کے لیے ایک بار کی بیعت ہی کافی تھی اور پھر اسے لوگوں پر مسلط کر دیا جاتا۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے نہیں کیا۔ بلکہ مخالفت کرنے والوں نے مخالفت کی، کسی کو آپ نے مجبور نہیں کیا۔ وہ سبب جس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت لینے کے لیے ابھارا تاکہ اختلاف باقی نہ رہے، اور اجتماعیت قائم رہے وہ سابقہ اوقات میں امت کے کشیدہ حالات تھے۔ کیونکہ خلافت کے طلب گار اب بھی بہت تھے، آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ یزید کو ولی عہد بنانے سے اختلاف ختم ہو جائے گا، اور اہل حل وعقد کے اتفاق سے فتنہ کی جڑیں اکھاڑ کر رکھ دی جائیں گی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو موروثی نظام سونپ کر کوئی بدعت نہیں کی۔ اس سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں عہد ولایت لے کر یہ مثال قائم کر چکے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عہد ولایت کا ارادہ کیا تھا، مگر اس کو چھ صحابہ میں محصور کر دیا تھا۔ اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ کہے کہ یہ نظام حضرات شیخین بنایا تھا۔ تو ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ اولاد کو نظام حکومت وراثت میں دینے کی مثال پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قائم کی تھی جب آپ نے اپنے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ولی عہد خلیفہ متعین کیا تھا۔ کلینی نے اصول کافی میں سلیم بن قیس سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے:

"میں حضرت امیر المؤمنین کی وصیت کے وقت وہاں پر موجود تھا آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت کی اور اس پر حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور محمد بن علی کے علاوہ تمام اولاد اور تمام شیعہ روساء اور اہل بیت کو گواہ بنایا، اور اپنی کتاب اور اسلحہ آپ کے سپرد کیا۔"[1]

حدیث حضرت عمار رضی اللہ عنہ:

شبہ:.... "اے عمار: تجھے باغی جماعت قتل کرے گی۔"

ردّ:.... بغاوت دو قسم کی ہوتی ہے: عمداً تاویلاً۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بغاوت تاویل کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر اس تاویل کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے بغاوت نہیں کی تھی۔

☆اس حدیث میں کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں جہنم کی طرف بلا رہے تھے۔ بلکہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حقیقت میں بغاوت جہنم کی طرف دعوت ہے، اگرچہ ایسا کرنے والے کو اس کا شعور نہ بھی ہو۔ جیسا کہ آپ عصبیت کی بنا پر قتال کو جائز سمجھنے والے اور عصبیت کی حمایت کرنے والے سے کہتے ہیں کہ وہ اس فتوی کی بنیاد پر جہنم کی طرف بلا رہا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات وہ متاول بھی ہو سکتا ہے اور اس کا خیال ہو سکتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت علماء یہ نہیں کہتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم تھے اور ان سے کبھی کوئی غلطی ہوئی ہی نہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں:" ان سے کسی خطا پر تاویل کی وجہ سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے اور بغیر تاویل کے بھی۔ اس لیے کہ وہ بھی بشر ہیں ۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہے، ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جہاد فی سبیل اللہ کرنا، صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت انھیں تمام امت پر فضیلت دیتے ہوئے مقدم کرتی ہے، یہ ایسی سبقت ہے جسے کوئی دوسرا نہیں پا سکتا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: " اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔" (مسلم) پس ان حضرات پر طعنہ زنی کرنا، جاہل منافق یا مریض القلب کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

زیاد بن ابیہ کو اپنا بھائی کہنا:

شبہ: .... زیاد ابن ابیہ کو اپنا بھائی کہنا: جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: " لڑکا چارپائی والے کا ہے، زناکار کے لیے پتھر ہیں۔"

جواب:.... یہاں پر زیاد سے مراد زیاد بن سمیہ ہے۔ یہ اس کی ماں ہے جو کہ حارث بن کلدہ کی باندی تھی۔ اس کے آقا نے اس کی شادی عبید سے کر دی تھی اور اس کے گھر میں اس نے زیاد کو جنم دیا، وہ اس وقت طائف میں تھے۔ یہ اہل طائف کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کی بات ہے۔[1]

☆زیاد بن ابیہ کے نسب کے مسئلہ کا شمار تاریخ اسلامی کے مشکل مسائل میں ہوتا ہے، کیونکہ اس سے کئی ایک سوالات جنم لیتے ہیں، جن کا جواب ملنا بڑا مشکل ہے، مثلاً: اس معاملہ کو عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیوں نہیں اچھالا گیا جیسا کہ اس جیسے دوسرے معاملات فتح مکہ کے موقع پر سامنے لائے گئے۔ جیسا کہ زمعہ بن قیس کی لونڈی کے بیٹے کا معاملہ، جس کا دعوی عتبہ بن ابی وقاص نے کیا تھا۔[2]

یہ معاملہ ابو سفیان کی زندگی میں کیوں نہ اٹھایا گیا؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس کی جانچ پڑتال کیوں نہ ہوئی؟ خصوصاً جب زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنروں میں ایک تھا؟

کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد میں اس معاملہ کو اٹھانے کے پیچھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک سیاسی فائدہ تھا کہ زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جاملتا؟ یہ معاملہ ۴۴ھ میں کیوں اٹھایا گیا، جبکہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلی گئی تھی؟

معاملہ خواہ کچھ بھی ہو، زیاد کے نسب کا معاملہ عہد جاہلیت کے نکاح سے تعلق رکھتاہے۔ اسلام نے جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کے نسب کو تسلیم کیا ہے، ابن اثیر اس بارے میں کہتاہے: "جب اسلام آیا تو اس نے ان تمام بچوں کے نسب کو تسلیم کیا، جو کسی بھی نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے اور ان کے مابین کوئی فرق نہیں کیا۔"[1]

☆ یہ کہنا کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا زیاد کا دعوی کرنے سے خاموش رہنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سب و شتم کے خوف کی وجہ سے تھا۔[2] یہ دعوی کئی وجوہات کی بناپر مردود ہے:

۱۔ ولد زناء کے نسب کے بارہ میں نصوص شریعت موجود ہیں، ان میں اجتہاد کے لیے کسی کے لیے کوئی راہ نہیں۔

۲۔ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹادیتاہے۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے پہلے وفات پاگئے تھے، تو پھر ابو سفیان نے بعد میں اس کا دعوی کیوں نہ کیا؟

۴۔ اس خبر کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہے جس کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں: جھوٹا آدمی ہے، رافضی ہے۔[3]

رہ گیا یہ تہمت لگانا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کا نسب اپنے ساتھ ملالیا تھا، اس بارے میں کوئی صحیح اور یقینی روایت ہمیں نہیں ملی اور اس کے ساتھ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا، ان کی عدالت اور فقہی مقام و مرتبہ اس بات سے مانع ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو رد کردیں۔

خصوصاً جب کہ معاویہ بھی اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ہیں: "الولد للفراش وللعاہر الحجر۔"[4]

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تہمت سے برأت واضح ہوگئی تو اب تہمت کا رخ زیاد کی طرف ہے، اس نے اپنا نسب ابو سفیان کے ساتھ ملایا ہے اور یہ بات ہمارے نزدیک راجح ہے، جیسا کہ ابو عثمان کی سند سے مروی صحیح مسلم کی روایت سے بھی ظاہر ہوتاہے۔

یہ کہنا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کی"

دعویٰ:....یہ کہنا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ پر لعنت کی، اور حکم دیا کہ:" جب اسے میرے منبر پر دیکھو تو قتل کردو۔"
جواب:....یہ حدیث کسی بھی نقل وروایت کے اعتبار سے ایسی معتمد اسلامی کتاب میں نہیں ہے جس کی طرف علوم منقولہ کیلئے رجوع کیا جاتا ہو، محدثین کے ہاں یہ روایت ایک جھوٹ گھڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیاہے۔[1]

☆منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امیر معاویہ کے بعد ایسے لوگ بھی چڑھے جن سے امیر معاویہ باتفاق مسلمین بہت بہتر تھے، اگر صرف منبر پر چڑھنے کی وجہ سے قتل واجب ہوتا تو ان تمام لوگوں کا قتل واجب ہو گیا تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر وہ یمن میں تھا:

فتح مکہ کے موقع پر امیر معاویہ یمن میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے اور اس نے اپنے والد صخر بن حرب کے نام ایک خط لکھ کر اسے اسلام قبول کرنے پر عار دلائی اور یہ کہا: "کیا تم نے بدل کر محمد کا دین اختیار کر لیا ہے۔"

جواب:.... یہ ایک کھلا ہوا اور صاف جھوٹ ہے۔ بلاشک وشبہ حضرت امیر معاویہ مکہ میں مقیم تھے۔ یمن میں نہیں تھے اور ان کے والد ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے سے قبل مر الظہران نامی جگہ پر اس وقت اسلام قبول کر چکے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔

اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سفارش کی تھی کہ ابوسفیان شرف ومنزلت کو پسند کرتا ہے[اس کی کچھ رعایت فرمایئے] تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا: "جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔ اور جو کوئی مسجد الحرام میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔ اور جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر دے وہ امن میں ہے۔"[2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شرک پر قائم تھے:

کہتے ہیں: امیر معاویہ شرک پر قائم تھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگ گئے تھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا خون رائیگاں قرار دیا تھا۔ آپ مکہ بھاگے تو وہاں پر کوئی جائے پناہ نہ ملی کیونکہ مکہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانہ بن گیا تھا۔ پھر انھوں نے مجبوری کی حالت میں اسلام کا اظہار کیا؛ اور اس کے اسلام کا اظہار کرنے کا وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ ماہ قبل کا ہے۔ جواب:.... یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ بلاریب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ والے سال اسلام قبول کیا اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آپ موکفۃ القلوب میں سے تھے۔ جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے بعد بنو ہوازن سے حاصل ہونے والے مال غنیمت

سے نوازا تھا۔ اس میں سے معاویہ کو بھی کچھ حصہ دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلوں کے سرداروں اور بڑے لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھاگے ہوئے ہوتے تو آپ کا شمار مؤلفہ قلوب میں سے نہ ہوتا اور اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ ماہ قبل اسلام لائے ہوتے تو آپ کو غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے حصہ نہ ملتا۔

☆☆☆

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت روایت:

جواب: .... یہاں پر یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر گز افراط و تفریط سے کام لینے والے نہ تھے۔ بلکہ آپ بھی دوسرے علماء صحابہ کی طرح ایک تھے، آپ سے فتوی لیا جاتا تو فتوی دیتے، سوال پوچھا جاتا تو جواب دیتے اور ہر گز افراط و تفریط سے کام نہ لیتے۔ نہ ہی عہد خلفائے راشدین میں ایسے کیا اور نہ ہی بعد میں۔ صحابہ کو آپ پر بھرپور اعتماد تھا اور وہ آپ کے مقام و مرتبہ سے واقف تھے اور آپ کو آپ کے شایان شان مقام دیتے تھے۔ کتنے ہی لوگ لمبے لمبے سفر اس لیے کرتے تھے کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ سکیں اور کتنے ہی مقامی لوگ کبار صحابہ کو چھوڑ کر حدیث معلوم کرنے یا مسئلہ پوچھنے کے لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتے۔ ☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے کوئی چیز زیادہ کر کے نہیں بتاتے تھے، بلکہ لوگوں کو آپ کے حافظے پر اعتماد و یقین تھا۔ اس لیے وہ کوشش کرتے تھے کہ اس میٹھے گھاٹ سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے جام بھر لیں۔ آپ کے علم و حافظے کی گواہی اور اعتراف حضرت ابن عمر، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور دوسرے کبار صحابہ کو تھا۔ حتیٰ کہ جب لوگ آپ کی کثرت روایت کے متعلق باتیں کرنے لگے تو آپ نے فرمایا: میرا کیا قصور ہے میں نے یاد رکھا اور وہ بھول گئے۔

☆خود امامیہ کے مصادر میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے بہت ساری احادیث سنتا ہوں، پھر بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اس میں رکھے، پھر فرمایا: اسے لپیٹ لو، تو میں نے اسے لپیٹ لیا۔ پھر اس کے بعد میں بہت زیادہ نہیں بھولا۔" [1]

تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کیا قصور ہے جب آپ کے حافظہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حافظہ عنایت کرے۔ شیعہ عالم نجاشی نے ہشام بن محمد بن سائب کے حالات زندگی میں لکھا ہے: علم و فضل میں مشہور تھا اور ہمارے مذہب کا بطور خاص اہتمام کرتا تھا۔ اس کی ایک مشور حدیث ہے، کہتا ہے: میں بہت سخت بیمار ہوا، اور اپنا علم بھول گیا تو میں جعفر بن محمد رحمہ اللہ کی مجلس میں جا بیٹھا، تو آپ نے ایک گلاس میں مجھے علم پلایا، تو میرا علم لوٹ آیا۔" [1]

نجاشی یہ بھی کہتا ہے: ابان بن تغلب نے امام جعفر صادق سے بیس ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ بلکہ اکثر امامیہ نے یہ تعداد اس سے کئی گنا زیادہ بتائی ہے، مثلاً محمد بن مسلم بن رباح نے امام باقر سے تیس ہزار احادیث کے متعلق سوال کیا، اور امام صادق سے سولہ ہزار احادیث کے متعلق دریافت کیا۔ یہ جابر بن یزید الجعفی ہے، وہ کہتا ہے: ابو جعفر نے مجھ سے ستر ہزار احادیث بیان کیں، جو میں نے نہ کبھی کسی کے سامنے بیان کیں اور نہ ہی ایسا کروں گا۔ جابر کہتا ہے: ''میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! آپ نے اپنے اسرار میرے سامنے بیان کر کے مجھ پر بہت بڑا بوجھ ڈالا ہے۔ یہ میں کبھی کسی کے سامنے بیان نہیں کروں گا اور بسا اوقات میرا سینہ تنگ بھی ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ جنون تک کا خطرہ ہے۔'' تو انھوں نے فرمایا: ''اے جابر! جب کبھی ایسا ہو تو جبانہ کی طرف نکل جاؤ اور وہاں پر ایک گڑھا کھود دو۔ اور پھر اپنا سر اس کے اندر کر کے کہو! '' مجھ سے محمد بن علی نے ایسے ایسے حدیث بیان کی ہے۔'' [2] طوسی نے اپنی سند سے جابر الجعفی سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے: '' میں نے پچاس ہزار احادیث ایسی روایت کی ہیں جو مجھ سے کسی نے نہیں سنیں۔''[3] الحر عاملی نے کہا ہے: ''اس نے ستر ہزار احادیث امام باقر سے روایت کی تھیں، اور کل ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث روایت کیں اور ظاہر یہ ہے کہ ائمہ سے بالمشافہ جابر سے زیادہ احادیث کسی نے روایت نہیں کیں۔''[4]

آل بیت کی مرویات اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر انکار:

شبہ: .... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو والی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا۔ پھر ایک لکڑی کی طرف آئے جو مسجد میں قبلہ رخ لگی ہوئی تھی اس پر ٹیک لگا کر غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے۔ جماعت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے یہ دونوں حضرات اس بات سے ڈرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں اور جلدی جانے والے لوگ یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ نماز کم کر دی گئی ہے تب ذوالیدین رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! کیا نماز کم کر دی گئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ: '' ذوالیدین کیا کہتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: '' یہ سچ کہتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو رکعات ہی پڑھائی ہیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات اور پڑھائیں اور سلام پھیرا پھر تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور سر اٹھایا۔''[1]

☆ طعنہ زنی کرنے والا کہتا ہے: پہلی بات! اس قسم کا فحش سہو کسی ایسے انسان سے نہیں ہو سکتا جو اپنے دل سے نماز کے لیے متوجہ ہو، یا اپنی عقل سے نماز پڑھ رہا ہو۔ یہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو اپنی نمازوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اللہ کے ساتھ مناجات سے غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے کہ اس کے انبیاء ایسے غافل ہوں۔ وہ جاہلین کے اقوال سے پاک ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور خصوصاً ان کے سردار اور آخری اور افضل نبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حالانکہ ہمیں کسی عام آدمی کے متعلق بھی ایسے سہو کی اطلاع نہیں ملی اور نہ ہی ہمارا خیال ہے کہ ایسا کسی سے ہو سکتا ہے، سوائے اس آدمی کے جس کا حال ایسے ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نماز تو پڑھتا ہوں، مگر جب یاد آتا ہے تو پتہ نہیں چلتا کہ میں نے چاشت کی دو رکعت پڑھی

ہیں یا آٹھ؟ جب کہ سید الانبیاء کی سجدہ گزاری کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ایسی بھول اگر مجھ سے بھی ہو جائے تو میں حیاء کے مارے خجل وندامت سے ڈوب جاؤں اور میرے مقتدی مجھے اور میری عبادت کو حقیر سمجھیں، انبیاء اللہ سے ایسا ہونا ہرگز جائز نہیں؟....الخ

جواب: ....یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابن مسعود اور عمران بن حصین نے بھی روایت کی ہے۔ ☆ یہ غالیوں کا مذہب ہے جو سہو کی نفی کرتے ہیں۔ ابو صلت ہروی سے روایت ہے کہ میں نے امام رضاء سے کہا: "بے شک اہل کوفہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں کبھی بھول واقع نہیں ہوئی؟ انھوں نے فرمایا: "وہ جھوٹ بولتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہو جس سے کبھی بھول نہیں ہوتی، وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔"[2]

شیخ صدوق کا شمار اکابر امامیہ علماء میں ہوتا ہے، وہ کہتا ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھول ہماری بھول کی طرح نہیں ہے، اس لیے کہ آپ کی بھول بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بھلاتے ہیں تا کہ آپ جان لیں کہ آپ بشر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپ کو معبود نہ بنایا جائے، جب کہ ہمارا سہو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔"[1]

☆ حدیث سہو میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ بڑے بڑے عظیم اور سادت علماء اہل بیت نے آپ کی موافقت کی ہے، اور امامیہ علماء نے اپنے مصادر میں یہ ثابت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی پانچ رکعت پڑھائیں۔ جب آپ فارغ ہو گئے، تو کچھ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا نماز زیادہ ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں کیا ہوا؟ تو عرض کی گئی کہ آج آپ نے ہمیں پانچ رکعت پڑھائی ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے بیٹھے قبلہ کی طرف مڑ گئے اور تکبیر کہی، اور پھر دو سجدہ کئے، ان میں نہ ہی قرأت تھی اور نہ ہی رکوع۔ پھر سلام پھیر دیا، پھر فرمایا: "یہ دو سجدے اس کا ازالہ ہیں۔"

اور حضرت باقر رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور اس میں جہری قرأت کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ سے پوچھا: کہا مجھ سے قرآن کی کوئی آیت رہ تو نہیں گئی؟ لوگ خاموش رہے۔ پھر آپ نے پوچھا: کیا لوگوں میں ابی بن کعب ہیں؟ کہنے لگے: ہاں۔ آپ نے ان سے پوچھا: کیا مجھ سے قرآن کی کوئی آیت رہ گئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں اے اللہ کے رسول! فلاں فلاں آیت رہ گئی ہے۔"

الحدیث۔ حارث بن مغیرہ النضری کہتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا: ہم نے مغرب کی نماز پڑھی، امام بھول گیا، اور دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ ہم نے نماز دوبارہ لوٹائی (اس کا کیا حکم ہے)؟ انھوں نے فرمایا: تم نے دوبارہ نماز کیوں پڑھی؛ کیا ایسے نہیں ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، اور بعد میں یہ رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کر لی۔ تم نے بھی اپنی نماز پوری کیوں نہ کی؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ہونا:

حدیث: .... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور ایسے غصہ ہوتے تھے جیسے بشر کو غصہ آتا ہے۔[آپ فرمایا کرتے]: "اے اللہ! میں نے آپ سے عہد لے رکھا ہے جس کے خلاف آپ نہیں کریں گے جس مؤمن کو میں نے تکلیف دی ہو یا اسے برا بھلا کہا ہو یا اسے مارا ہو تو اسے اس کے گناہوں کا کفارہ اور اپنی قربت کا ذریعہ بنا دے۔"[1] کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء کے لے جائز نہیں کہ وہ کسی کو تکلیف دیں۔ یا انہیں کوڑے لگائیں، یا گالی دیں یا لعنت کریں، اور وہ ان چیزوں کا مستحق نہ ہو۔ خواہ ایسا رضامندی کی حالت میں ہو یا غصہ کی حالت میں۔ بلکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ بغیر حق کے غصہ کریں۔

جواب: .... یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔

☆امامیہ کی اسناد علیہم السلام سے ابو جعفر سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " بے شک میں بشر ہوں، میں غصہ بھی کرتا ہوں اور راضی بھی ہوتا ہوں۔ پس جس کسی مؤمن کو میں نے محروم رکھا، یا تکلیف دی، یا اس پر بد دعاء کی، اے اللہ! اس کو اس مؤمن کے گناہوں کا کفارہ اور طہارت بنادے اور جس کسی کافر کو میں نے قریب کیا، یا اس سے محبت کی، یا اس کے لیے دعا کی، اور وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ تو اس کو اس پر وبال اور عذاب بنادے۔"[2]

اور ابو عبد اللہ علیہ السلام کہتے ہیں: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمن سے ایک وفد آیا، اس میں ایک آدمی بہت زیادہ باتونی اور کٹ حجتی کرنے والا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت غصہ ہوئے، حتیٰ کہ غصہ سے پسینہ آپ کی پیشانی پر نظر آنے لگا، اور آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے زمین کی طرف سر مبارک جھکا لیا۔

پس جبرائیل امین آپ کے پاس تشریف لائے اور عرض گزار ہوئے کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے: یہ آدمی سخی انسان ہے

اور لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ جاتا رہا۔ آپ نے سر مبارک اٹھایا، اور اس آدمی سے کہا: اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل امین تیرے بارے میں نہ بتاتے کہ تم سخی ہو اور لوگوں کو کھانا کھلاتے ہو تو میں تمہیں یہاں سے دھتکار کر بھگا دیتا، اور تجھے تیرے پسماندگان کے لیے نشان عبرت بنا دیتا۔"

وہ آدمی کہنے لگا: کیا آپ کے رب کو سخاوت پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ وہ آدمی بولا: "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله" اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اپنا مال کسی سے نہیں روکوں گا۔"[1]

نماز میں شیطان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک نماز پڑھی، تو فرمایا: " شیطان میرے سامنے آیا اور مجھ پر دشوار کر دیا گیا کہ نماز کو توڑ دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غلبہ عطا کیا اور میں نے اس کو مغلوب کر لیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے ایک ستون سے باندھ دوں، تا کہ صبح کے وقت تم لوگ اسے دیکھ سکو۔ پھر مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آئی کہ:

﴿وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي﴾ "اے اللہ! مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نہ ملے "[تو میں نے اسے چھوڑ دیا] تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نامراد اور ذلیل کر کے واپس کر دیا۔"[2] کہتے ہیں کہ: کیا شیطان کا کوئی جسم ہے کہ اسے رسیوں میں جکڑ کر ستون کے ساتھ باندھ دیا جاتا، حتیٰ کہ صبح لوگ اسے اپنی آنکھوں سے بندھا ہوا گرفتار دیکھ لیتے۔

جواب: ....ابوعبداللہ رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں ہے: ﴿وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ [ص: ۳۵] "اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو، یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔" میں کہتا ہوں: کیا آپ کو وہ کچھ دیا گیا تھا جس کی آپ نے دعا مانگی تھی؟ ہاں آپ کو وہ کچھ دیا گیا تھا اور آپ کے بعد کسی انسان کو وہ کچھ نہیں ملا جو اللہ کے نبی کو ملا تھا، شیطان پر غلبہ اور اسے گردن سے دبا کر ستون تک لے جانا، حتیٰ کہ اس کی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بھی لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی، تو میں تم کو وہ دیکھا دیتا۔"

حدیث نماز فجر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند:

شبہ: ....حدیث نماز فجر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزاری۔ ہم میں سے کوئی ایک بھی صبح سورج طلوع ہونے تک بیدار نہیں ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تم میں سے ہر انسان اپنی سواری کو سر سے پکڑ لے، بیشک یہ ایسی منزل ہے جہاں پر شیطان آموجود ہوا ہے۔" حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں: "پھر ہم نے ایسے ہی کیا؛[یعنی اس علاقہ سے نکل گئے] پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو کیا، پھر آپ نے پہلے دو سنت پڑھیں اور پھر فجر کی نماز ادا کی۔" [1] کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیزوں سے بری ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز کی ترغیب دیتے ہیں اور بالخصوص نماز فجر کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور جو لوگ سوئے رہیں، نماز فجر کے لیے نہ نکلیں، ان کے گھروں کو جلانے کی دھمکی دیتے ہیں۔ پھر وہ خود نماز فجر سے سوئے رہیں؟ حاشا وکلا۔ معاذ اللہ؛ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جس لشکر کے ساتھ تھے، اس کی تعداد سولہ سو تھی اور عادۃً یہ بات محال ہے کہ سارے لوگ سو جائیں۔ شاید کہ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے خارق کلام میں سے ہے۔ جواب:.... سماعۃ بن مہران سے روایت ہے، کہتے ہیں: "میں نے اس آدمی کی بابت سوال کیا، جو نماز فجر میں سویا رہے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے؟ فرمایا: جب یاد آئے اسی وقت نماز پڑھ لے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں سو گئے تھے، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ پھر آپ جب بیدار ہوئے تو نماز پڑھ لی،

مگر اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھی۔"[2] اور حمزہ بن الطیار سے روایت ہے، وہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتا ہے، انھوں نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے نماز اور روزہ کا حکم دیا ہے،[اور فرمایا ہے: میں ہی] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے سلاتا ہوں اور میں ہی بیدار کرتا ہوں۔ جب بیدار ہو جاؤ تو نماز پڑھ لو۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ اگر ان کے ساتھ یہ صورتحال پیش آئے تو انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ایسا نہیں ہے جیسے وہ کہتے ہیں جب انسان نماز سے سویا رہا تو ہلاک ہو گیا.... الخ"[3]

☆سعید الاعرج سے روایت ہے، کہا کہ: میں نے ابو عبد اللہ کو یہ فرماتے سنا: "بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز فجر سے سلا دیا، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ پھر آپ بیدار ہوئے تو پہلے فجر کے دو سنت پڑھیں، اور پھر فجر کی دو رکعات پڑھیں اور اپنے حبیب کو نماز میں بھلا دیا۔ آپ نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ پھر ذوشمالین نے آپ سے بات کی (تو باقی دو رکعت پڑھا دیں)۔ یہ تمام اس لیے ہوا تاکہ اس امت کے لیے رحمت ہو، تاکہ کوئی بھی کسی مسلمان کو اس کے سو جانے پر یا بھول جانے پر عار نہ دلائے۔ اس لیے کہ ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہوا ہے۔" [1] ☆سعید الأعرج سے روایت ہے، کیا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ کو یہ فرماتے سنا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں سوئے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو سلا دیا تھا۔ حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا، اس میں آپ کے رب کی طرف سے لوگوں کے لیے رحمت تھی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ اگر کوئی آدمی سو جائے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے تو لوگ اسے عار دلاتے ہیں اور کہتے ہیں: تم نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو۔ پس آپ کا سو جانا اسوہ حسنہ بن گیا۔ اگر ایک انسان دوسرے سے کہے کہ: تم نماز سے سو گئے تھے؟ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سو گئے تھے۔ پس یہ اسوہ حسنہ اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر بڑی مہربانی کی ہے۔"[2]

گائے اور بھیڑیے کا صاف عربی زبان میں کلام کرنا:

شبہ: .... حدیث: گائے اور بھیڑیے کا صاف عربی زبان میں کلام کرنا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "بنی اسرائیل کا ایک شخص اپنی گائے ہانکے لئے جا رہا تھا کہ وہ اس پر سوار ہو گیا اور پھر اسے مارا۔ اس گائے نے (بقدرت الٰہی) کہا: "ہم جانور سواری کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ ہماری پیدائش تو کھیتی باڑی کے لئے ہوئی ہے۔"

لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! گائے بات کرتی ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی۔" حالانکہ یہ دونوں وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ اسی طرح ایک شخص اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بھیڑیا آیا اور ریوڑ میں سے ایک بکری اٹھا کر لے جانے لگا۔ ریوڑ والا دوڑا اور اس نے بکری کو بھیڑیئے سے چھڑا لیا۔ اس پر بھیڑیا (بقدرت الٰہی) بولا: آج تو تم نے مجھ سے اسے چھڑا لیا لیکن درندوں والے دن میں (قرب قیامت) اسے کون بچائے گا جس دن میرے سوا اور کوئی اس کا چرواہا نہ ہو گا؟ لوگوں نے کہا: "سبحان اللہ! بھیڑیا باتیں کرتا ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تو اس بات پر ایمان لایا اور ابو بکر وعمر بھی۔" حالانکہ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہ تھے

۔"[1] کہتے ہیں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عجیب وغریب حکائتیں، انہیں عجائب کی طرف لے گئی ہیں۔ اس کی خوارق عادت باتوں کا شوق اسے کہاں سے کہاں لے گیا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیسے طبعی ناموس سے بھی بالاتر باتیں کرنے کے شوقین ہیں۔ اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ گائے اور بھیڑیا صاف عربی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ جواب: .... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "بھیڑیے نے ابو اشعث بن قیس الخزاعی سے کلام کیا۔ ابو اشعث نے تین بار بھیڑیے کو بھگایا، جب چوتھی بار آیا تو بھیڑیے کو مخاطب کر کے کہا:" میں نے تم سے زیادہ بڑھ کر بے حیاء کوئی نہیں دیکھا۔ تو اس بھیڑیے نے اس آدمی کو جواب دیا: بلکہ مجھ سے بڑھ کر بے حیاء وہ انسان ہے جو ایسے آدمی سے منہ پھیر رہا ہے جس سے افضل روئے زمین پر کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی ان سے زیادہ روشن نور والا ہے، نہ ہی زیادہ بصیرت والا۔ نہ ہی کامیاب وکامران، جو مشرق ومغرب کا مالک بنے گا اور وہ کہتا ہے: "لَا اِلَہَ اِلّا اللّٰہ" اسے چھوڑتے ہو۔ پس زیادہ بے حیاء چہرے والا کون ہے، میں یا تم جو اس مہربان اور بزرگ ہستی سے روگردانی کئے ہوئے ہے، جو رب العالمین کے رسول بھی ہیں۔"[2]

اور ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے: "تین قسم کے جانور ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عہد رسالت میں قوت نطق عطا فرمائی تھی: ا.... اونٹ جس نے اپنے مالک کی شکایت کی تھی، اور اس کے علاوہ دیگر باتیں بھی کی تھیں۔ ۲.... بھیڑیا، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بھوک کی شکایت کی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں والوں کو بلا کر کہا: اس بھیڑیے کے لیے کچھ حصہ مقرر کر دو۔ مگر انہوں نے بخل سے کام لیا، پس وہ چلا گیا.... ۳.... وہ گائے، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان کیا، اور آپ کی نشانی بتائی۔ وہ اس وقت انصار کے قبیلہ بنی سالم کے باغ میں تھی۔ اس نے اعلان کیا تھا: اے ذریح! کامیابی کا کام کرو۔ ایک آواز لگانے والا آواز لگا رہا ہے وہ صاف عربی زبان میں کہہ رہا ہے: کہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔ محمد رسول اللہ سید النبیین ہیں اور آپ کے وصی حضرت علی سید الوصیین ہیں۔" [1]

ترکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ:

شبہ: .... حدیث ترک نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے ورثاء دینار اور درہم تقسیم نہیں کریں گے۔ میں جو کچھ اپنے بعد چھوڑوں گا، وہ میری بیویوں کا خرچہ، میرے عمال کی اجرت اور صدقہ ہو گا۔"[2] کہتے ہیں: حدیث کا یہ مضمون روایت کرنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں۔ اس حدیث سے انہوں نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی عدم توریث پر استدلال لیا تھا۔ خلیفہ اس کو روایت کرنے میں یقیناً منفرد ہے اور اس کے عہد میں اس کے علاوہ کسی نے یہ حدیث روایت نہیں کیا۔ جواب: .... یہ حدیث روایت کرنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص، عباس، عبد الرحمن بن عوف، زبیر بن عوام، ابوہریرہ، طلحہ، حذیفہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سبھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ امامیہ کی اسناد سے ابوعبد اللہ علیہ السلام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی ایسے راستہ پر چلتا ہے جس میں وہ علم کا متلاشی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتے ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام

ستاروں پر.... اور بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ وہ دینار اور درہم ورثہ میں نہیں پاتے، لیکن انہیں علم کا ورثہ ملتا ہے۔ جس نے اس سے حصہ لے لیا، اس نے بہت بڑا نصیب پالیا۔"

ابو طالب کی موت:

حدیث:....ابو طالب کی موت شرک پر ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے چچا! لا اِلہ اِلا اللّٰہ کہہ دو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی گواہی دوں گا۔" بالآخر ابو طالب نے لا اِلہ اِلا اللّٰہ کہنے سے انکار کر دیا اور کہا: اگر مجھے قریش کے یہ عار دلانے کا خوف نہ ہوتا کہ موت کے ڈر سے میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے؛ تو میں یہ اقرار کر کے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [القصص: ۵۶]

"بیشک آپ ہدایت نہیں کرسکتے جسے آپ چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت کرتے ہیں جسے چاہیں اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتے ہیں۔"[1] کہتے ہیں: یہ حدیث آل ابی طالب کے دشمنوں نے گھڑی ہے۔ اس کا مقصد اعدائے آل ابی طالب کی قربت حاصل کرنا تھا اور پھر اس کی ترویج اور نشرو اشاعت میں اموی حکومت نے کردار ادا کیا۔

جواب: ....ابو طالب کے مشرک مرنے اور شہادتین کے اقرار سے انکار کی حدیث صرف اکیلے ابو ہریرہ نے روایت نہیں کی۔ ان کے علاوہ حضرت عباس، حضرت ابو سعید حذری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ امامیہ کی اسناد سے قمی نے اس سابقہ آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔ راوندی (شیعہ عالم) کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہنم کا سب سے کم عذاب میرے چچا کو ہوگا۔ اس کو جہنم کے نچلے طبقہ سے نکال کر اوپر لایا جائے گا، اور آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی، جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔" [2]

ایک امت کا مسخ:

شبہ: ....حدیث ایک امت کا چوہوں کی شکل میں مسخ ہونا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا معلوم نہیں کیا ہوا، میرا خیال ہے کہ یہ چوہے مسخ شدہ صورت میں وہی گمشدہ گروہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب چوہوں کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جائے تو نہیں پیتے اور جب بکری وغیرہ کا دودھ رکھا جائے تو پی لیتے ہیں۔"[1]

کہتے ہیں یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا من گھڑت کلام ہے، اور شیخین اس کلام سے اس کی حماقتوں پر استدلال کرتے ہیں۔ جواب: ....اس طرح کی بعض روایات خود امامیہ مذہب کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ: "بیشک امیر المؤمنین کے پاس منافقین کی ایک جماعت آئی۔ وہ کہنے لگے کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ: جری مچھلی مسخ شدہ اور حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں۔ کہنے لگے: ہمیں اس کی کوئی دلیل دیکھاؤ؟ آپ انھیں لے کر فرات پر گئے، آپ نے آواز دی: ہناس ہناس! جری مچھلی نے کہا: لبیک۔ تو امیر المؤمنین نے اس سے کہا: تم کون ہو؟ کہنے لگی:" میں وہ ہوں جس نے آپ کی ولایت سے منہ موڑا تھا پس میری شکل مسخ کر دی گئی اور بے شک آپ کے ساتھ موجود لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں، جو ایسے ہی مسخ ہوں گے جیسے ہم مسخ ہوئے، اور ان کا انجام بھی ویسا ہو گا۔ جیسا ہمارا انجام ہوا۔ امیر المؤمنین نے اس سے کہا: ذرا اپنا قصہ وضاحت کے ساتھ سناؤ تا کہ حاضرین سن اور جان سکیں۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے، ہم چوبیس قبیلے تھے، جن کا تعلق بنو اسرائیل سے تھا۔ ہم سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے تھے۔ ہم پر آپ کی ولایت پیش کی گئی مگر ہم نہ مانے۔ ہم نے اپنا علاقہ چھوڑ دیا اور فساد مچانے لگے ہمارے پاس ایک آنے والا آیا جس کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں ہم سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ اس نے ہم میں ایک چیخ لگائی تو ہم سارے ایک جگہ پر جمع ہو گئے۔ پھر اس نے دوسری چیخ لگائی اور کہا: اللہ کی قدرت سے مسخ شدہ ہو جاؤ۔ تو ہم مختلف اجناس میں مسخ ہو گئے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، ہم مسخ شدہ ہو گئے۔ امام کاظم ان مسخ شدہ کے بارے میں کہتے ہیں: "یہ بارہ اقسام ہیں، اور ان کی اپنی اپنی وجوہات تھیں۔ ہاتھی بادشاہ تھا، اس نے لوطی سے زنا کیا، تو وہ اس شکل میں بدل گیا۔ ریچھ اس لیے مسخ ہوا کہ یہ دیوث اعرابی تھا۔ خرگوش اس حالت میں اس لیے بدلا کہ وہ ایک عورت تھی جو اپنے شوہر سے خیانت کرتی تھی اور حیض اور جنابت سے غسل نہیں کرتی تھی۔ چمگاڈر اس شکل میں اس لیے مسخ ہوا کہ وہ لوگوں کی کھجوریں چرایا کرتا تھا۔ سہارہ برج یمن میں پھلوں پر دسواں حصہ مالیہ وصول کرتا تھا۔ زہراء سیارہ ایک عورت تھی جس نے ہاروت وماروت کو فتنہ میں مبتلا کیا تھا۔ جب کہ بندر اور خنزیر بنی اسرائیل کی وہ قومیں ہیں جنہوں نے ہفتہ کے دن سرکشی اور تجاوز کی تھی۔ جب کہ جری مچھلی، ادر گوہ بنی اسرائیل کا ایک فرقہ تھا، جب حضرت عیسی علیہ السلام پر کھانا نازل ہوا تو یہ لوگ آپ پر ایمان نہ لائے، بلکہ اس کھانے میں کراہت محسوس کرنے لگے۔ پس ان میں سے ایک ٹولہ سمندر میں گرا اور وہ پاپلیٹ مچھلی بن گیا، اور ایک فرقہ صحراء میں جا گرا، اور وہ گوہ بن گیا۔ جب کہ بچھوا ایک چغل خور انسان تھا۔ جب کہ بھڑ قصائی تھا، وہ ماپ تول کے وقت چوری کرتا تھا۔"[1] ان کے علاوہ بھی بہت ساری روایات ہیں۔

حدیث:.... جو جنابت کی حالت میں صبح کرے، وہ روزہ نہ رکھے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنابت کی حالت میں صبح کرے، وہ روزہ نہ رکھے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت زیادہ جلیل القدر کامل اور افضل ہیں جیسا کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں، معاذ اللہ کہ آپ جنابت کی حالت میں صبح کریں، اور خصوصاً رمضان کے دنوں میں، اور انبیاء کے لیے احتلام ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ احتلام شیطان کی شرارت اور کھیل ہے جبکہ انبیاء اس سے منزہ ہیں۔ جواب: .... حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں رات کو نماز پڑھتے، پھر جنابت سے ہوتے، پھر جان بوجھ کر غسل میں طلوع فجر تک تاخیر کرتے۔"[2]

محمد بن حمران ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آپ سے سوال کیا: کیا جنبی مسجد میں بیٹھ سکتا ہے۔ انھوں نے فرمایا: نہیں لیکن مسجد میں سے گزر سکتا ہے سوائے مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے۔" اور فرمایا: ہمارے اصحاب نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری مسجد میں کوئی نہ سوئے اور نہ ہی کوئی جنبی اس میں داخل ہو۔" اور فرمایا:" اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ مسجد کو پاک رکھا جائے اور کوئی مسجد میں بحالت جنابت داخل نہ ہو، سوائے میرے اور علی اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے۔"[1] مروزی نے فقیہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے، فرمایا: "جب انسان کو ماہ رمضان میں رات کو جنابت ہو جائے اور وہ صبح تک غسل نہ کرے تو اس پر لگاتار دوماہ کے روزے ہیں اور اس دن کا بھی روزہ ہے، اور اس دن کی فضیلت کو وہ نہیں پاسکے گا۔"[2] ابو بصیر نے ابو عبد اللہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: " وہ آدمی جو ماہ رمضان میں رات کو جنبی ہو جائے، اور پھر وہ جان بوجھ کر صبح تک غسل کو موئخر کر دے، تو وہ ایک غلام آزاد کرے گا، یا دوماہ مسلسل روزے رکھے گا۔ یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور فرمایا کہ وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ کبھی بھی اس ثواب کا ادراک نہ کر سکے۔"[3] احمد بن محمد سے روایت ہے وہ ابو الحسن علیہ السلام سے روایت کرتا ہے: کہا: " میں نے آپ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو ماہ رمضان میں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا، یا اسے جنابت لاحق ہو گئی پھر وہ جان بوجھ کر سو گیا، حتیٰ کہ صبح طلوع ہو گئی، فرمایا: وہ اس دن کا روزہ بھی پورا کرے گا اور اس کی قضاء بھی کرے گا۔"[4]

حدیث:... لا عدوی ولا صفر ولا ہامۃ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ .... فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ۔))[5]
"چھوت لگنا، بدشگونی لینا، الو کا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں۔"

جواب:.... یہ حدیث امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر، اور حضرت انس بن مالک وغیر ہم سے روایت کی ہے۔ ☆امامیہ کی اسناد سے جمال سے روایت ہے، وہ ابو عبد اللہ سے روایت کرتا ہے۔ میں نے آپ سے اونٹوں کے بارے میں پوچھا کہ ان میں جرب نامی ایک بیمار ہوتی ہے، کیا میں اسے باقی اونٹوں سے علیحدہ کر لوں؟

کیونکہ اندیشہ ہے کہ یہ بیماری دوسرے جانوروں کو بھی نہ لگ جائے۔ تو ابو عبد اللہ نے کہا: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا، اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے کبھی بہت سستی گائے اور بکری مل جاتی ہے مگر اس میں جرب نامی بیماری ہوتی ہے۔

مجھے اس کا خریدنا اچھا نہیں لگتا، کیونکہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ بیماری دوسرے جانوروں کو بھی نہ لگ جائے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے

اعرابی: پہلے جانور کو یہ بیماری کس نے لگائی؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ ہی کوئی مرض متعدی ہوتا ہے، نہ فال، نہ نحوست، نہ ہی صفر اور نہ

ہی دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت۔"[1] امام صادق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "جذامی سے ایسے بھاگنا جیسے شیر سے بھاگتا ہے۔" [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چوکیداری کا قصہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا: "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی زکوۃ کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔ میرے پاس ایک شخص آیا اور لپ بھر کر اناج لینے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا:" اللہ کی قسم! میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔" اس نے کہا کہ میں محتاج ہوں اور مجھ پر بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری ہے اور مجھے سخت ضرورت ہے، میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تمہارے رات کے قیدی نے کیا کیا"؟ میں نے عرض کیا: " اے اللہ کے رسول! اس نے سخت ضرورت اور بال بچوں کی شکایت کی تو مجھے رحم آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جھوٹا ہے اور پھر آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی وجہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئے گا۔ چنانچہ میں اس کا منتظر رہا وہ آیا اور اناج لپ بھر کر لینے لگا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، میں محتاج ہوں اور مجھ پر بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری ہے اب میں نہیں آؤں گا.... حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! تم جانتے ہو کہ تین رات تم کس سے گفتگو کرتے رہے ؟ ابو ہریرہ نے جواب دیا: نہیں۔

آپ نے فرمایا:" وہ شیطان تھا۔" (بخاری) کہتے ہیں:" ذرا سی بھی عقل رکھنے والا ایسی خرافات سننا گوارا نہیں کرتا۔ ابو ہریرہ اپنے شیطان کے بارے میں ہم سے کہیں غریب روایات بیان کرتا ہے۔ جب کبھی بھی ابو ہریرہ روایت کرنے میں منفرد ہوتا ہے، وہ اچھوت قسم کی کہانیاں نقل کرتا ہے، کبھی خیال کرتا ہے کہ شیطان اپنے بچوں کے لیے کھانا چراتا ہے، اور کبھی وہ ایسی گوز مارتا ہے جس کو کانوں سے سن سکتے ہیں اور اس طرح کے دیگر قصے بھی ہیں، جن کے سننے سے روشن ذہن اور سلیم عقل انکار کرتی ہے، عقلی بے راہ روی اور جانچ پرکھ کے ضعف سے اللہ کی پناہ.... الخ

جواب: ....امامیہ کی کتابوں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: " میرے پاس ایک تھیلی تھی۔ جس میں کھجوریں تھیں۔ بلائیں ایک نور کی شکل میں آتیں اور اس تھیلی سے کھجوریں نکال لیتیں۔ میں نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جاؤ، جب وہی بلا پھر آئے تو تم کہنا: بسم اللہ! چلیں، تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہے۔" کہتے ہیں : میں نے اسے پکڑ لیا، اس نے قسم اٹھائی کہ وہ دوبارہ نہیں آئے گی۔

میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور کہنے لگی: میں آپ کو ایک چیز یاد دلاتی ہوں، اور وہ آیت الکرسی ہے۔ اسے اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ کوئی شیطان یا دوسری چیز قریب بھی نہیں آئے گی۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تیرے قیدی نے کیا کیا؟ تو اس صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ بتایا، جو اس نے کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا:" وہ جھوٹا ہے، مگر اس نے صحیح کہا۔"[1] یہ بھی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جب مؤذن اذان دیتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے، اور اس کی گوز نکل رہی ہوتی ہے۔"[2]

حدیث:.... "بلی کی وجہ سے عورت جہنم کی نذر"

شبہ: .... حدیث بلی کی وجہ سے عورت جہنم کی نذر۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم کی آگ میں چلی گئی' اس نے بلی کو بند رکھا یہاں تک کہ وہ مر گئی' اس نے اس بلی کو بند کر دیا تھا؛ نہ اسے پانی پلاتی تھی' اور نہ کھانا دیتی تھی' اور نہ ہی اسے کھلا چھوڑتی کہ وہ زمین سے کیڑے مکوڑے کھا کر گزارہ کر لے۔"[1]

کہتے ہیں یہ خیالی روایات ہیں جن میں ظلم وعداوت کے برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ جواب: .... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے بھی روایت کی ہے۔ آل بیت کی روایات میں: حفص بن البختری نے ابو عبداللہ سے روایت کیا ہے، فرمایا:" بیشک ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا اور وہ پیاس سے مر گئی۔"[2]

اور موسیٰ بن جعفر اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " میں نے جہنم کی آگ میں بلی والی عورت کو دیکھا، وہ بلی اسے آتے جاتے نوچ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا۔ نہ ہی اسے کھانا دیتی تھی، اور نہ ہی کھلا چھوڑتی کہ وہ زمین سے کیڑے مکوڑے کھالے۔" [3]

حدیث:.... کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے عورت کی مغفرت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " ایک فاحشہ عورت صرف اس وجہ سے بخشی گئی کہ وہ ایک کتے کے قریب سے گزر رہی تھی، جو ایک کنویں کے قریب کھڑا پیاسا ہانپ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پیاس کی شدت سے ابھی مر جائے گا۔ اس عورت نے اپنا موزہ نکالا اور اسے اپنے دوپٹہ سے باندھ کر پانی نکالا اور اس کتے کو پلا دیا، تو اسی نیکی کی وجہ سے اس کی بخشش ہو گئی۔"[صحیح بخاری] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " ایک شخص راستے میں سفر کر رہا تھا کہ اسے پیاس لگی۔ پھر اسے راستے میں ایک کنواں ملا اور وہ اس کے اندر اتر گیا اور پانی پیا۔ جب باہر آیا تو اس کی نظر ایک کتے پر پڑی جو ہانپ رہا تھا اور شدت پیاس سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ اس وقت یہ کتا بھی پیاس کی اتنی ہی شدت میں مبتلا ہے جس میں میں تھا۔ چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنے جوتے میں پانی بھر کر اس کتے کو پلایا۔ اللہ تعالی کے ہاں اس کا یہ عمل مقبول ہوا اور اس کی مغفرت کر دی گئی۔"[1]

معترضین کہتے ہیں: ہم جانتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث ابوہریرہ کے خیالات کی پیداوار ہیں، جن میں مہربانی اور شفقت کے اچھے انجام کو مثال میں بیان کیا ہے اور نیکی اور احسان کی ترغیب دی گئی ہے۔ جواب: .... امام موسیٰ بن جعفر اپنے آباء سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں پر وہ کتے والا بھی دیکھا جس نے کتے کو پانی پلایا تھا۔"[2] اور نعمت اللہ الجزایری لکھتا ہے: "ذہن کو خوش کرنے والی روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی اسرائیل کا ایک ایسا آدمی جو ہر وقت گناہوں میں لت پت رہتا تھا۔ وہ اپنے

ایک سفر میں ایک کنویں پر پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے ہانپ رہا ہے۔ اس کے دل میں ترس آیا۔ اس نے اپنے عمامہ کے ساتھ موزہ باندھ کر پانی نکالا اور کتے کو پلایا حتیٰ کہ وہ سیر اب ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کی طرف وحی کی کہ میں نے فلاں انسان کی نیکی کی قدر دانی کی ہے اور اس کے گناہ معاف کر دیے ہیں، اس نے میری مخلوق میں سے ایک پر ترس کھایا تھا۔ پس جب اس گنہگار نے یہ سنا تو گناہوں سے توبہ کر لی اور یہ اس کے گناہوں سے توبہ کرنے اور عذاب سے نجات پانے کا ذریعہ بن گیا۔"[3]

فضائل صحابہ کی مرویات اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

شبہ: .... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موضوع احادیث روایت کرتے ہیں۔ ایک معترض کہتا ہے: دین کا دوسرا آدھا حصہ ابو ہریرہ کے ساتھ خاص ہے، جو ان کے لیے ان کی من پسند روایات نقل کرتا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسے قربت سے نوازا اور مدینہ منورہ کی امارت بھی سونپی؛ اور وادی عقیق میں اس کے لیے محل بھی تعمیر کیا، حالانکہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اور اسے راوی اسلام کا لقب دیا، اس طرح بنی امیہ پر ایک نیا اور کامل دین آسان ہو گیا جس میں کتاب وسنت سے وہی بات موجود ہو، جو ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ کہتے ہیں:" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسے ہی ابو بکر و عمر اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے فضائل بھی روایت کرتا ہے۔

جواب: .... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتنہ کے دور میں جانبین میں سے کسی ایک کے ساتھ نہیں تھے۔ بلکہ آپ فتنہ سے علیحدہ رہنے والوں کے ساتھ تھے۔ آپ نے کسی سے قتال نہیں کیا اور آپ نے فتنہ سے اعتزال کے متعلق احادیث روایت کی ہیں مثلاً بخاری کی یہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عنقریب فتنے ہوں گے، پس ان میں سونے والا بیدار رہنے والے سے بہتر ہو گا اور بیدار کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہونے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا پس جس آدمی کو کوئی پناہ کی جگہ یا حفاظت کی جگہ مل جائے تو اسے چاہئے کہ وہ پناہ حاصل کرے۔"[1] اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی رائے یہی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خالی دست نہ تھے، اور نہ ہی مدینہ کی ولایت کوئی پہلی بار تھی۔ بلکہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کا گورنر بنایا تھا اور آپ کے پاس کافی مال تھا۔ ابن سیرین کہتے ہیں:

" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بحرین کا گورنر بنایا، آپ وہاں سے دس ہزار لائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے دشمن، اور اللہ کی کتاب کے دشمن! یہ مال تم نے اپنے لیے خاص کر رکھا ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے! میں نہ ہی اللہ کا دشمن ہوں اور نہ ہی اس کی کتاب کا، بلکہ میں ان دونوں کے علاوہ کا دشمن ہوں۔ آپ سے پوچھا گیا: یہ مال آپ کے پاس کہاں سے آیا؟ تو فرمایا: یہ میرے گھوڑوں کی افزائش نسل ہوئی، اور غلاموں کی کمائی ہے، یہی بڑھتے رہے ہیں۔ جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ آپ کی بات درست تھی۔ پھر اس کے بعد دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو والی مقرر کرنا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا۔"[2]

بنو امیہ کے آپ کو مدینہ کا گورنر بنانے کا سبب یہ تھا کہ آپ مدینہ میں باقی رہ جانے والے کبار صحابہ اور نمایاں شخصیات میں سے تھے۔ خصوصاً جب یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں نمازیں بھی آپ ہی پڑھایا کرتے تھے اور اگر بنو امیہ کے

علاوہ کوئی دوسرا بھی آتا تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ آپ کو ہی گورنر بناتا۔ اس لیے کہ آپ اس کام کے لیے نامزد تھے اور یہ ایسے ہو تا بھی کیوں نہیں کہ ان سے بہتر ہستی کوئی نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے آپ کو منتخب کر چکے تھے۔

جہاں تک آپ کی صداقت اور ثقاہت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں بارہ ائمہ میں سے چوتھے امام کی رائے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ زین العابدین علی بن الحسین سے یہ روایت اردبلی نے روایت کی ہے۔ اردبلی کا شمار شیعہ امامیہ کے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ وہ سعید بن مرجانہ کی سند سے روایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے، میں ایک دن حضرت علی بن الحسین کے پاس تھا، میں نے کہا: میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: " جو کوئی کسی غلام کو آزاد کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر جوڑ کے بدلے اس کا ہر جوڑ جہنم کی آگ سے آزاد کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے ہاتھ کے بدلے اس کا ہاتھ اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ۔" حضرت علی بن حسین نے کہا: کیا تم نے خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے؟ سعید نے کہا: ہاں۔ تو آپ نے اپنے پاس بیٹھے ایک غلام سے کہا: میرے غلاموں کو آزاد کر دو۔ عبداللہ بن جعفر نے اس غلام کے بدلے میں ہزار دینار کی پیش کش کی تھی، مگر آپ نہ مانتے تھے۔" اب کہا: "تم صرف اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہو۔"[1]

یہ بات کوئی غریب نہیں ہے کہ امامیہ علماء کے ایک بڑے عالم اس کی توثیق کریں اور انھیں قابل تعریف لوگوں میں شمار کریں۔ جیسا کہ ابن داؤد حلی نے کہا ہے: " عبداللہ ابوہریرہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے معروف ہستی ہیں۔"[2]

☆ اور یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر وعمر، عمرو بن العاص اور ابوہریرہ اور عروہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بھی ایسے ہی روایت کیے جاتے ہیں اور ان تمام کے بارے میں تاریخ یہ واضح کرتی ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر کشی کرنے والے تھے۔ انہوں نے اسلحہ سے بھی آپ سے جنگ کی اور آپ کے مخالفین اور دشمنوں کے فضائل بھی گھڑے۔ میں کہتا ہوں: جہاں تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، تو آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں کنارہ کش رہے اس اعتبار سے آپ کسی کے خلاف نہیں تھے۔ لیکن یہ سب کچھ دشمنان کے فضائل گھڑنے اور انہیں پذیرائی دینے سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: ...." کل میں ایک شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہو گا' اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں گے۔"

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے، فرمایا: اور جس نے ان دونوں سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ آپ کی مراد حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہ تھے۔"[1]

اور آپ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔"[2]

حدیث:.... خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی سے لڑے تو وہ چہرے پر مارنے سے بچے اور یہ نہ کہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو برباد کرے اور نہ اس کے مشابہ کوئی کلمہ کہے؛اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔"[3]

جواب: .... حضرت حسن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری پر ہوا، وہ اپنے غلام کے چہرہ پر تھپڑ مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اللہ تیرے چہرہ کو خراب کرے، اور اس کے چہرہ کو بھی جس سے تو مشابہت رکھتا ہے۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت ہی بری بات کہی، بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے،یعنی مضروب کی صورت پر۔یہ جواب صحیح ہے،والحمدللہ۔[4] حسین بن خالد کہتے ہیں: "میں نے امام رضا علیہ السلام سے کہا: اے رسول اللہ کے صاحبزادے! " لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:" اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔" آپ نے فرمایا:"اللہ انہیں قتل کرے، انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو آدمیوں پر ہوا، وہ ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ آپ نے سنا، ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: اللہ تعالیٰ تیری شکل بگاڑے، اور اس کا چہرہ بھی بگاڑ دے جو تجھ سے مشابہت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا:" اے اللہ کے بندے! اپنے بھائی کو ایسے مت کہو۔بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔"[5]

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے، فرمایا: اور جس نے ان دونوں سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ آپ کی مراد حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہ تھے۔"[1] اور آپ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔"[2]

حدیث:.... خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی سے لڑے تو وہ چہرے پر مارنے سے بچے اور یہ نہ کہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو برباد کرے اور نہ اس کے مشابہ کوئی کلمہ کہے؛اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔"[3]

جواب: .... حضرت حسن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری پر ہوا، وہ اپنے غلام کے چہرہ پر تھپڑ مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اللہ تیرے چہرہ کو خراب کرے، اور اس کے چہرہ کو بھی جس سے تو مشابہت رکھتا ہے۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت ہی بری بات کہی، بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے،یعنی مضروب کی صورت پر۔یہ جواب صحیح ہے،والحمدللہ۔[4]

حسین بن خالد کہتے ہیں: "میں نے امام رضاعلیہ السلام سے کہا: اے رسول اللہ کے صاحبزادے! " لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:" اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔" آپ نے فرمایا:" اللہ انہیں قتل کرے، انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو آدمیوں پر ہوا، وہ ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ آپ نے سنا، ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: اللہ تعالیٰ تیری شکل بگاڑے، اور اس کا چہرہ بھی بگاڑ دے جو تجھ سے مشابہت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا:" اے اللہ کے بندے! اپنے بھائی کو ایسے مت کہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔"[5]

حدیث:.... بروز قیامت دیدار الٰہی:

شبہ: .... حدیث: بروز قیامت دیدار الٰہی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگ اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کیا تمہیں بدر کی رات میں چاند کو دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے جب بادل نہ ہوں؟ لوگوں نے کہا:" نہیں۔" اے اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا:" تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے۔"[صحیح بخاری]

کہتے ہیں: یہ حدیث ارباب خرد و دانش کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ کیا ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صورت مختلف ہو سکتی ہے کہ بعض اسے پہچان لیں ، اور بعض نہ پہچان سکیں اور کیا ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پنڈلی ہے جو اس کی آیت اور علامت و نشانی ہے؟ اور پنڈلی دوسرے اعضاء کے بغیر کیسے اور کس چیز کی نشانی ہو سکتی ہے؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کے لیے حرکت کرنا اور منتقل ہونا جائز ہے کہ وہ پہلی اور دوسری بار آئے گا، اور کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ہنسنا جائز ہے، اور اس سارے کلام کا کیا وزن (اور حقیقت) ہے؟

جواب: ....بروز قیامت دیدار الٰہی کی روایات اہل بیت سے بھی مروی ہیں۔ ایک طویل حدیث میں ہے کہ بے شک اہل جنت اللہ تعالیٰ کی آواز سنیں گے اور اللہ ان سے مخاطب ہوں گے اور اہل جنت اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے۔ یہ دو باتیں اہل جنت کے لیے سب سے زیادہ لذیذ اور محبوب ہونگی۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:" جب اہل جنت نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے تو اس دوران وہ ایک آواز سنیں گے جو عرش کے نیچے سے آرہی ہو گی۔ وہ آواز ہو گی: اے اہل! جنت تم اپنے ٹھکانے کو کیسے دیکھ رہے ہو؟ تو وہ کہیں گے: بہترین ٹھکانہ ہمارا ٹھکانہ ہے، اور بہترین ثواب ہمارا ثواب ہے۔ ہم نے ایک آواز سنی ہے، اور اب اس کو دیکھنے کی خواہش کر رہے ہیں۔ وہ ہمارا سب سے بڑا ثواب ہو گا اور تو نے اس کا وعدہ کر رکھا ہے بے شک تو وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے سامنے آئیں گے۔ حتیٰ کہ لوگ رب تبارک و تعالیٰ کے چہرہ کی طرف دیکھیں گے۔ "[1]

عاصم بن حمید ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا:" جب وہ جمع ہو جائیں گے تو رب تعالیٰ ان کے لیے تجلی فرمائیں گے۔ جب وہ اس کی طرف دیکھیں گے تو سجدہ میں گر جائیں گے۔"[2] امام سجاد کہتے ہیں: اے اللہ! ہماری آنکھوں کو اپنے ساتھ ملاقات کے دن اپنے دیدار پر قادر بنادے۔"

ابو بصیر نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے، فرمایا: " میں نے ان سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتائیں، کیا اہل ایمان بروز قیامت اس کو دیکھ سکیں گے؟ فرمایا: "ہاں" [1]

حدیث:.... "لا تملاء النار حتی یضع اللہ رجلہ فیہا":

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" پھر جب دوزخ نہیں بھرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنا قدم دوزخ پر رکھیں گے تو پھر دوزخ کہے گی: بس بس۔ پھر دوزخ اسی وقت بھر جائے گی اور اس کا ایک حصہ دوسرے کی طرف سمٹ جائے گا۔" [2]

کہتے ہیں: شریعت اور عقل کی روشنی میں یہ حدیث محال اور ممتنع ہے۔ کیا وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی نزاہت بیان کرتا ہو، وہ اس بات پر ایمان رکھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ٹانگ (پاؤں) ہے؟ اور کیا عقل منداس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں اپنا پاؤں رکھیں گے اور وہ بھر جائے گی؟ جواب: .... یہ حدیث جس پر اس معترض نے اعتراض کیا ہے۔ اس سے یہ لوگ خود بھی استدلال کرتے ہیں، چنانچہ ان یک ایک بہت بڑے عالم جنہیں صدر المتألھین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اس کا نام محمد بن ابراہیم صدرالدین شہرازی ہے، وہ کہتا ہے:" اور کیا آپ ہماری بات کی صداقت کو نہیں دیکھتے، جہنم اپنی کمی کی وجہ سے تکلیف کا شکار رہے گی یہاں تک کہ جبار سبحانہ وتعالیٰ اس پر اپنا پاؤں رکھیں گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔" [3] مزید بر آں اس حدیث سے ان کے ایک اور عالم سید محمدی الرے شہری نے بھی استدلال کیا ہے۔" [4]

حدیث:.... " اللہ تعالیٰ کا ہر رات آسمان دنیا پر نزول":

حدیث:.... اللہ تعالیٰ کا ہر رات آسمان دنیا پر نزول: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، جس وقت رات کے آخر کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ تو فرماتا ہے:" کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں۔" اور کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اسے عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے اور میں اسے بخش دوں۔" [1]

کہتے ھیں: نزول اور صعود، آنا جانا، حرکت اور نقل مکانی اور سارے عوارض حادث ہیں۔ جواب: .... حدیث نزول فریقین کے مابین متفق علیہ ہے، اہل بیت کی روایت میں صدوق نے اپنی کتاب "التوحید" میں امام صادق سےؒ یہ اور زنادقہ کے خلاف دلائل میں نقل کی ہیں۔

آپ سے پوچھا گیا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا پر نازل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ اس لیے کہ یہ صحیح روایات اور احادیث سے ثابت ہے۔"

سائل نے پوچھا: جب اللہ تعالیٰ عرش سے نازل ہوتے ہیں تو کیا اس میں تحویل (اور عرش کا خالی ہونا) لازم نہیں آتا اور ایک صفت کا حدوث نہیں ہوتا؟ تو ابو عبد اللہ نے فرمایا: نزول الٰہی مخلوقات کے نزول کی طرح نہیں ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں تو پہلی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں تو بغیر تھکاوٹ اور حرکت کے نازل ہوتے ہیں، اور اس وقت اللہ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے آسمان دنیا پر۔" [التوحید ص: ۲۴۸۔]

جابر جعفی سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: میں نے ابو عبد اللہ سے سنا، وہ فرماتے تھے:" اللہ تعالیٰ رات کے آخری تہائی حصہ میں دنیاوی آسمان پر نازل ہوتے ہیں، اور آواز لگاتے ہیں: کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے اس کی توبہ قبول کی جائے۔ اور ہے کوئی جو گناہوں کی بخشش مانگنے والا ہو، اور میں اس کے گناہ بخش دوں؟ اور کوئی دعا کرنے والا ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کی مشکل دور کر دوں۔

اور کوئی تنگ دست ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کے رزق میں وسعت دیدوں۔

اور کوئی مظلوم ہے جو مجھ سے مدد کا طالب ہو، اور میں اس کی مدد کروں؟"[2] ا

حسائی المعروف ابن ابی جمہور نے نزول کی صفت کو ثابت مانا ہے، وہ کہتا ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ رات کے آخری تہائی حصہ میں دنیاوی آسمان پر نازل ہوتے ہیں اور عرفہ کی شام اہل عرفہ کی طرف اور پندرہ شعبان کی رات۔"[1]

محسن الکاشانی کہتا ہے: اول یہ کہ دعاء کے لیے اس کے مناسب شرف کے اوقات تلاش کئے جائیں۔ مثلاً سال بھر میں عرفہ کا دن، مہینوں میں رمضان کا مہینہ۔ ہفتہ بھر میں جمعہ کا دن، اور عام اوقات میں سحر کے وقت آخری رات کی چند گھڑیاں: ﴿ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴾ [الذاريات: ۱۸]"اور سحری کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔"

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات، رات کے آخری تہائی حصہ میں دنیاوی آسمان پر تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ اور مجھ سے مانگے، میں اسے عطا کروں۔ اور مجھ سے مغفرت کا طلب گار ہو، میں اس کے گناہ معاف کر دوں۔"[2]

ایسے ہی ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: رات کا کون سا حصہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: بقیہ رات کا آخری آدھا حصہ۔ رات کے آخری حصہ کے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں، مثلاً: عرش کا کانپنا، جنت عدن سے ہواؤں کا چلنا اور جبار سبحانہ تعالیٰ کا دنیاوی آسمان پر نازل ہونا ان کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں۔"[3]

اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ ہر رات دنیاوی آسمان پر نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: ''کوئی دعا کرنے والا ہے جس کی دعا قبول کروں۔''[4] بلکہ ان کے ہاں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اونٹ پر سوار ہو کر نزول فرماتے ہیں: '' عبد اللہ ابن سنان کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: بے شک اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن زوال کے بعد ایک کشادہ کوہان والے اونٹ پر بیٹھ کر زمین پر اترتے ہیں۔''[5]

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ: ''جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو رب تبارک وتعالیٰ عرفہ کے دن زمین پر اترتے ہیں۔''[6]

عطاء ابو جعفر سے روایت کرتا ہے، وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے آباء سے روایت کرتا ہے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، ایک طویل حدیث ہے، اس میں ہے:

'' بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ زمین پر اترے اور بیت الحرام کی بنیادیں اٹھائیں۔'' [1]

جابر کہتے ہیں: ابو جعفر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ [البقرہ: ۲۱۰]

''وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''

''اللہ تعالیٰ نورانی قبوں میں اتریں گے اور یہ معلوم نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کس قبہ میں ہے۔ یہ اس وقت ہو گا جب اللہ تعالیٰ کوفہ کی سرزمین پر اتریں گے۔''[2]

اور ابو عبد اللہ کہتے ہیں: '' جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو رب تعالیٰ دنیاوی آسمان پر اترتے ہیں اور جب فجر طلوع ہوتی ہے تو وہ اپنے عرش پر بیت المعمور کے اوپر ہوتے ہیں۔'' [3]

اور ابو جعفر نے کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سائے میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس زمین پر اترے، یہ واقعہ مکہ اور طائف کے درمیان وادی روحاء میں پیش آیا۔''[4] اور ابو عبد اللہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ جمع کی رات کے پہلے حصہ میں دنیاوی آسمان پر اترتے ہیں۔''[5] علی بن الحسین کہتے ہیں: ''کیا تمہیں علم نہیں ہو سکا کہ جب عرفہ کے دن شام ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ساتھ دنیاوی آسمان پر ظاہر ہوتے ہیں۔''[6] اسی پر بس نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ائمہ کی قبور کی زیارت کے لیے اترتے ہیں۔ ابو وہب القصری سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: میں شہر مدینہ میں پہنچا تو ابو عبد اللہ کے پاس گیا، میں نے کہا:'' آپ پر قربان جاؤں میں آپ کے پاس تو چلا آیا، مگر امیر المؤمنین کی قبر کی زیارت نہیں کی۔'' تو آپ نے فرمایا: ''تم نے بہت

ہی برا کیا، اگر تو ہمارے شیعہ میں سے نہ ہوتا، تو میں تیری طرف دیکھتا بھی نہیں۔ کیا تم اس کی زیارت نہیں کرتے جس کی زیارت اللہ تعالیٰ، فرشتے اور انبیاء کرتے ہیں اور اہل ایمان بھی اس کی زیارت کرتے ہیں۔" میں نے کہا: "میں آپ پر قربان جاؤں، مجھے اس کا علم نہیں تھا۔"[1]

منیع بن حجاج نے صفوان الجمال سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:" جب ابو عبد اللہ "الحیرۃ" تشریف لائے تو مجھ سے کہا: کیا تم قبر حسین رضی اللہ عنہ کی خواہش رکھتے ہو؟

میں نے کہا: میں آپ پہ قربان جاؤں، کیا آپ اس کی زیارت کے لیے جائیں گے؟ تو کہنے لگے: میں کیسے اس کی زیارت کروں جب کہ اللہ اس کی زیارت کے لیے ہر جمعرات کو ملائکہ اور انبیاء اوصیاء کے ساتھ اترتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں، اور ہم افضل الاؤصیاء ہیں۔" صفوان نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! کیا میں ہر جمعرات کو اس کی زیارت کیا کروں تاکہ رب کی زیارت کو بھی پالوں؟ فرمایا: ہاں، اے صفوان! قبر حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت کو لازم پکڑلو، تو کچھ کمالو گے یہی تو فضیلت کی بات ہے۔"[2]

اور امام صادق سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے، فرمایا: " حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت کرتے ہیں ان سے ہاتھ ملاتے ہیں اور ان کیساتھ چارپائی پر بیٹھتے ہیں۔"[3]

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک رات میں سو بیویوں سے ملاقات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:" حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

" میں آج رات اپنی سب بیویوں سے زفاف کروں گا، وہ سب ایک ایک بیٹا دیں گی جو اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے۔ فرشتے نے کہا: ان شا اللہ کہہ لیجئے۔ جس کو وہ کہنا بھول گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سب بیویوں سے صحبت کی مگر ان میں سے سوائے ایک بیوی کے (جس کو آدھا بچہ پیدا ہوا) کسی کے ہاں کچھ بھی پیدا نہ ہوا۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:" اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی اور حاجت بر آنے کی امید بھی زیادہ ہوتی۔"[1]

کہتے ہیں: کئی وجوہات کی بنا پر روایت محل نظر ہے:

پہلی وجہ: .... بشری قوت اتنی بیویوں کے ساتھ ایک رات میں ہم بستری سے کمزور پڑ جاتی ہے، بھلے کوئی انسان کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ حضرت سلیمان کے ان کے ساتھ ہم بستری کے بارے میں بیان کیا ہے، وہ طبعی نوامیس کے خلاف ہے، عادۃً ایسا واقعہ پیش آنا کبھی بھی ممکن نہیں۔

دوسری وجہ:.... اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ ان شاء اللہ کہنا ترک کر دیں۔

جواب: ....اس طرح کی احادیث ائمہ اہل بیت سے بھی مروی ہیں۔ صادق علیہ السلام سے روایت ہے، فرمایا: ''بیشک جب حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا، اور آپ پر زبور نازل فرمائی.... الخ....:

تو اس وقت داؤد علیہ السلام کی ننانوے عورتیں تھیں؛ جن میں بیویاں بھی تھیں اور لونڈیاں بھی۔'' اور ابو الحسن سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں تھیں جو ایک ہی محل میں رہتی تھیں۔ ان میں سے تین سو بیویاں تھیں، اور سات سو بندیاں۔'' '' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چالیس مردوں کی طاقت تھی اور آپ کی نو بیویاں تھیں اور آپ روزانہ ان کے پاس جایا کرتے تھے۔''[2]

اور ابو الحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں ایک ہی محل میں تھیں۔ ان میں سے تین سو بیویاں تھیں، اور سات سو باندیاں اور ان کے پاس ہر روز دن اور رات میں جایا کرتے تھے۔ الجزائری نے اس روایت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے: '' میں کہتا ہوں: اس میں احتمال ہے کہ آپ صرف ملاقات کے لیے جاتے ہوں۔ جب کہ روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مراد جماع ہے۔''

اور ابو جعفر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''سلیمان علیہ السلام کا ایک قلعہ تھا جسے شیاطین نے تعمیر کیا تھا اس میں ہزار گھر تھا اور ان میں سے ہر ایک گھر میں ایک منکوحہ تھی۔ ان میں سے سات سو قبطی باندیاں تھیں، اور تین سو آزاد بیویاں تھیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس مردوں کی قوت عطا کی ہوئی تھی۔ آپ ان تمام پر چکر لگایا کرتے تھے۔''[1]

سیر کانی نے کہا ہے: '' حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار منکوحہ تھی۔ جن کے لیے ایک ہزار شیشے کے گھر تھے جنہیں لکڑ پر تعمیر کیا گیا تھا۔''[2]

الجزائری نے تذکرہ کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ساتھ اپنی بساط پر ایک ہزار منکوحہ لے کر چلتے تھے۔ ان میں سات سو باندیاں اور تین سو آزاد بیویاں تھیں اور کہا گیا ہے کہ وہ ہر رات ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔'' اور کہتا ہے: ''میں کہتا ہوں کہ'' ہر رات اور دن میں ان پر چکر لگایا کرتے تھے۔''[3]

کاشانی نے کہا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے کہا: آج کی رات میں ایک سو بیویوں کے پاس جاؤں گا، اور ان میں سے ہر ایک ایک جو ان مرد لڑکے کو جنم دے گی، مگر آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی مراد سے محروم رکھا۔''[4]

جہاں تک نسیان کا تعلق ہے، تو یہ قرآن میں بھی کئی مقام پر وارد ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا () إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا﴾ [الکہف: ۲۳۔ ۲۴]

''اور کسی چیز کے بارے میں ہر گز نہ کہہ کہ میں یہ کام کل ضرور کرنے والا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے اور اپنے رب کو یاد کر جب تو بھول جائے اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے قریب تر بھلائی کی ہدایت دے گا۔''

اور قمی نے ذکر کیا ہے کہ:

''ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مسائل کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں کل ان کا جواب دوں گا اور آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا تو چالیس دن تک وحی روک لی گئی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہوئے۔''[5]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کو تھپڑ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف موت کا فرشتہ بھیجا گیا جب وہ ان کے پاس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مار دیا۔ جس سے ملک الموت کی آنکھ نکل گئی۔ تو ملک الموت اپنے رب کی طرف لوٹا اور اس نے کہا: اے پروردگار! آپ نے مجھے ایک ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا:'' دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جا اور ان سے کہہ کہ اپنا ہاتھ مبارک ایک بیل کی پشت پر رکھیں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتنی عمر بڑھا دی جائے گی۔'' کہتے ہیں: ایسا اللہ تعالیٰ یا اس کے انبیاء یا ملائکہ کے لیے جائز نہیں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسب ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو چن لے جو کہ غصہ کے وقت بہت سختی سے اہل جبروت کی طرح پکڑلے، اور جہلاء کی طرح موت کو ناپسند کرے۔

جواب:.... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کو تھپڑ مارنے کا قصہ امامیہ نے بھی اپنی اسناد سے نقل کیا ہے۔ اس کا ذکر الجزائری اور تو یسیر کاشانی نے کیا ہے، وہ کہتا ہے: ''جب ملک الموت آپ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، تو آپ نے اسے تھپڑ مار کر کانا کر دیا۔ اس نے کہا: اے رب! آپ نے مجھے ایسے آدمی کی طرف بھیج دیا جس کو موت پسند ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھو، جتنے بال بھی تمہارے ہاتھ کے نیچے آئیں گے، ہر بال کے بدلہ میں ایک سال زندگی ملے گی۔''[1]

اردبلی نے کہاہے: "بشری طبیعت میں موت کی ناپسندیدگی ودیعت کر دی گئی ہے، اور طبیعت اس سے نفرت کھاجاتی ہے، جب آپ میں زندگی کی محبت اور اس کی طرف میلان رکھا گیاہے، حتیٰ کہ انبیاء کرام بھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کے ساتھ قصہ ہے۔"[2]

حدیث: ....پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر فرار ہونا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" بنی اسرائیل ننگے غسل کرتے اور ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرتے۔ تو لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے روکنے والی صرف یہ چیز ہے کہ آپ کو ہرنیا کی بیماری ہے۔ پھر ایک مرتبہ آپ غسل کرنے گئے آپ نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے اور فرماتے جاتے تھے: "اے پتھر میرے کپڑے دے، میرے کپڑے دے۔

" یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کی شرمگاہ کو دیکھ لیا اور انہوں نے کہا:"

اللہ کی قسم موسیٰ علیہ السلام کو تو کوئی بیماری نہیں "تو پتھر بھی کھڑا ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا اپنے کپڑے لئے اور پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کی ضرب کے چھ یا سات نشانات موجود تھے۔" کہتے ہیں: آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث میں جو محال اور عقلاً ممتنع باتیں وارد ہوئی ہیں۔ اس بات کی تشہیر کرنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوم کے لوگوں کے سامنے اپنی شرمگاہ ظاہر کی، ہرگز جائز نہیں۔ یہ آپ کی شان میں کوتاہی اور مقام و مرتبہ سے گراوٹ ہے۔ خصوصاً جب کہ لوگوں نے اس حال میں دیکھا ہو کہ وہ ننگے پتھر کو آوازیں لگاتے دوڑ رہے ہوں اور وہ نہ ہی سنتا ہو اور نہ ہی دیکھتا ہو۔ پتھر میرے کپڑے اور پھر لوگوں کے سامنے ایسے ننگے جا کھڑے ہوں، اور پتھر کو مار رہے ہوں، اور لوگ آپ کی طرف دیکھ رہے ہوں، اور آپ کا ستر کھلا ہوا ہو جیسے کوئی مجنون ہو اور اس کی بنیاد پر یہ خیال کرنا کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نامرد سمجھتے تھے، یہ بات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی نے بھی نقل نہیں کی۔ جواب: ....یہ قصہ امام صادق رحمہ اللہ نے بھی روایت کیاہے، کہتے ہیں: " بنو اسرائیل کہا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مرد نہیں ہیں اور موسیٰ علیہ السلام جب نہانے کا ارادہ کرتے تو ایسی جگہ پر چلے جاتے، جہاں لوگ آپ کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔ ایک دن آپ نہر کے کنارے نہا رہے تھے اور آپ نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کو حکم دیا، تو وہ آپ سے دور ہو گیا، حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے دیکھ لیا، اور وہ سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ویسے نہیں ہیں جیسے وہ سمجھتے تھے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾ [الاحزاب: ٦٩]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تو اللہ نے انھیں اس سے پاک ثابت کر دیا جو انھوں نے کہا تھا اور وہ اللہ کے ہاں بہت مرتبے والے تھے۔"[1]

الجزائری نے کہا ہے: محدثین کی ایک جماعت نے کہا ہے: "جب صحیح آحادیث میں یہ وارد ہوا ہے تو اس میں اب کوئی استبعاد والی بات نہیں اور اس طرح سے ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا، اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمداً یا قصداً نہیں تھا۔ آپ کو یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ کوئی آپ کو دیکھ رہا ہے یا نہیں اور آپ کا کپڑے پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے ننگے چلنا۔ یہ منفرات میں سے نہیں ہے۔"[2]

حدیث: ....انبیائے کرام علیہم السلام سے طلب شفاعت بروز قیامت:

کہتے ہیں: اس حدیث میں اولی العزم انبیاء اللہ کے مقام پر تجاوز ہے، اور ان کی نزاہت وپاکیزگی میں خلل اور اس سے برأت ہے۔ اس لیے کہ سنن مقدسہ میں سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت انبیاء کی اس غایت درجہ کی تعظیم ہے، جس سے دل اجلال اور ہیبت سے بھر جاتے ہیں۔ آگے چل کر کہتا ہے:

" اس پس منظر میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجنبی اور بہت دور کی چیز ہے اور آپ کی سنتوں سے ہر لحاظ سے جدا ہے۔ معاذ اللہ کہ انبیاء کی طرف ایسی چیزیں منسوب کی جائیں جو اس حدیث میں بھری ہوئی ہیں اور حاشا وکلا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حرام کر کے اللہ کے غضب کو واجب کیا ہو۔ بے شک آپ کو درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ یہ نہی وممانعت تنزیہ اور ارشاد کے لیے تھی اور نوح علیہ السلام اس سے پاک ہیں کہ آپ اللہ کے دشمنوں کے علاوہ کسی پر بد دعا کریں۔"

جواب: .... یہ حدیث حضرت انس بن مالک، ابو سعید، ابو بکر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے، اور ائمہ اہل بیت کی اسناد سے جعفر بن محمد سے روایت ہے کہ:

"جب قیامت کا دن ہو گا، اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو ایک جگہ پر جمع فرمائیں گے ....: وہ وہاں پر کھڑے رہیں گے حتیٰ کہ وہ پسینہ میں ڈوب جائیں گے پھر وہ کہیں گے:

کاش! اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادیتے۔ بھلے جہنم میں ہی ڈال دیتے۔ پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے:" آپ ہمارے باپ اور نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ وہ ہمارا فیصلہ کرے، بھلے جہنم کی آگ میں ہی ڈال دے۔"

حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے: میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھے اپنے عرش پر بٹھایا، اور اپنے فرشتوں سے مجھے سجدہ کروایا۔ پھر مجھے حکم دیا، اور میں نے اس کی نافرمانی کی...." [1]

حدیث: .... حضرت ایوب علیہ السلام پر سونے کی ٹڈیاں گرنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دن حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ نہا رہے تھے، ان پر سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں تو حضرت ایوب علیہ السلام انھیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ انہیں ان کے پروردگار نے آواز دی کہ اے ایوب! کیا میں نے تمہیں اس سونے کی ٹڈی سے جو تم دیکھ رہے ہو، بے نیاز نہیں کر دیا؟ انہوں نے کہا:" ہاں! آپ کی بزرگی کی قسم! آپ نے مجھے بے نیاز کر دیا ہے لیکن مجھے آپ کی برکت سے بے نیازی نہیں ہو سکتی۔" [2]

کہتے ہیں: اس حدیث کی طرف وہی مائل ہو سکتا ہے جس کی بصیرت اندھی ہو چکی ہو، اور اس کی حس میں اندھیر ہو۔ اس لیے کہ سونے سے ٹڈی کا پیدا کرنا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی جو کہ خرق عادت تھی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی سنت یہ ہے کہ ایسی چیزیں صرف ضرورت کے وقت پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اگر ثبوت نبوت ایسے معجزہ پر موقوف ہو تو اس وقت نبوت کی برہان اور رسالت کی دلیل کے طور پر ایسا سامنے آتا ہے۔ جواب: .... یہ روایت ائمہ اہل بیت سے بھی مروی ہے۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے گھر میں سونے کی ٹڈیوں کی بارش کی۔ آپ انہیں جمع کرتے۔ جب ہوا ان میں سے کسی ایک کو اڑا لے جاتی تو آپ اس کے پیچھے جاتے اور اس کو واپس لاتے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے کہا: اے ایوب! آپ سیر اب نہیں ہوتے؟ تو آپ نے فرمایا: " اپنے رب کے رزق سے کون سیر اب ہوتا ہے۔" [3]

ہشام بن سالم نے ابو عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر آسمان سے سونے کی ٹڈیوں کی بارش کی پس حضرت ایوب علیہ السلام گھر سے باہر کی ٹڈیوں کو گھر میں جمع کرنے لگے۔ حضرت جبرائیل نے کہا: اے ایوب علیہ السلام! آپ سیر اب نہیں ہوتے؟ تو آپ نے فرمایا: اپنے رب کے فضل سے کون سیر اب ہوتا ہے۔" [1]

اور حضرت صادق علیہ السلام سے ظہور الحجۃ کی علامتوں میں ہے، فرماتے ہیں: "پھر مہدی کوفہ کی طرف واپس آئیں گے، اور آسمان سے سونے کی ٹڈ یاں برسیں گی، جیسا کہ نبی اسرائیل کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام پر برسی تھیں۔" [2]

حدیث:.... حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیونٹیوں کی بستی کو جلانا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: " ایک چیونٹی نے ایک نبی۔ ترمذی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ کو کاٹ لیا تھا۔ تو ان کے حکم سے چیونٹیوں کی ساری بستی جلا دی گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اگر تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تھا تو تم نے ایک ایسی خلقت کو جلا کر خاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح بیان کرتی تھی۔" [3]

کہتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو انبیاء علیہم السلام کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے اور ہر ایسی گندی مصیبت ان کی طرف منسوب کرتا ہے جس سے نظریں کتراتی ہوں اور کان بہرے ہو جاتے ہوں۔ بلاشک وشبہ انبیاء اللہ بہت بڑے صابر اور کشادہ دل اور سہنے والے ہوتے تھے۔ اور جو کچھ یہ

خرافاتیں ان کے متعلق بیان کرتے ہیں، اس سے ارفع اور اعلی قدر والے ہوتے ہیں۔ جواب: .... لآلی الاخبار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "انبیاء میں سے ایک نبی نے درخت کے نیچے پڑاؤڈالا۔ آپ کو ایک چینونٹی نے کاٹ دیا۔ آپ نے حکم دیا، آپ کا سامان وہاں سے اٹھالیا گیا۔ پھر حکم دیاتو ان تمام کو آگ سے جلادیا گیاتب اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی: تم نے ایک ہی چینونٹی کو قتل کرنے پر اکتفا کیوں نہ کیا۔"[4]

اور جعفر بن محمد سے روایت ہے، کہتے ہیں: اور سوال کیا گیا ہے:

" سانپ اور چینونٹیاں جب گھروں میں تکلیف دیں تو انہیں مارنا جائز ہے؟ فرمایا: جب وہ تکلیف دیں تو انہیں مارنے اور آگ سے جلانے میں کوئی حرج نہیں۔"[1] اور جب آگ سے جلانا کسی بھی جانور کو جائز نہ ہوتا، جیسا کہ مشہور حدیث ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو جلانے کا ارادہ نہ فرماتے جو گھروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ تو ائمہ اہل بیت کی روایات کے مطابق ہے۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ کے عہد مبارک میں کچھ لوگ نماز سے پیچھے رہ جاتے تھے۔(مسجد میں باجماعت نماز سے سستی کرتے تھے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قریب ہے کہ لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں بلایا جائے اور پھر ہم لکڑیوں کا حکم دیں وہ لوگوں کے دروازوں پر رکھ کر ان کے گھروں کو آگ لگادی جائے۔"[2]

آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ کیا تھا جو گھروں میں نماز پڑھتے ہیں، جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے۔"[3]

ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبائیوں کے ایک گروں کو جلادیا تھا۔[4]

آپ کا مشہور شعر ہے:

لما رأيت الأمر أمراً منكراً أوقدت ناري ودعوت قنبراً

نومولود اور غیب کی خبریں:

شبہ: .... حدیث: نومولود اور غیب کی خبریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بنی اسرائیل میں ایک آدمی اپنے عبادت خانے میں تھا اس کا نام جریج تھا۔ اس کی ماں نے اسے پکارا: اے جریج! اس نے کہا: "اے میرے اللہ! میری ماں اور میری نماز۔" اس کی ماں نے پکارا: اے جریج۔ اس نے کہا: اے میرے اللہ! میری ماں اور میری نماز۔ اس کی ماں نے کہا:" اے اللہ جریج کو موت نہ آئے جب تک یہ کسی زانیہ عورت کا منہ نہ دیکھ لے۔" جریج اپنے عبادت خانے میں رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک فاحشہ عورت آئی اور ان سے بدکاری چاہی۔ لیکن انہوں نے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیا۔

پھر ایک چرواہے کے پاس آئی اور اسے اپنے اوپر قابو دے دیا اس سے ایک بچہ پیدا ہوا اور اس نے ان پر یہ تہمت دھری کہ یہ جریج کا بچہ ہے۔ ان کی قوم کے لوگ آئے اور ان کا عبادت خانہ توڑ دیا، انہیں نیچے اتار کر لائے اور انہیں گالیاں دیں۔ پھر انہوں نے وضو کر کے نماز پڑھی، اس کے بعد بچے کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ تیرا باپ کون ہے؟ بچہ اللہ کے حکم سے بول پڑا کہ فلاں چرواہا ہے، میرا باپ ہے۔" [1]

کہتے ہیں: جریج انبیاء میں سے نہیں تھا، اور ایسے ہی یہ بچہ بھی۔ پس یہ ممکن نہیں ہے کہ ان سے خوارق عادت امور ظاہر ہوں۔ بلاشک خوارق عادت امور انبیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں اور ایسے مقام پر ظاہر ہوتے ہیں جہاں بشریت اس معجزہ کے سامنے عاجز آجائے اور یہ معجزہ اثبات نبوت کی دلیل ہو۔ جیسا کہ یہ قاعدہ اپنے مقام پر طے شدہ ہے۔ ان دو بچوں کا کلام کرنا اور غیب کی خبریں دینا، اس کو انسانی فطرت تسلیم نہیں کرتی۔

جواب: .... یہ حدیث ائمہ اہل بیت سے بھی روایت کی گئی ہے، راوندی نے اپنی کتاب "القصص" میں اپنی اسناد سے ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: " بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جسے جریج کہا جاتا تھا وہ اپنے گرجا میں عبادت کرتا رہتا تھا۔ وہ نماز پڑھتا تھا کہ اس کی ماں آگئی، اس نے جریج کو آواز دی، مگر اس نے جواب نہ دیا۔ تو وہ واپس چلی گئی۔

پھر وہ دوسری بار آئی اور آواز دی، مگر اس نے بات نہ کی۔ تو وہ پھر واپس چلی گئی، اور وہ یہ کہتے ہوئے جارہی تھی: میں بنی اسرائیل کے رب سے التجاء کرتی ہوں کہ وہ تجھے ذلیل کر دے۔" اگلے دن ایک بدکردار عورت آئی، اور اس کے گرجا کے پاس بیٹھ گئی، اس نے بچے کو جنم دیا۔ اس نے یہ دعوی کیا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔ یہ خبر بنی اسرائیل میں پھیل گئی کہ جو انسان لوگوں کو زنا پر ملامت کرتا تھا، اس نے خود زنا کیا ہے، بادشاہ نے اس کو پھانسی لگانے کا حکم دے دیا۔ اس کی ماں اپنا چہرہ پیٹتی ہوئی آئی۔ اس نے ماں سے کہا: ٹھہر جاؤ! یہ تمہاری ہی بددعا کا اثر ہے۔

"جب یہ بات لوگوں نے سنی تو کہنے لگے: ہم تیری اس بات کی تصدیق کیسے کریں گے؟

تو کہنے لگا: بچے کو لے کر آؤ۔ بچے کو لایا گیا اس نے بچہ اٹھایا: اور اس سے پوچھا: تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے کہا: بنی فلاں کا فلاں چرواہا۔"[2]

گنہگار کافر کی مغفرت:

حدیث:.... گنہگار کافر کی مغفرت۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ایک آدمی نے ایک نیکی بھی نہ کی تھی جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا مجھے جلا کر میرا آدھا حصہ سمندر میں اور آدھا حصہ فضا میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ اسے عذاب دے گا تو ایسا سخت عذاب دے گا کہ جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ ہوا ہو گا۔ پس جب وہ آدمی مر گیا تو اس کے گھر والوں نے وہی کیا جو انہیں حکم دیا گیا تھا۔ پس اللہ نے فضا کو حکم دیا تو اس نے اس کے ذرات کو جمع کر دیا اور سمندر کو حکم دیا تو اس نے

بھی اپنے اندر موجود سب کو جمع کر دیا پھر فرمایا: تونے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: اے میرے رب! تیرے خوف وڈر کی وجہ سے تو بہتر جانتا ہے پس اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔"[1]

جواب: .... امامیہ کی اسناد سے بھی یہ حدیث مروی ہے، زین العابدین کہتے ہیں: " بنی اسرائیل میں ایک آدمی نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے آگ سے جلا دینا۔

پھر جب میں راکھ بن جاؤں تو مجھے پیس کر باریک کر لینا پھر میرا آدھا حصہ آندھیوں کی نذر کر دینا، آدھا صحراء میں بکھیر دینا، اور آدھا سمندر میں ڈال دیناجب وہ مر گیاتو اس کے ساتھ اس کی اولاد نے ایسے ہی کیا جیسے اس نے وصیت کی تھی۔ جب اسے بکھیر دیا گیاتو اللہ تعالیٰ نے خشکی سے کہا کہ اس کے اجزاء جمع کرو۔ سمندر سے کہا: جو تمہارے اندر ہیں اس کے اجزاء جمع کرو۔ پس اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لا کھڑا کیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: کس چیز نے تجھے اس بات پر برانگیختہ کیا کہ تم اپنی اولاد کو یہ نصیحت کرو کہ وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کریں؟ اس نے کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! تیرے خوف نے مجھے اس بات پر برانگیختہ کیا تھا۔ تو اللہ جل جلالہ نے اس سے کہا: تیرے مخالفین کو میں راضی کر لوں گا اور میں نے تیرے خوف کو امن سے بدل دیا اور تیرے گناہ معاف کر دیے۔"[2]

[1]صحیح مسلم: ۲۷۵۶۔ [2] الأنوار النعمانیۃ ازنعمۃ اللّٰہ: ۲۷۶/۴۔

حدیث: .... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنابت کا وقعہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ انھوں نے فرمایا:

" نماز کے لیے اقامت کہی جاچکی تھی اور لوگوں نے صفیں سیدھی کر لی تھیں۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آگے بڑھے۔ لیکن حالت جنابت میں تھے (مگر پہلے خیال نہ رہا)۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ " تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ غسل کئے ہوئے تھے اور سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔"[1]

کہتے ہیں: اس آدمی کی بیہودہ گوئی میں اس کا یہ قول بھی ہے کہ نماز کے لیے اقامت ہو گئی اور صفیں سیدھی ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف لائے جب اپنے مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے تو یاد آیا کہ وہ حالت جنابت میں ہیں۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں اس الزام سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی جو اس رسول کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہر وقت پاک رہتے تھے (باوضو رہتے تھے) اور آپ کے نزدیک وضوء پر وضو کرنا نُورٌ علیٰ نُورٍ تھا۔ تمام انبیاء اس مضمون سے پاک ہیں۔ اس سے کم تر اور اس سے ادنی چیز سے بھی معصوم ہیں جو کہ صدیقین اور صالح مؤمنین کے شایان شان نہیں۔

جواب: ....ابوعبداللہ علیہ السلام کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز ظہر پڑھائی، اور آپ بلا طہارت تھے۔ پھر آپ گھر میں داخل ہو گئے، اور ایک منادی کرنے والا نکلا اور اس نے منادی کی: امیر المؤمنین نے بغیر وضوء کے لوگوں کو نماز پڑھائی ہے، اپنی نمازیں دوبارہ پڑھو، اور حاضرین غائبین تک یہ پیغام پہنچا دیں۔"[2]

حدیث:.... عمل کی وجہ سے جنت میں داخلہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ بھی؟ تو آپ نے فرمایا:

"اور میں بھی نہیں؛ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں سمیٹ لیں۔"[3]

کہتے ہیں: بہت ساری آیات کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو دیوار پر مار دیا جائے۔ آپ کے لیے یہ آیت کافی ہے:

﴿إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا﴾ [الانسان: ۲۲]

" یہ ہے تمہارا انعام اور تم نے دنیا میں جو محنت کی تھی اس کی پوری قدر دانی کی گئی ہے۔"

جواب:.... مجلسی نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے:

" اور یہ احتمال ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہو کہ: کسی ایک سے عذاب صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہی ٹل سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: "تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی؟ تو آپ نے فرمایا: "اور میں بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں سمیٹ لیں۔"[1]

حدیث: .... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور گلہ بانی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا، جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔" [2]

کہتے ہیں: یہ انتہائی بعید از قیاس اور گری ہوئی بات ہے۔

جواب: ....ابو جعفر کہتے ہیں کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔"[3]

حدیث: .... حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ۸۰ سال کی عمر میں:

اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۸۰ سا کی عمر میں ختنہ کروایا۔" [4]

جواب:.... یہ حدیث ائمہ اہل بیت نے بھی روایت کی ہے، حضرت کاظم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سب سے پہلے فی سبیل اللہ جہاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کیا جب اہل روم نے حضرت لوط علیہ السلام کو قیدی بنالیا تھا، حضرت ابراہیم نے جہاد کے لیے کوچ کیا، اور حضرت لوط کو چھڑالائے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے اس وقت ختنہ کیا جب آپ کی عمر مبارک اسی سال ہو گئی تھی۔"[5]

[1]تفسیر الصافی: ۲/۱۱۱۔ نور الثقیلین: ۱/۵۰۶۔ مجمع البیان: ۳/۲۳۔ بحار الأنوار: ۷/۱۱۔ [2] صحیح بخاری: ۲۲۶۲۔ [3] المحجة البیضاء: ۴/۱۲۸۔ الثلالی: ۵/۲۴۔ [4] صحیح بخاری: ۳۳۵۶۔ مسلم: ۲۳۷۰۔ [5] قصص الأنبیاء: نعمت الله الجزاہری: ۱۱۳۔

حدیث: .... حضرت آدم علیہ السلام کی عمر:

اور جس حدیث کا انکار کیا ہے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے:

" آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! اس کی عمر کتنی طے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ساٹھ سال۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! اس کی عمر میں مجھ سے چالیس سال زیادہ کر دیجئے۔" پھر جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو موت کا فرشتہ حاضر ہوا۔ آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا: "کیا میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟" فرشتے نے کہا: "وہ تو آپ اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو دے چکے ہیں۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" پھر آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا لہٰذا ان کی اولاد بھی انکار کرنے لگی۔"[1]

جواب:.... یہ حدیث ائمہ اہل بیت نے بھی روایت کی ہے، ابو جعفر سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا گزر حضرت داؤد علیہ السلام کے نام پر ہوا۔ دیکھا کہ ان کی عمر چالیس سال تھی۔ تو آپ نے کہا: اے میرے رب! داؤد کی عمر کتنی کم ہے، اور میری عمر کتنی زیادہ ہے، اے میرے رب! میں

اپنی عمر سے داؤد کی عمر میں تیس سال زیادہ کرتا ہوں، اے اللہ! اس فیصلہ کو نافذ فرمادے اور اس عمر کو اپنے پاس ان کے حساب میں ثبت کر دے اور میری عمر سے کم کر دے۔" کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ تیس سال حضرت داؤد کی عمر میں لکھ کر ثبت کر دیے جو کہ پہلے سے ثبت نہیں تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر سے تیس سال کم کر دیے جو کہ آپ کے لیے اللہ کے ہاں ثبت تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا، اور ملک الموت آپ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، تو حضرت آدم نے اس سے کہا: اے ملک الموت! میرے عمر میں سے تیس سال باقی ہیں۔ ملک الموت نے آپ سے کہا: کیا آپ نے وہ سال اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دیے؟ حضرت آدم نے کہا: اے ملک الموت مجھے یاد نہیں آرہا۔ ملک الموت نے آپ سے کہا: اے آدم! لاعلمی کا اظہار نہ کریں۔ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں کہا تھا کہ اتنی عمر حضرت داؤد علیہ السلام کے حساب میں ثبت کر دی جائے اور آپ کے حساب سے کاٹ دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے وہ عمر تختیوں پر داؤد کے حساب میں ثبت کر دی اور آپ کے حساب سے مٹا دی گئی۔"[2]

مجلسی نے کہا ہے: " اس قسم کی روایات پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے قصص میں گزر چکی ہیں، ان میں سے بعض میں ہے کہ آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر کے ساٹھ سال دے کر ان کی عمر ساٹھ سال پوری کی تھی۔ یہ تمام روایات میں سے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔[3]

حدیث: ....احتجاج آدم و موسیٰ علیہ السلام:

☆اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین احتجاج کا واقعہ نقل ہے، کہتے ہیں:" اس کیفیت کے اعتبار سے دلیل نکلتی ہے کہ وہ دونوں قدری تھے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت قائم کر کے غالب آ گئے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ایسی باتیں مناسب نہیں ہیں ان سے ان کی تنزیہ واجب ہے۔

جواب: .... یہ پوری حدیث امام بخاری نے حمید بن عبد الرحمن کی سند سے نقل کی ہے، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہ السلام نے آپس میں بحث کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: " آپ آدم ہیں جنہیں ان کی لغزش نے جنت سے نکالا۔"

حضرت آدم علیہ السلام بولے اور آپ موسیٰ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے نوازا پھر بھی آپ مجھے ایک ایسے معاملے پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی پہلے مقدر کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا۔"[1]

☆ یہ حدیث ائمہ اہل بیت نے بھی روایت کی ہے، حضرت ابو عبد اللہ سے روایت ہے، فرمایا: "حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں حضرت آدم کے ساتھ جمع کر دے (ملا دے) پس انھیں ملا دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: "اے ابا جی! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا تھا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی تھی اور ملائکہ سے آپ کو سجدہ کروایا تھا اور آپ کو حکم دیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھائیں

؟تو آپ نے اللہ کی نافرمانی کیوں کی؟" آپ نے فرمایا: اے موسیٰ! تم تورات میں کیا لکھا پڑھتے ہو، میری غلطی مجھ سے کتنے برس قبل لکھی گئی تھی۔ فرمایا: "تیس سال۔" حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:" یہی تو وہ چیز تھی۔" حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "حضرت آدم نے موسیٰ علیہ السلام پر حجت قائم کر دی۔"[2]

☆ مجلسی نے اس حدیث کا معنی ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "خطا کا تخلیق سے پہلے پایا جانا، یا تو عالم ارواح کا واقعہ ہے۔ پھر یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح نے لوح محفوظ پر دیکھ لیا ہو۔ یا یہ لکھا ہوا تورات میں پایا گیا ہو کہ حضرت ہے، کہتے ہیں:" اس کیفیت کے اعتبار سے دلیل نکلتی ہے کہ وہ دونوں قدری تھے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت قائم کر کے غالب آ گئے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ایسی باتیں مناسب نہیں ہیں ان سے ان کی تنزیہ واجب ہے۔

جواب: .... یہ پوری حدیث امام بخاری نے حمید بن عبد الرحمن کی سند سے نقل کی ہے، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہ السلام نے آپس میں بحث کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: " آپ آدم ہیں جنہیں ان کی لغزش نے جنت سے نکالا۔" حضرت آدم علیہ السلام بولے اور آپ موسیٰ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے نوازا پھر بھی آپ مجھے ایک ایسے معاملے پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی پہلے مقدر کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا۔"[1]

☆ یہ حدیث ائمہ اہل بیت نے بھی روایت کی ہے، حضرت ابو عبد اللہ سے روایت ہے، فرمایا: "حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں حضرت آدم کے ساتھ جمع کر دے (ملا دے) پس انھیں ملا دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: "اے اباجی! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا تھا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی تھی اور ملائکہ سے آپ کو سجدہ کروایا تھا اور آپ کو حکم دیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھائیں ؟تو آپ نے اللہ کی نافرمانی کیوں کی؟" آپ نے فرمایا: اے موسیٰ! تم تورات میں کیا لکھا پڑھتے ہو، میری غلطی مجھ سے کتنے برس قبل لکھی گئی تھی۔ فرمایا: "تیس سال۔" حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:" یہی تو وہ چیز تھی۔"

حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "حضرت آدم نے موسیٰ علیہ السلام پر حجت قائم کر دی۔"[2]

☆ مجلسی نے اس حدیث کا معنی ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "خطا کا تخلیق سے پہلے پایا جانا، یا تو عالم ارواح کا واقعہ ہے۔ پھر یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح نے لوح محفوظ پر دیکھ لیا ہو۔ یا یہ لکھا ہوا تورات میں پایا گیا ہو کہ حضرت "اپنی جگہ پر رکے رہو۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ پانی جامد ہو گیا۔ آپ اس پر سے گزرے۔ جب خیبری نے یہ دیکھا تو آپ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا: اے نوجوان! تم نے کیا کلمات کہے ہیں حتیٰ کہ پانی پتھر ہو گیا۔ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے کہا:" تم نے کیا کلمات کہے تھے جب پانی عبور کیا؟ خیبری نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے دعا کی تھی۔" [1]

☆بحرانی نے آپ کے معجزات میں باب باندھا ہے:

باب:.... ((أنّه أعطیٰ مَا أعُطِیَ النبیون مِن أحیاء الموتی و ابراء الأکمه والأبرص والمشی علی الماء۔))[2]

اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص شیخین (ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ) کے درمیان تعلقات

اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک عمومی وصف یہ بیان کیا ہے کہ وہ ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ "آپس میں رحم دل ہیں۔"

اس بناء پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں شیر و شکر تھے، ان کے درمیان پیار و محبت کی فضا قائم تھی، وہ سب ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے اور ان کے مابین برادرانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔

خاص طور پر اہل بیت رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان نہایت خوشگوار تعلقات تھے، وہ سب ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور باہمی حقوق کی پاسداری کرتے تھے۔ اسی طرح شیخین (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مابین بھی مثالی تعلقات تھے، شیخین رضی اللہ عنہما حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے تھے، خود بھی ان کے حقوق ادا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور اسی طرح حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم بھی شیخین کے مقام و مرتبہ کو تسلیم کرتے اور ان کے حقِ خلافت کو مانتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے ان کا جو حصہ ہے وہ انھیں دیا جائے، اس کے علاوہ جو مال فیئَ اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا، اور مدینہ اور فدک میں جو صدقات کے اموال جمع تھے اور خیبر کے پانچویں حصہ سے جو کچھ باقی تھا اس سے بھی انھوں نے اپنا حصہ طلب کیا، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (لاَ نُوْرَثُ ،مَا تَرَکْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ) "ہمارا کوئی وارث نہیں اور ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔" ہاں، آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس اللہ کے دیئے ہوئے مال سے بس کھاسکتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں، اور میں اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات میں کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں، وہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اسی طرح رہیں گے، اور میں ان میں وہی کام کرونگا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور کہا: "اے ابو بکر! ہم آپ کی فضیلت کے معترف ہیں تاہم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا شرف حاصل ہے اور ہمارے کچھ حقوق ہیں۔"

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

(وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَرَابَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہُ علیہ وسلم أَحَبُّ إِلَیَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِیْ)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا مجھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔"[البخاری:۳۷۱۱، مسلم:۱۷۵۹]

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں نے ایک دوسرے کیلئے اچھے جذبات کا اظہار کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتراف کیا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں سے بھی زیادہ محبوب قرار دیا اور ان کے حقِ صلہ رحمی کو اپنے رشتہ داروں کے حقِ صلہ رحمی سے زیادہ اہم قرار دیا۔ نیز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

(أُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا صلی اللہُ علیہ وسلم فِیْ أَہْلِ بَیْتِہٖ)[البخاری:۳۷۱۳]

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا خصوصی خیال رکھا کرو۔"

اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مرض الموت میں مبتلا ہوئیں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو ان کی تیمار داری کیلئے ان کے ہاں بھیجا جو ان کی وفات تک ان کے پاس رہیں، پھر ان کی تجہیز وتکفین میں بھی شریک ہوئیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان دو گھرانوں کے درمیان گہرے تعلقات تھے۔

اِس کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو ان کی بیوہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی تھی اور ان سے ان کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ یاد رہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، اور جب یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں تو اُس وقت ان کے ساتھ ان کا ایک بیٹا محمد بن ابی بکر بھی تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ تربیت حاصل کی۔

اور جہاں تک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے مابین تعلقات کی نوعیت کا سوال ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے درمیان بھی محبت بھرے تعلقات قائم تھے اور ان میں گہرا انس وپیار پایا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اہل بیت رضی اللہ عنہم کیلئے خصوصی وظائف کا اجراء کیا تھا، اور جب مملکتِ فارس فتح ہوئی اور کسری کی کچھ پوتیاں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو دے دی جس سے انھوں نے شادی کر لی تھی اور اسی سے ان کے صاحبزادے علی زین العابدین رحمہ اللہ پیدا ہوئے جنھیں بعض لوگوں کے ہاں چوتھے امام کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

تو اِن لوگوں کو یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے کہ ان کے امام کی والدہ وہ تھیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہبہ کی گئی تھیں۔ اہل بیت رضی اللہ عنہم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مابین گہرے تعلقات کے پیشِ نظر ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لختِ جگر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کی تھی، اور ظاہر ہے کہ بندہ اپنی بیٹی کی شادی اسی گھر میں کرتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے اور کوئی بھی شخص اپنی بیٹی کا نکاح اپنے مخالفوں کو نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد میں سے تین بچوں کے نام ابو بکر، عمر اور عثمان رکھے، یہ تینوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دو بچوں کے نام ابو بکر اور عمر رکھے، اور یہ دونوں بھی شہدائے کربلا میں شامل ہیں۔ اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا۔

اور ظاہر ہے کہ بندہ اپنی اولاد کے نام انہی کے ناموں پہ رکھتا ہے جن سے اس کو محبت ہوتی ہے، اپنے دشمنوں کے ناموں پر کوئی بھی شخص اپنی اولاد کے نام نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ ہم محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا وہ واقعہ پہلے ذکر کر چکے ہیں جس میں انھوں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، انھوں نے کہا: پھر کون ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شیخین (ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما) کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں کھڑا تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کیلئے دعا کر رہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کو ایک چارپائی پر لٹایا گیا تھا، اچانک ایک شخص میرے پیچھے سے آیا اور میرے کندھوں پر اپنی کہنی رکھ کر کہنے لگا:

"اے عمر! اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے، مجھے اللہ تعالی سے یہی امید تھی کہ وہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہی ملا دے گا، کیونکہ میں اکثر وبیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کرتا تھا کہ "میں، ابو بکر اور عمر تھے، میں، ابو بکر اور عمر نے یوں کیا، میں، ابو بکر اور عمر گئے۔" تو اسی لئے مجھے پوری امید تھی کہ آپ کو اللہ تعالی آپ کے ساتھیوں کے ساتھ ہی اکٹھا کر دے گا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے جو یہ دعا کر رہے تھے۔ [البخاری: ۳۶۷۷، مسلم: ۲۳۸۹]

ان دونوں روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے معترف تھے، اور ان کے اور شیخین کے درمیان خصوصا، اور ان کے اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم کے درمیان عموما بڑے اچھے مراسم تھے اور وہ سب ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، ان کے مابین شادیاں ہوئیں، اہل بیت رضی اللہ عنہم نے پہلے تین خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ انھیں اپنے سے افضل اور بہتر سمجھتے تھے۔ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اہل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق ادا کرتے تھے اور ان کے مقام ومرتبہ کو تسلیم کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مابین پیار ومحبت

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مابین تعلقات کا سوال ہے تو وہ بھی نہایت شاندار تھے اور ان کے درمیان بھی پیار ومحبت پر مبنی مراسم تھے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہل بیت کے فضائل میں متعدد احادیث روایت کی ہیں، مثلا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں وہ حدیث جسے ہم ان کے فضائل کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں اور جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) کی موجودگی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کان میں سرگوشی کے انداز میں دو باتیں کیں جن کی بناء پر وہ پہلے روئیں اور بعد میں ہنس دیں، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے ان دو باتوں کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے انھیں آگاہ کر دیا۔

اسی طرح ان کی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شکل وصورت، صفات عالیہ اور حسن اخلاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں۔ یہ روایت بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

تو یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی کشیدگی نہ تھی، بلکہ اس کے برعکس ان میں گہری محبت تھی اور وہ ایک دوسرے کے مقام ومرتبہ کو خوب پہچانتے تھے۔

اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں محبت بھرے جذبات نہ ہوتے تو یقینا وہ ان کے فضائل میں احادیث روایت نہ کرتیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ حدیث الکساء (یعنی چادر والی حدیث) جس کو بعض لوگ دلیل بناتے ہیں کہ اہل بیت صرف وہ حضرات ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں تھے، اِس حدیث کی کئی اسانید ہیں، سب سے صحیح سند وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے ہے اور وہ صحیح مسلم میں موجود ہے جس کا حوالہ ہم اس رسالہ میں ذکر کر چکے ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت نہ ہو اور وہ ان کی فضیلت میں یہ حدیث روایت کریں؟ نیز یہ بات کیسے عقل ودانش کے مطابق سمجھی جائے گی کہ چادر والی حدیث کو اپنے لئے حجت سمجھا جائے اور جس شخصیت نے اسے روایت کیا ہے اسے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جائے؟

اور اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سربراہ اور سرپرست اعلیٰ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جنھوں نے اپنی کالی چادر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں لختِ جگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر ڈھانپ کر اللہ تعالی سے دعا کی کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شدید محبت کرتے تھے، اور عالم یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الموت میں بار بار یہ سوال کرتے تھے کہ میں کل کہاں ہو نگا؟ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی امید رکھتے تھے۔ پھر جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر سر مبارک رکھے ہوئے وفات پائی، سو اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سربراہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس قدر محبت کا اظہار کریں اور آج اہل بیت رضی اللہ عنہم کے نام لیوا لوگ ان سے بغض رکھیں اور انھیں برا بھلا کہیں! یہ یقیناً حیران کن بات ہے، اور اس پر جتنا افسوس کیا جائے اتنا کم ہے۔

یاد رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے نانے (محمد بن ابی بکر اور عبد الرحمن بن ابی بکر) کی سگی بہن تھیں، اِس اعتبار سے حضرات اہل بیت اور آل الصدیق رضی اللہ عنہم کے درمیان خونی رشتہ تھا۔ اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا شمار کبار فقہائے امت میں ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے اہل علم سے استفادہ کیا مثلاً امام قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ، عطار حمہ اللہ اور زہری رحمہ اللہ وغیرہم۔ نیز انھوں نے عروۃ بن زبیر سے بھی علم حاصل کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد خاص تھے۔

اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین رشتے

حضرات اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیار و محبت پر مبنی گہرے تعلقات تھے، اسی لئے ان کے آپس میں کئی شادیاں ہوئیں جن میں سے چند اہم شادیاں درج ذیل ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے درمیان شادیاں:

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے دو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر تھے اور دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ پہلے دو خلفاء حضرت ابو

بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر تھے، ان کی صاحبزادیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں شامل ہو گئیں۔

تیسرے اور چوتھے خلفاء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے، اول الذکر سے آنحضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور پھر ان کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا، اور ثانی الذکر سے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا۔

اہل بیت اور آلِ صدیق رضی اللہ عنہم کے درمیان شادیاں:

شمار

1

2

3

4

خاوند

حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

اسحاق بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب

امام محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین

بیوی

حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

حفصہ بنت عبد الرحمن بن ابی بکر

ام حکیم بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر

ام فروۃ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق

ان چاروں رشتوں کے متعلق غور کیاجائے تو معلوم ہو گا کہ خاوند اہل بیت رضی اللہ عنہم سے ہے اور بیوی آل صدیق رضی اللہ عنہم سے ہے، یعنی ان رشتوں کیلئے پہل اہل بیت رضی اللہ عنہم نے کی کیونکہ عموماً لڑکے والے ہی لڑکی والوں سے رابطہ کرتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آل بیت اور آل صدیق رضی اللہ عنہم کے مابین گہرے تعلقات تھے۔

نیز ان رشتوں میں سے آخری رشتے کے متعلق ایک خاص بات یہ ہے کہ ام فروۃ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر سے امام محمد الباقر رحمہ اللہ کا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام جعفر تھا اور جو بعد میں علم وفضل کے اعلی مرتبے پر فائز ہوئے اور امام جعفر صادق کے نام سے مشہور ہوئے۔اور اِن کی نانی کا نام ہے: اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیق۔اسی لئے امام جعفر صادق کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ (ولدنی اَبو بکر مرتین) یعنی "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے دو مرتبہ جنم دیا" کیونکہ ایک تو ان کی والدہ ام فروۃ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پوتے کی بیٹی تھیں، اور دوسرا اس اعتبار سے کہ ان کی نانی اسماء بنت عبد الرحمن بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔

اہل بیت اور آل الخطاب رضی اللہ عنہم کے درمیان شادیاں:

شمار

1

2

3

4

اہل البیت رضی اللہ عنہم

حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الحسین بن علی بن علی زین العابدین بن الحسین

الحسن (المثنی) بن الحسن بن علی بن ابی طالب

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب

آل الخطاب رضی اللہ عنہم

حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا

بنت خالد بن ابی بکر بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب

رملۃ بنت سعید بن زید بن نفیل العدوی

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

ان رشتوں کے متعلق غور فرمائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت اور آل الخطاب رضی اللہ عنہم کے مابین بھی گہرے مراسم تھے، اسی لئے اہل البیت رضی اللہ عنہم کے سربراہ اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، یوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر تھے۔ اور آخری رشتہ اِس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان بڑے اچھے تعلقات تھے جس کی بناء پر آخر الذکر صحابی نے اپنی لختِ جگر کو اول الذکر صحابی کے نکاح میں دے دیا۔ یوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد ٹھہرے اور وہ ان کے سسر۔ یاد رہے کہ ام کلثوم حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں۔

اہل بیت رضی اللہ عنہم اور بنی امیہ کے درمیان شادیاں:

شمار

1

2

3

4

5

6

7

8

اہل بیت رضی اللہ عنہم

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہاو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں)

زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

خدیجہ بنت علی بن ابی طالب

رملہ بنت علی بن ابی طالب

زینب بنت الحسن (المثنی) بن الحسن بن علی بن ابی طالب

نفیسہ بنت زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب

فاطمۃ بنت الحسین بن علی بن ابی طالب

بنو امیہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(رقیہ سے ہجرت سے پہلے اور ام کلثوم سے جنگ بدر کے بعد شادی ہوئی)

ابو العاص بن الربیع

امامۃ بنت ابی العاص(زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی)

عبد اللہ بن عامر بن کریز الاَموی

معاویہ بن مروان بن الحکم الأموی

الولید بن عبد الملک بن مروان

الولید بن عبد الملک بن مروان

عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان

انصارِ مدینہ کے فضائل

انصار مدینۂ طیبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[الحشر:۹]

ترجمہ:"اور (ان لوگوں کیلئے بھی) جو ان (مہاجرینِ مکہ کے آنے) سے پہلے یہاں (مدینہ میں) مقیم تھے اور ایمان لا چکے تھے، وہ ہجرت کرکے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ انہیں دیا جائے وہ اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت نہیں پاتے، اور مہاجرین کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود فاقہ سے ہوں، اور جو لوگ اپنے نفس کی تنگی اور بخل سے بچا لئے جائیں وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔"

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالی نے انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کی بعض صفات حمیدہ ذکر کی ہیں اور ان کے حق میں گواہی دی ہے کہ وہ مہاجرینِ مکہ کے آنے سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے، اور ان میں جذبۂ ایثار و قربانی اس قدر پایا جاتا تھا کہ وہ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دلی محبت کرتے تھے۔ اور اگر مہاجرین کو مالِ غنیمت میں سے کچھ دیا جاتا تو یہ انصار اپنے دلوں میں کوئی تنگی یا گھٹن محسوس نہیں کرتے تھے۔ اور خواہ ان کے اپنے گھروں میں حاجت اور فاقہ کشی کی صورت ہوتی یہ اپنی ذات اور اپنی ضرورتوں پر ان کو اور ان کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے تھے اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔ انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کے جذبۂ ایثار و قربانی کی ویسے تو کئی مثالیں موجود ہیں، لیکن ہم یہاں صرف دو مثالیں ذکر کرتے ہیں:

1 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، (ایک روایت کے مطابق یہ خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی تھے) اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں بہت بھوکا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ہاں سے پتہ کرایا لیکن وہاں سے کچھ نہ ملا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ایک بیوی کے گھر سے پتہ کرایا تو ہر گھر سے یہی جواب ملا کہ ان کے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: کیا کوئی ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے؟ اللہ تعالی اس کی حالت پر رحم فرمائے (جو اس کی مہمانی کرے)

چنانچہ ایک انصاری (حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ) نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس کی مہمانی کرونگا، پھر وہ اس شخص کو اپنے ساتھ لے گئے اور اپنی بیوی (ام سلیم رضی اللہ عنہا) سے کہا: (أَكْرِمِيْ ضَيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہُ علیہ وسلم)

یعنی "یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (بھیجا ہوا) مہمان ہے، لہذا جو چیز بھی موجود ہے اسے کھلاؤ اور اس کا اکرام کرو۔"

وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم! میرے پاس تو بمشکل بچوں کا کھانا ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا یوں کرو کہ جب بچے کھانا مانگیں تو انہیں سلا دینا اور جب ہم دونوں (میں اور مہمان) کھانا کھانے لگیں تو چراغ گل کر دینا، اس طرح ہم دونوں آج رات کچھ نہیں کھائیں گے (اور مہمان کھا لے گا) چنانچہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے کھڑی ہوئیں اور اسے بجھا دیا، پھر وہ دونوں اپنے مہمان کو یہ ظاہر کر رہے تھے کہ گویا وہ بھی اس کے ساتھ کھا رہے ہیں حالانکہ وہ کھا نہیں رہے تھے اور ساری رات بھوکے رہے۔

صبح جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ـ أَوْ ضَحِكَ ـ مِنْ فُلاَنٍ وَفُلاَنَةٍ)

"فلاں مرد اور فلاں عورت پر اللہ تعالی بہت خوش ہوا۔"

تب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[بخاری: تفسیر القرآن باب﴿ویؤثرون علی أنفسهم﴾: ۳۷۹۸، ۴۸۸۹، مسلم کتاب الأشربة باب إكرام الضيف: ۲۰۵۴]

2 حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (ہجرت کر کے) ہمارے پاس تشریف لائے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا جو بہت مالدار تھے۔ انہوں نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں اور یہ بات انصار کو بھی معلوم ہے۔ میں اپنا مال دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ایک حصہ میرے لئے اور دوسرا آپ کیلئے۔ اس کے علاوہ میری دو بیویاں بھی ہیں، آپ کو ان دونوں میں سے جو زیادہ اچھی لگے، میں اسے

طلاق دے دیتا ہوں اور جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو آپ اس سے شادی کر لیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: (بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِىْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ) ''اللہ تعالی آپ کے گھر والوں اور آپ کے مال میں برکت دے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ گھی اور پنیر کے مالک بن گئے، اور ابھی کچھ عرصہ ہی گذرا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر زرد رنگ کے کچھ آثار دیکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونا دے کر ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مبارکباد دی اور فرمایا: (أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ) ''تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ذبح کر کے ہی''۔ [بخاری:۳۷۸۱، ۳۷۸۰]

یہ دونوں واقعات انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کے جذبۂ ایثار و قربانی کی شہادت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں چند اور احادیث بھی ملاحظہ کر لیجئے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(لَوْ أَنَّ الأَنْصَارَ سَلَكُوْا وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ فِيْ وَادِي الأَنْصَارِ، وَلَوْ لاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءً ا مِنَ الأَنْصَارِ) [بخاری:۳۷۷۹]

ترجمہ: ''اگر انصار ایک وادی یا گھاٹی میں چلیں (اور دوسرے لوگ دوسری وادی یا گھاٹی میں چلیں) تو میں بھی انصار کی وادی میں چلوں گا۔ اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک شخص ہوتا۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے دن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو مال عطا کیا تو انصار کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہماری تلواروں سے ابھی قریش کا خون بہہ رہا ہے اور ہماری غنیمتیں بھی انہی کو لوٹائی جا رہی ہیں! یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا: ''مجھے تمہاری طرف سے کیا بات پہنچی ہے؟''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، اس لئے انہوں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ آپ تک جو بات پہنچی ہے وہ واقعتا ہم نے کہی ہے، تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(أَوَلاَ تَرْضَوْنَ أَنْ يَّرْجِعَ النَّاسُ بِالْغَنَائِمِ إِلٰى بُيُوْتِهِمْ، وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللهُ علیه وسلم إِلٰى بُيُوْتِكُمْ؟ لَوْ سَلَكَتِ الأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الأَنْصَارِ أَوْشِعْبَهُمْ)

''کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو مالِ غنیمت لے کر لوٹیں اور تم اپنے گھروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر لوٹو! اگر انصار ایک وادی یا گھاٹی میں چلیں (اور لوگ دوسری وادی یا گھاٹی میں چلیں) تو میں بھی انصار کی وادی یا گھاٹی میں ہی چلوں گا'' [بخاری:۳۷۷۸، مسلم:۱۰۵۹]

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری عورت اپنے ایک بچے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بات چیت کی، پھر فرمایا:

(وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ إِنَّکُمْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَیَّ)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ مجھے باقی تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔" [بخاری:۳۷۸۶، مسلم:۲۵۰۹]

اور اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ خندق کے دن انصار مدینہ رضی اللہ عنہم یوں کہتے تھے: نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِہَادِ مَا حَیِیْنَا أَبَدًا "ہم وہ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد کرتے رہیں گے۔" اس کے جواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں ارشاد فرماتے: اَللّٰہُمَّ لَا عَیْشَ إِلَّا عَیْشُ الْآخِرَۃ فَأَکْرِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُہَاجِرَۃ

"اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، پس تو انصار اور مہاجرین کی عزت افزائی فرما۔" [بخاری:۳۷۹۶]

اہلِ بدر کے فضائل

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصہ کے آخر میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی خیانت کی ہے، لہٰذا مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن کو اڑادوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لَعَلَّ اللّٰہَ اطَّلَعَ عَلٰی أَہْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ) وفی روایۃ: (فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّۃُ)

یعنی "شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف (بنظرِ رحمت) دیکھا اور پھر کہا: تم جو چاہو کرتے رہو، میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے"۔

اور ایک روایت میں ہے: "تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی ہے۔"

[البخاری۔الجهاد والسیر، باب الجاسوس، حدیث ۳۰۰۷، مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ۔باب فضل أہل بدر، حدیث: ۲۴۹۴]

اور رفاعہ بن رافع الزرقی نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے جو اہلِ بدر میں سے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: اہلِ بدر کا آپ کے ہاں کیا مرتبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اسی طرح فرشتوں میں سے بھی وہ فرشتے سب سے افضل ہیں جو بدر میں شریک ہوئے۔"

[البخاری۔کتاب المغازی، باب شهود الملآئکة بدرا، حدیث:۳۹۹۲]

اہلِ اُحد کے فضائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيلِهِمْ قَالُوا: مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ نُرْزَقُ، لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ وَلَا يَنْكُلُوا عِنْدَ الْحَرْبِ؟ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ، قَالَ: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا۔۔۔﴾

”تمہارے بھائی جب اُحد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں بھیج دیا جو جنت کی نہروں پر جاتے اور اس کے پھل کھاتے ہیں، پھر سایۂ عرش میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں کی طرف واپس آجاتے ہیں۔ پھر جب انہوں نے اپنے کھانے پینے اور اپنی نیند کی لذت محسوس کی تو کہنے لگے: ہمارے بھائیوں تک ہماری طرف سے یہ بات کون پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ موڑیں اور جنگ کے دوران الٹے پاؤں واپس نہ لوٹیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں تمھاری طرف سے یہ بات پہنچا دیتا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی: (ترجمہ: اور وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے انہیں آپ مردہ نہ سمجھیں، وہ تو زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔۔۔۔ الخ

[ابوداؤد: کتاب الجهاد، باب فی فضل الشهادة، حدیث:۲۵۲۰، مسند احمد، حدیث:۲۳۸۴، حسّنه الألبانی فی صحیح أبوداؤد: برقم:۲۱۹۹]

بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل

اللہ رب العزت نے سورۃ الفتح کی متعدد آیات میں ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وستائش کی ہے جو حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ٭ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾[الفتح:۱۸۔۱۹]

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے خوش ہو گیا جو درخت تلے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا۔

اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی، اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس کے علاوہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ کے دن فرمایا:

(أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الأَرْضِ) وَكُنَّا أَلْفًا وَأَرْبَعَمِائَةٍ

''تم آج روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہو'' اور اس دن ہم چودہ سو افراد تھے۔

[البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، حدیث: ٤١٥٤، مسلم: کتاب الإمارۃ باب إستحباب مبایعۃ الإمام الجیش، حدیث: ١٨٥٦]

اور حضرت ام بشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا)

''ان درخت والوں میں سے کوئی صحابی اِن شاءاللہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا جنہوں نے اس کے نیچے بیعت کی۔''

[مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب فضائل أصحاب الشجرۃ، حدیث: ٢٤٩٦]

یاد رہے کہ اس حدیث میں ''اِن شاءاللہ'' محض تبرک کے لئے ہے، ورنہ یہ بات یقینی ہے کہ ان میں سے کوئی صحابی جہنم میں داخل نہیں ہو گا۔

[النووی، شرح مسلم: ١٦/٨٥]

ان احادیث کے علاوہ دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں بھی متعدد احادیث کتب حدیث میں مروی ہیں جنہیں ذکر کرنے کا اب موقعہ نہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اخلاص و محبت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔ آمین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ

قارئین محترم!

آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کے متعلق قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کو ملاحظہ فرمایا، اب یہ بھی جان لیجئے کہ اس قدر عظیم فضائل ومناقب والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہئے۔ اور ان کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کیا تھا؟

1 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا اور ان کے لئے دعا کرنا

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا واجب، ان کے لئے دعا کرنا لازم اور ان سے بغض رکھنا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا اور انہیں نصرتِ دین کی خاطر آپ کے ساتھ جہاد کے لئے منتخب فرمایا۔ سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[الحشر:۱۰]

ترجمہ: ''اور (ان کے لئے) جو ان کے بعد آئے، وہ (دعا) کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کینہ نہ پیدا کر، اے ہمارے رب! یقیناً تو بڑی شفقت والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔''

یہ آیتِ کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے لوگوں کو بھی مالِ فئے کا مستحق قرار دیا ہے، لیکن اس کی ایک شرط یہ لگادی کہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والے مالِ فئے کے مستحق نہیں ٹھہرتے۔[الجامع لأحکام القرآن:۱۸/ ۳۲]

اور اسی آیت کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے مغفرت کریں لیکن لوگوں نے انہیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا ہے۔''[مسلم کتاب التفسیر باب حدّثنا یحیٰ بن یحیٰ ... حدیث:۳۰۲۲]

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے متعلق فرمایا: (لاَ يُحِبُّهُمْ إِلاَّ مُؤْمِنٌ ،وَلاَ يُبْغِضُهُمْ إِلاَّ مُنَافِقٌ ،مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ ،وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهِ)

ترجمہ: ''ان سے محبت صرف مومن ہی کر سکتا ہے، اور ان سے بغض رکھنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے، اور جو ان سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا، اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا۔''

[بخاری۔کتاب مناقب الأنصار باب حب الأنصار من الإیمان:۳۷۸۳،مسلم کتاب الإیمان باب الدلیل أنّ حبّ الأنصار وعلی رضی اللہُ عنہ من الإیمان۔۔۔:۷۵]

معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ان کے بغض وعناد سے پاک رکھتے ہیں۔

امام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''نحبّ أصحاب رسول اللہِ صلي اللہُ علیہ وسلم ،ولا نفرط في حبّ أحد منھم ،ولا نتبرأ من أحد منھم ،ونبغض من یبغضھم وبغیر الخیر یذکرہم ،ولا نذکرہم إلاّ بخیر ،وحبّھم دین وإیمان وإحسان،وبغضھم کفر ونفاق وطغیان''[شرح العقیدۃ الطحاویۃ:۴۶۷]

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک صحابی کی محبت میں غلو نہیں کرتے،اور نہ ہی ان میں سے کسی صحابی سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

اور ہم ہر ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہو اور انہیں خیر کے ساتھ ذکر نہ کرتا ہو،ہم انہیں خیر کے ساتھ ہی یاد کرتے ہیں۔ان کی محبت عین دین،ایمان اور احسان ہے،جب کہ ان سے بغض رکھنا عین کفر،نفاق اور سرکشی ہے۔'' اور شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:''اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے دلوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغض سے اور اپنی زبانوں کو ان کی عیب گیری سے محفوظ رکھتے ہیں۔''

[شرح العقیدۃ الواسطیۃ:۱۴۲۔۱۵۲]

2اہل السنۃ والجماعۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں

ہم اس رسالہ کے آغاز میں سورۃ التوبۃ کی آیت﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ...﴾کے حوالے سے یہ بات ثابت کرچکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار اور متاخرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی رضامندی کا اعلان اور ان کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے،لہٰذا اہلِ سنت والجماعت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لے کر انہیں جنتی قرار دیا اہلِ سنّت والجماعت ان کے لئے بھی جنت کی گواہی دیتے ہیں،مثال کے طور پر عشرہ مبشرہ کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''ابو بکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں،عمر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں،عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں،علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں،طلحہ

رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں،زبیر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں،عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں،سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں،سعید بن زید رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں اور ابو عبیدہ الجراح رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔"[ترمذی،مسند احمد۔صحیح الجامع الشیخ ناصر الدین:رقم ۵۰]

اسی طرح دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لیکر آپ نے انہیں جنتی قرار دیا۔اور چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لینے سے ہر گز یہ مراد نہیں کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی نہیں،بلکہ یہ تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ان کی فضیلت کی دلیل ہے،ورنہ ہم یہ بات قرآن مجید کے حوالے سے پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

3 تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں

فرمانِ الٰہی ہے:﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾[البقرة:۱۴۳]

ترجمہ:"ہم نے اسی طرح تمہیں عادل(بہترین)امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں۔"

"أُمَّةً وَّسَطًا"کا معنی بیشتر مفسرین نے "عدولا خیارا"کیا ہے،یعنی بہترین،سب سے افضل،ثقہ اور قابل اعتماد امت۔" [تفسیر جامع البیان:۷/۲،تفسیر القرطبی:۱۵۳/۲،تفسیر ابن کثیر:۳۳۵/۱]

اِس آیت کے سب سے پہلے مخاطب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں،جنہیں تبلیغ دین کی ذمہ داری سونپی گئی،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ترجمہ:"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے،تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"[آل عمران:۱۱۰]اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جمِ غفیر کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: (أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ)یعنی"خبر دار! تم میں جو یہاں پر موجود ہے وہ غیر حاضر تک(اس دین کو)پہنچائے۔"

[البخاری کتاب العلم باب ألا لیبلّغ الشاهد منکم الغائب،حدیث:۱۰۵، مسلم کتاب القسامة باب تحریم الدماء والأعراض والأموال،حدیث:۱۶۷۹]

ان آیاتِ کریمہ سے اور اس حدیثِ نبوی سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امین،ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں،تبھی تو انہیں تبلیغ دین جیسا اہم فریضہ سونپا گیا،ورنہ اگر وہ امین اور ثقہ نہ ہوتے تو انہیں یہ ذمہ داری نہ سونپی جاتی۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ﴿أُمَّةً وَّسَطًا﴾ کے بعد ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ کہا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کی گواہی قابل قبول ہے، اور یہ بھی ان کے عدول، ثقہ اور قابل اعتماد ہونے کی دلیل ہے، ورنہ ایسا نہ ہوتا تو ان کی گواہی بھی قابلِ قبول نہ ہوتی!! امام القرطبی رحمہ اللہ سورۃ الفتح کی آخری آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ...الخ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدول (ثقہ اور قابل اعتماد) ہیں، اللہ کے اولیاء اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد اس کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں، یہی اہل سنت والجماعت کے ائمہ کا مذہب ہے۔ اور ایک فرقے کا کہنا ہے کہ نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عام لوگوں کی طرح ہیں، اس لئے ان کے ثقہ ہونے کے بارے میں بحث کرنا ضروری ہے، لیکن ان کا یہ مذہب مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان اور ان کے لئے جنت ومغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔" [تفسیر القرطبی:۱۶/۳۹۹]

4 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا حرام ہے

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا اور انہیں گالیاں دینا حرام ہے۔ اور اس کی حرمت قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہے، مثلاً:

1 فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ [الأحزاب:۵۸]

"جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی جرم کے ایذا دیں، وہ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔" اس آیت میں مومنوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس امت کے اوّلیں مومنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے، تو انہیں سب وشتم کے ذریعے ایذاء پہنچانا قرآن مجید کے الفاظ میں بہتان اور واضح گناہ ہے۔

2 سورۃ الفتح کی آخری آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ...... الخ﴾ جس کا تذکرہ اس رسالہ کے شروع میں کیا گیا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عناد رکھنا اور ان کے بارے میں غیظ وغضب میں مبتلا ہونا کافروں کا شیوہ ہے، اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان پاکباز ہستیوں کے متعلق غیظ وغضب کا اظہار کرنا اور انہیں برا بھلا کہنا مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا کیونکہ یہ کافروں کا عمل ہے۔

3 ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں چند احادیث کا تذکرہ پہلے کر چکے ہیں، ان میں سے ایک حدیث جسے حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے سے منع فرمایا ہے، جو حرمتِ سب وشتم کی واضح دلیل ہے۔

4 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)

ترجمہ: ''جس شخص نے میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیں اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

[الطبرانی فی الکبیر: ۳/۱۷۴، وانظر: الصحیحۃ لشیخ ناصر الدین: ۲۳۴۰]

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ملعون قرار دیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان درازی اور سبّ وشتم کرتا ہے، لہذا ان پر زبان درازی کرنے والوں کو اپنے متعلق خود ہی سوچ لینا چاہئے کہ ان کے بارے میں سید الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فیصلہ صادر فرمایا ہے!!

5 حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے ہیں، حتی کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی معاف نہیں کرتے! تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ دراصل ان کا عمل منقطع ہو چکا ہے تو اللہ نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ ان کا اجر منقطع نہ ہو۔[جامع الأصول: ۹/۴۰۸] ان تمام دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنے دلوں کو بغض اور کینہ سے پاک رکھنا اور اپنی زبانوں کو ان پر سبّ وشتم کرنے سے محفوظ رکھنا لازمی امر ہے۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتا اور ان کی عیب گیری کرتا ہو وہ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب گیری کرتا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انہیں بشارتیں سنائی ہیں اور انہیں امین اور ثقہ قرار دیا ہے۔ اور وہ شخص دراصل اللہ تعالیٰ پر بھی اعتراض کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں اپنے نبی کے ساتھ کے لئے منتخب فرمایا اور انہیں اپنی رضامندی سے نوازا اور ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔ اور وہ شخص دراصل پورے دینِ الٰہی میں طعنہ زنی کرتا ہے کیونکہ اس دین کو نقل کرنے والے یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تو ہیں، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیب گیری کرنا انتہائی خطرناک امر ہے، جس سے فوری طور پر توبہ کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سچی محبت کرنے کی توفیق دے۔ آمین

ایک موزے میں چلنے کی ممانعت:

ان قابل اعتراض احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جس میں ایک موزے میں چلنے سے منع کیا گیا ہے۔

جواب: .... ائمہ اہل بیت نے بھی روایت نقل کی ہے۔ امام صادق جعفر بن محمد اپنے والد سے، وہ اپنے آباء سے، وہ امیر المؤمنین سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ: ''کوئی انسان ایک ہی جوتے میں چلے یا کھڑا ہو کر جوتا پہنے۔''[3]

اور ابو بصیر نے امام باقر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: ''ایک جوتے میں نہ چلا کرو۔ بیشک شیطان ایک جوتے میں چلتا ہے، اور انسان بعض احوال میں بہت تیز ہوتا ہے۔''[4]

حدیث:.... اِنماالطیرۃفی المرأۃوالدابّۃ:

جن احادیث پر ان لوگوں نے اعتراض کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

''اِنما الطیرۃ في المرأۃ والدابّۃ''۔

جواب: ....خالد بن نجیح نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے، کہا:

''ایک دن آپ کے پاس نحوست کا تذکرہ ہوا، تو آپ نے فرمایا: ''نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے۔ عورت، جانور اور گھر۔ عورت کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ اس کا مہر بہت زیادہ ہو اور وہ شوہر کی نافرمان ہو اور چوپائے کی نحوست یہ ہے کہ اس کی عادات بری ہوں اور وہ سوار نہ ہونے دے اور گھر کی نحوست یہ ہے کہ اس کا صحن تنگ ہو، پڑوسی برے ہوں، اور عیوب کثرت کے ساتھ ہوں۔''[1]

حدیث: ....بیدار ہونے پر ہاتھ دھونے کا حکم:

جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو ہاتھ دھولے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' جب تم میں سے کوئی ایک نیند سے بیدار ہو تو اسے چاہیے کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اپنے ہاتھ دھولے۔ اس کے لیے کہ تم میں سے کوئی ایک نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔''[2] جواب: ....یہ حدیث بھی ائمہ اہل بیت نے روایت کی ہے، عبد الکریم بن عتبہ کہتا ہے: '' میں نے آپ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو نیند سے بیدار ہوتا ہے، اور وہ قضائے حاجت نہیں کرتا، کیا وہ ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں داخل کر سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں اس کو پتہ نہیں کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے، پس اسے ہاتھ دھو لینے چاہیں۔''[3]

کتا پالنے پر اجر میں کمی:

حدیث: ....کتا رکھنے والے کا اجر روزانہ ایک قیراط کم ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' جس نے شکار، زراعت یا کھیتی کی حفاظت کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے کتا پالا تو اس کے اجر میں ہر روز ایک قیراط کی کمی آتی ہے۔''[4]

جواب: ....ابو عبد اللہ نے فرمایا: '' جب بھی کوئی کتا رکھتا ہے تو کتے والے کے اعمال میں روزانہ ایک قیراط کمی آتی ہے۔''[5]

جو کوئی چو کیداری اور زرعی ضرورت کے بغیر کتا رکھتا ہے۔ اس کے عمل میں روزانہ دو قیراط کمی ہوتی ہے۔[6]

جنازہ کے پیچھے چلنے کا اُجر ایک قیراط:

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے جو کوئی جنازہ کے ساتھ چلتا ہے اس کے لیے ایک قیراط اُجر ہے۔ آپ نے کہا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ احادیث بیان کرتا ہے، آپ نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ حتیٰ کہ ایک آدمی بھیج کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تصدیق چاہی۔ اس نے بھی یہ روایت بیان کی تو تب یقین ہوا کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ جواب:....[یہ روایت تو خود شیعہ کے ہاں بھی موجود ہے] ابو بصیر کہتا ہے کہ میں نے ابو جعفر سے سنا، اس نے کہا ہے جو جنازہ کے ساتھ چلا حتیٰ کہ نماز جنازہ پڑھی اور پھر واپس آگیا، اس کے لیے ایک قیراط اجر ہے اور جو دفن کرنے تک اس کے ساتھ رہا۔ اس کے لیے دو قیراط اُجر ہے اور ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے۔"[1]

اصبغ بن نباتہ نے کہا ہے کہ امیر المؤمنین نے فرمایا ہے: "جو جنازہ کے ساتھ چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے چار قیراط اُجر لکھ دیتے ہیں۔ ایک قیراط ساتھ چلنے کا۔ ایک قیراط نماز جنازہ پڑھنے کا۔ ایک قیراط دفن کرنے کا، ایک قیراط اہل خانہ سے تعزیت کا۔"[2]

حدیث:.... ملاقات ربانی:

جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔"[3]

جواب: .... یہ حدیث الکافی میں ابو عبد اللہ کی روایت سے موجود ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے، جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔

کیا جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں؟

"آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ایسے نہیں ہے جیسے تم سمجھے ہو، بیشک ایسا موت کے معاینہ کے وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھتا ہے، تو اسے کوئی چیز اس سے اچھی نہیں لگتی کہ اسے وہ اپنے آگے اللہ کے پاس بھیج دے،

اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں اور وہ اس وقت اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور جب کوئی ایسی چیز دیکھتا ہے جو اسے ناپسند ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔[1]

ایسے ہی امام سجاد سے روایت ہے، ان الفاظ میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ تمام روایات حالت موت کے بارے میں ہیں۔

نمازوں میں تخفیف پچاس سے پانچ:

کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں قصہ معراج النبی، اور رب تعالیٰ سے ملاقات کے متعلق عجیب وغریب قصہ روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " پھر اللہ نے میرے اوپر پچاس نمازیں فرض کی تو میں اس حکم کو لے کر واپس آیا حتی کہ میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اللہ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا : پچاس نمازیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ اپنے پروردگار سے تخفیف کی درخواست کریں، کیونکہ آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں ہے۔" تو میں واپس گیا اور اپنے پروردگار سے دوبارہ عرض کیا تو اللہ تعالی نے اس کا ایک حصہ معاف فرمایا۔ پھر میں موسیٰ کے پاس واپس آیا تو انہوں نے پھر اسی طرح کہا۔ اور میں نے ویسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر ایک حصہ معاف کر دیا۔ میں پھر موسیٰ کے پاس واپس آیا اور میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے کہا: اپنے پروردگار سے پھر عرض کیجیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔"

میں نے واپس آکر پھر پروردگار سے کہا تو اس نے فرمایا کہ:" یہ پانچ نمازیں باقی رکھی جاتی ہیں اور یہ ثواب میں پچاس نمازوں کے برابر ہیں میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی۔"[2]

جواب:.... "الوسائل" میں الحر العاملی نے باب باندھا ہے: باب ہر دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھنے کے بیان میں بلکہ ہر دن، اور ہر رات میں اگر ممکن ہو۔" اس باب میں ائمہ اہل بیت سے نو احادیث مروی ہیں۔[1]

باب ہر دن اور رات میں ایک ہزار رکعت کے استحباب کے بیان میں ، بلکہ ہر دن میں اور ہر رات میں ، ماہ رمضان اور دیگر میں لیلۃ القدر کے ساتھ۔"[2]

ابو جعفر سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ غلاموں کی طرح کھانا کھاتے تھے.... آگے چل کر کہتا ہے.... اور آپ ہر دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔"[3]

آپ سے ہی روایت ہے کہتے ہیں: حضرت علی بن حسین علیہ السلام ہر دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کیا کرتے تھے۔[4]

صدوق نے ابو بصیر سے روایت کیا ہے کہ امام صادق نے فرمایا ہے: ہمارے شیعہ اہل ورع لوگ ہیں.... اہل زہد وعبادت ہیں اور ہر دن اور رات میں اکیاون رکعات پڑھنے والے ہیں۔" حائری نے باب "النوافل الیومیۃ" میں کہا ہے: "جہاں تک یومیہ نوافل کا تعلق ہے، ان کی مجموعی تعداد فرائض کی مجموعی تعداد کا دوگنا ہے۔ یہ چونتیس رکعات ہیں۔"[5]

ابن بابویہ القمی نے یہ حدیث زین العابدین سے روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے اور بات کرتے رہے، اس چیز کے بارے میں جس کا حکم رب نے دیدیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، تو وہ آپ کی امت کے حق میں آپ کے سامنے شفاعت کر رہے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز نہیں تھا کہ اپنے بھائی کی سفارش کو رد کر دیں۔ آپ اپنے رب کے پاس واپس گئے، اور رب تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا۔ حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اباجی: آپ نے پھر جا کر اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیوں کیا، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے رب سے دوبارہ تخفیف کا سوال کریں۔ تو آپ نے فرمایا: اے بیٹے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ تخفیف کے ساتھ ساتھ پچاس نمازوں کا اجر بھی باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ [الانعام: ۱۶۰]

"جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی اور جو برائی لے کر آئے گا سو اسے جزا نہیں دی جائے گی، مگر اسی کی مثل اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

یہ اقرار امام صاحب کر رہے ہیں کہ یہ تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مؤمن بندوں پر اس کی رحمت اور مہربانی ہے۔ آیت اللہ العظمی میرزا الشیخ جواد تبریزی اس حدیث کے متعلق سوال کرنے والے سائل پر رد کرتے ہوئے کہتا ہے:

"سند کے اعتبار سے اس روایت میں کوئی حرج نہیں۔ صدوق نے یہ روایت "الفقیہ" میں روایت کی ہے، اس کے علاوہ اور بھی کچھ روایات نقل کی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نماز کی تخفیف کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمائی، حتیٰ کہ سترہ رکعات

باقی رہ گئیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ سات رکعات زیادہ کیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ اپنی امت پر شفقت کی وجہ سے کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی بزرگی کی وجہ سے آپ کی بات مانتے رہے۔"[1]

☆☆☆

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اہم معلومات

حدیث کی نو اہم ترین کتابوں (صحیح بخاری، مسلم، سنن ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند احمد اور دارمی) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات تلاش کرنے والا دیکھے گا کہ آپ کی اکثر روایات میں دوسرے صحابہ بھی ہر حدیث میں آپ کے ساتھ شریک ہیں سوائے آٹھ احادیث کے، کیا آپ کو اس بات کا یقین آسکتا ہے؟ وہ آٹھ روایات یہ ہیں:

۱۔ آدمی کی گائے پر سواری کی روایت[1]

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سورت زلزال کی قرأت[2]

۳۔ أتدرون من المفلس.... [3]

۴۔ أول من یدعیٰ یوم القیامۃ[4]

۵۔ اظلکم شہر کم[5]

۶۔ أعذر اللہ إلی أمري.... [6]

۷۔ أقرب ما یکون العبد.... [7]

۸۔ بینما أیوب یغتسل.... [8]

آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فضائل اہل بیت میں مروی چند روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ پر اہل بیت سے عداوت اور ان کے فضائل چھپانے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا:

((لأعطين الراية غداً رجلاً يحب الله و رسوله و يحبه الله و رسوله۔)) [9]

'' کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' اور اللہ اوراس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔'' اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر فتح دیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛ اس دن کے علاوہ میں نے کبھی بھی امیر بننا پسند نہیں کیا۔ ہم نے رات اس حالت میں گزاری کہ ہم میں سے ہر ایک اس بات کی امید کرنے لگا کہ یہ پرچم ہمیں مرحمت ہو گا، لیکن دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں وہ علم دیا اور فرمایا:

''سیدھے چلتے جاؤ۔ دائیں بائیں مت مڑنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر چلے اور پھر رک گئے اور ادھر ادھر مڑے بغیر چیخ کر پوچھا: ہم ان کافروں سے کس بات پر جنگ کریں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان سے أشهد أن لا إله إلا اللّٰه و أشهد أن محمداً رسول اللّٰه کی گواہی پر جنگ کرو۔ اگر وہ اس کا اقرار کرلیں تو ان کی جانیں اور اموال محفوظ ہو جائیں گے سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہو گا۔''

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: ''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر اور جو کوئی اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر۔''[1]

'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے یہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا ہے۔ اس وقت سے میرے لیے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر محبوب کوئی دوسرا نہیں ہو سکا۔''

۳۔ میں اس وقت ہمیشہ سے اس آدمی سے محبت کرتا ہوں جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان ان کے منہ میں داخل کر رہے تھے، اور فرمار ہے تھے: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر۔''[2]

میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ جب آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت براَت دیکر اہل مکہ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ سے پوچھا گیا: آپ کس چیز کی منادی کرتے تھے؟ تو فرمایا: ہم یہ منادی کرتے تھے:

☆.... ''جنت میں اہل ایمان کے علاوہ کوئی دوسرا داخل نہیں ہو گا۔

☆.... اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔

☆.... اور جس کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی متعین مدت کا معاہدہ تھا، وہ اپنی مدت چار ماہ پوری کرے گا۔

☆.... جب چار ماہ گزر جائیں تو اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں۔

☆.... اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔

آواز لگاتے ہوئے میری آواز بیٹھ گئی۔"[1]

ایک روایت میں ہے کہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشرکین میں ندا لگا رہا تھا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز بیٹھ جاتی یا گلے میں شکایت ہوتی، یا آواز لگاتے ہوئے تھک جاتے تو میں آپ کی جگہ منادی کرتا.... ہم یہ نداء لگا رہے تھے: اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے پھر اس سال کے بعد کسی مشرک نے حج نہیں کیا اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے اور جنت میں اہل ایمان کے علاوہ کوئی دوسرا داخل نہیں ہو گا اور جس کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی متعین مدت کا معاہدہ تھا، وہ اپنی مدت چار ماہ پوری کرے گا اور جب چار ماہ گزر جائیں تو اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں۔ تو مشرکین اس پر ہنستے تھے، اور کہتے تھے، نہیں بلکہ صرف ایک ماہ۔"[2]

حضرت امام باقر رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عراق میں تھے، تو نماز جمعہ میں سورت جمعہ پڑھا کرتے تھے، ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ ﴾ تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی پڑھا کرتے تھے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو گلے لگایا۔ (صحیح بخاری) عمیر بن اسحق رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں مدینہ کی راہوں پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ تو انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: " میں آپ پر قربان جاؤں اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹائیے، میں وہاں پر بوسہ دینا چاہتا ہوں جہاں پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے، آپ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے ناف پر بوسہ دیا، اگر ناف سَتر میں داخل ہوتا تو آپ اس سے کپڑا نہ ہٹاتے۔"[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر ہماری طرف تشریف لائے تو آپ کے ساتھ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے ایک ایک کندھے پر اور دوسرا دوسرے کندھے پر، اور آپ کبھی اس کو چومتے اور کبھی اس کو۔ ایک آدمی نے یہ دیکھ کر پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ ان دونوں سے محبت کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔"[1]

فرماتے ہیں:" میں جب بھی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں، تو میرے آنسو نکل جاتے ہیں۔" قصہ یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو مجھے مسجد میں پایا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ساتھ لے لیا اور مجھ پر ٹیک لگا لی۔ میں آپ کے ساتھ چل پڑا۔ حتیٰ کہ ہم بنو قینقاع کے بازار میں پہنچے، آپ نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، ایک چکر لگا کر دیکھا اور واپس پلٹ گئے، میں بھی آپ کے ساتھ واپس ہو گیا۔ آپ مسجد میں ٹیک لگا کر بیٹھے اور فرمانے لگے: بچوں کو بلا لاؤ۔ اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے، اور آپ کی گود میں بیٹھ گئے، آپ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک میں داخل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا منہ کھولتے، اور اپنی زبان اس میں دخل کر دیتے اور فرماتے:" اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر۔"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ پر آسمانوں سے فرشتہ نازل ہوا، اور اس نے مجھے یہ بشارت سنائی کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری امت کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔[3] سعید بن ابو سعید المقبری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اتنے میں حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آپ نے سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ ہم نے بتایا: اے ابو ہریرہ! یہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے ہمیں سلام کیا ہے، آپ اٹھ کر ان سے ملے اور کہا: اے میرے سردار! وعلیکم السلام.... پھر فرمایا:" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ سید (سردار) ہے۔"[4]

مساور السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں کھڑے رو رہے تھے، آپ بلند آواز میں رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے:" اے لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حبیب مر گیا ہے، آج خوب رؤو۔"[5]

ہم عشاء کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جب آپ سجدہ کرتے تو حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر چڑھ جاتے، جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو بہت پیار اور نرمی کے ساتھ سر اٹھاتے۔ پھر جب سجدہ کرتے تو یہ دونوں صاحبزادے دوبارہ ایسے ہی کرتے۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو میں نے عرض کیا: کیا انھیں ان کی ماں کے پاس نہ لے جاؤں؟ فرماتے ہیں: "اتنے میں ایک بجلی چمکی اور وہ دونوں اس وقت تک اس کی روشنی اور چمک میں رہے، حتیٰ کہ وہ دونوں اپنی ماں کے پاس چلے گئے۔"[1]

سُبۡحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمۡدِکَ أَشۡھَدُ اَنۡ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّ اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُکَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡکَ ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحۡبِہٖ وَبَارِکۡ وَصَلّٰی وَسَلِّمۡ عَلَیۡہِ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔ وَآخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ۔

☆☆☆

ابو عطاء المنعم بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ وجعل الجنۃ مثواہ

8۔جمادی الاولیٰ :1447ھ ۔30اکتوبر ۔2025ع ۔لیلۃ الجمعۃ ۔9 بجے

مؤلف کے دیگر تالیفات

1۔کتاب الحجامۃ پښتو ....۔. مطبوع

2۔حوارات المسلم عربی .... مطبوع

3۔حوارات النسوۃ عربی .... مطبوع

4۔حوارات ابناء الاسلام .... غیر مطبوع

5۔حوارات بنات الاسلام عربی ....۔۔.. ۔۔مطبوع

6۔حدیقۃ المسلم عربی .... غیر مطبوع

7۔حدیقۃ النسوۃ عربی .... غیر مطبوع

8۔تذکرۃ بیاد شیخ اردو .... مطبوع

9۔اتحاد الامت پښتو.........................غیر مطبوع

10۔معارف الاحوال لاصلاح عمل الاطفال پښتو . مطبوع

11۔اسان اصول فقه پښتو .... غیر مطبوع

12۔لغة الاطفال عربی .... غیر مطبوع

13۔میزان الصرف عربی ....۔۔ مطبوع

14۔صرف بھائی عربی .... غیر مطبوع

15۔مه غمژن کیږه .... غیر مطبوع

16۔اسلامی نغمے پښتو .... غیر مطبوع

17۔دعوت الی الله۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

18۔روضة الاطفال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

19۔پښتو ترجمه اسان مونځ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

20۔ماحکم المیراث فی الاسلام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

21۔اَلْمُکَالَمَةُبِیْنَ یَدَیکَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

22۔اسانه طریقه دقرآن مجیددحفظ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

23۔علم القرآن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

24۔اهل القرآن ورجال القرآن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

25۔پرسکون گهرانه اورحقوق نسواں۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

26۔المکالمه بین النساء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

27۔ثلو یښت دعاګانی او ثلو یښت حدیثونه۔۔۔۔۔۔مطبوع

28۔عظمت قرآن بزبان قرآن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

29۔الجرح والتعدیل وظوابط التحقیق والتخریج ۔۔۔۔۔غیر مطبوع

30۔اصول الحدیث فی حدیث الرسول ۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

31۔توحید باری تعالیٰ سے متعلقہ شکوک وشبہات کا ازالہ۔ غیر مطبوع

32۔پښتو ترجمہ رہنمائے اساتذہ مطالعۂ قرآن حکیم ۔۔غیر مطبوع

33۔پښتو ترجمہ مطالعۂ قرآن حکیم جلد اول ۔۔غیر مطبوع

34۔پښتو ترجمہ مطالعۂ قرآن حکیم جلد دویم۔ غیر مطبوع

35۔پښتو ترجمہ خیر الاصول فی حدیث الرسول ۔۔۔۔مطبوع

36۔فتنوں مؤمن کا کردار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

37۔نور القرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

38۔فکری منصوبی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

(39)اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت (1)

(40) جھنم کا بیان اور اللہ سے محبت کیوں اور کیسے

(41) اصول الفقہ فی علوم الفقہ

(42) مؤمن کی نماز اور طھارت کے مسائل و احکام

43)نماز کا مسنون طریقہ اور اس کے احکام و مسائل

(44)زکاۃ کے فرضیت اور فضائل واحکام

(45) حج کے فضائل واحکام حج وعمرہ

سیرتِ دفاعِ صحابۃ رضی اللہ عنہم

(46) روزہ کے حقیقت اور رمضان المبارک کے احکام و مسائل

(47) خواتین سے متعلق مخصوص احکام و مسائل

(48) نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(49) نبی کی جامع سیرت اور اخلاق نبوی

(50) سیرتِ شیخین یعنی ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما

(51) سیرتِ ختنین یعنی عثمان غنی و علی المرتضٰی رضی اللہ عنہما

(52) سیرتِ حسنین یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما

(53) سیرتِ عظیم اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین

(54) سیرتِ امیر معاویۃ رضی اللہ عنہ

(55) **سیرتِ دفاعِ صحابۃ رضی اللہ عنہم**

فہرست

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	تمہید	2
2	صحابی کسے کہتے ہیں؟	3
3	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل قرآن مجید میں	4

4	صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل احادیثِ نبویہ میں	9
5	صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ہم پر حق	11
6	۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین افضلیب کا عقیدہ:	16
7	۵۔ جنتی ہونے کی گواہی دینا:	18
8	۷۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں پر خاموشی:	20

9	۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین چپقلشوں پر خاموشی:	22
10	۹۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمتیں لگانے والوں سے ان کا دفاع کرنا:	24
11	۲.... حدیث حوض	26
12	اس شبہ پر علماء کا ردّ	28
13	آخری بات	31
14	ایک مردود دعویٰ	36
15	۴.... سریہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما	38
16	آخری بات	29

17	۶.... وہ آیات واحادیث جنہیں مذمت صحابہ پر محمول کیا جاتا ہے	43
18	۷.... وہ آیات جنہیں صحابہ پر طعنہ زنی پر محمول کیا گیا ہے	45
19	آیت جہاد	46
20	آیت ارتداد	49

21	آیت خشوع	50
22	صحابہ رضی اللہ عنہم خود کہتے تھے کہ انہوں نے دین کو بدل دیا ہے	52
23	اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے امت کی عصمت دری	54
24	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد	57

25	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات آیت غار	58
26	ثالثاً:.... روایات عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ	60
27	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اپنے خلاف گواہی	62
28	علمائے کرام کا اس پر ردّ	63
29	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق	67
30	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب وموجب	69
31	مانعین زکوٰۃ سے جنگ	75
32	حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے تکرار:	79

33	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے عہد میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ولایت تفویض نہ کرنے کا شبہ:	81
34	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بیعت میں تاخیر:	82
35	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات	86
36	حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آگ:	88
37	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زبردستی بیعت:	90

38	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نسب کا شبہ:	91
39	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: "اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا":	94
40	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غزوہ حنین سے فرار:	96
41	حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حد زنا کا اسقاط:	98
42	نماز تراویح کا شبہ:	99
43	الصلاۃ خیر من النوم کا اذان میں اضافہ:	100
44	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات	103
45	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ظالموں کی ولایت:	109
46	بیت المال کی اراضی کی اقارب میں تقسیم:	110
47	ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق شبہات جنگ جمل اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:	112
48	سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ:	115
49	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین:	117
50	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم اور قتال:	119
51	باندی لے کر گھومنے والی روایت:	120
52	دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق شبہات حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے متعلق شبہات	123
53	فضیلت صحابہ کرام کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول:	124
54	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شبہات کا جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عدم محاسبہ معاویہ رضی اللہ عنہ:	126
55	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی رحمہ اللہ کا قتل:	130

56	امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور نظام شوری میں تبدیلی:	131

57	حدیث حضرت عمار رضی اللہ عنہ:	133
58	یہ کہنا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کی"	135
59	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات	136
60	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ہونا:	139
61	نماز میں شیطان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنا:	140
62	ترکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ:	142
63	ایک امت کا مسخ:	143
64	حدیث:.... جو جنابت کی حالت میں صبح کرے، وہ روزہ نہ رکھے:	144

65	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چوکیداری کا قصہ:	146
66	حدیث:.... "بلی کی وجہ سے عورت جہنم کی نذر"	147
67	فضائل صحابہ کی مرویات اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	148
68	حدیث:.... خلق اللہ آدم علی صورتہ:	150
69	حدیث:.... "لا تملاء النار حتی یضع اللہ رجلہ فیہا":	152
07	حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک رات میں سو بیویوں سے ملاقات:	155
71	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کو تھپڑ:	157
72	حدیث:.... انبیائے کرام علیہم السلام سے طلب شفاعت بروز قیامت:	159

73	حدیث: .... حضرت ایوب علیہ السلام پر سونے کی ٹڈیاں گرنا:	160
74	نومولود اور غیب کی خبریں :	161
75	حدیث: .... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنابت کا وقعہ:	163
76	حدیث: .... حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ۸۰ سال کی عمر میں:	165
77	حدیث: .... احتجاج آدم وموسی علیہ السلام:	166
78	اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص شیخین (ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ) کے درمیان تعلقات	168
79	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مابین پیار ومحبت	171
80	اہل بیت اور آلِ صدیق رضی اللہ عنہم کے درمیان شادیاں:	173

81	اہل بیت اور آل الخطاب رضی اللہ عنہم کے درمیان شادیاں:	174
82	انصارِ مدینہ کے فضائل	177
83	اہلِ بدر کے فضائل	180
84	اہلِ اُحد کے فضائل	181
85	1 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا اور ان کے لئے دعا کرنا	183
86	2 اہل السنۃ والجماعۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں	184
87	4 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا حرام ہے	186
88	حدیث: .... بیدار ہونے پر ہاتھ دھونے کا حکم:	188

89	نمازوں میں تخفیف پچاس سے پانچ:	190
90	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اہم معلومات	191
91	مؤلف کے دیگر تالیفات	196
92	فہرست	199